عہدِ اُموی میں سیاسی و مذہبی احزاب

جولیئس ولہاوزن

(J.WELLHAUSEN)

ترجمہ و حواشی

پروفیسر ڈاکٹر علی محسن صدیقی

قرطاس

بسم الله الرحمن الرحيم

عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب

مشہور مستشرق جولیس ولہاؤزن کی جرمن زبان میں تصنیف کا
اردو ترجمہ معہ حواشی

از

علی محسن صدیقی

پروفیسر (ریٹائرڈ) علوم اسلامی و تاریخ اسلام
کراچی یونیورسٹی

marfat.com

قرطائق

سلسلہ مطبوعات ۵۹

بار اول ربیع الاول ۱۴۲۲ھ/ جون ۲۰۰۱ء

بار دوم ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ/ جنوری ۲۰۰۷ء

قیمت مجلد -/۱۲۰ روپے

غیر مجلد -/۱۰۰ روپے

جملہ حقوق محفوظ

یہ کتاب یا اس کتاب کا کوئی حصہ ادارہ یا مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر ہرگز نہیں چھاپا جا سکتا بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

تحقیق و تصنیف کے لیے کتاب کے اقتباسات مکمل حوالے کے ساتھ دیے جائیں۔

ISBN

969-8448-16-0

زیر اہتمام

قرطاس

پوسٹ بکس نمبر 8453

کراچی یونیورسٹی، کراچی ۔ 75270

موبائل: 0300-9245853

ای میل: nigarszaheer@yahoo.com

marfat.com

فہرست مضامین

۱۔	مقدمہ مترجم	۷
۲۔	قتل حجر بن عدی	۱۲
۳۔	شہادت حسین رضی اللہ عنہ	۳۴
۴۔	التوابون	۶۴
۵۔	مختار ثقفی کی بغاوت	۷۴
۶۔	مختار ثقفی کے عقائد وافکار	۱۱۵
۷۔	شہادت زید بن علی بن حسین	۱۳۶
۸۔	عہد اموی میں شیعوں کی آخری بغاوت	۱۴۷
۹۔	حواشی ترجمہ انگریزی	۱۵۱
۱۰۔	ضمیمہ مترجم (نظام خلافت اور اسلامی سیاست کاری کا تاریخی ارتقا)	۱۵۵

marfat.com

مقدمہ

مشہور جرمن مستشرق جولیس ولہاؤزن کی شہرت زیادہ تر اس کی کتاب "The Arab Kingdom And It's Fall" کی وجہ سے ہے۔ اس کتاب میں بنو امیہ دمشق کے زوال کی عبرت انگیز داستان بیان کی گئی ہے اور اپنے موضوع پر یہ کتاب آج بھی بہترین مانی جاتی ہے۔ اس فاضل شرق شناس کی ایک اور کتاب بنام ''صدر اسلام میں دینی و سیاسی احزاب'' ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں' حصہ اول میں الخوارج کی ان معرکہ آرائیوں کا ذکر ہے' جو انہوں نے اموی خلافت کے خلاف کیں۔ کتاب کے دوسرے حصہ میں الشیعہ اور اموی خلفاء کے مناقشات کا بیان ہے۔ اس میں جن واقعات کو موضوع بنایا گیا ہے' وہ نہ صرف یہ کہ عہد اموی کے اہم حوادث ہیں' بلکہ اسلام کی تاریخ میں بھی ان کی اہمیت مسلم ہے اور آج بھی وہ مہتم بالشان ہیں۔ ''الخوارج'' کی جن بغاوتوں سے ہمارے فاضل مستشرق نے بحث کی ہے' ان کی اگر کوئی اہمیت تھی تو اموی خلافت کی بساط کے ساتھ لپیٹ دی گئی اور ان کا عصر حاضر میں مطالعہ محض علمی نوعیت کا ہے۔ اس کے برعکس ''الشیعہ'' کے بیان میں جن حوادث کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اپنی جلالت شان اور دور رس نتائج کے باعث آج بھی اہم نقطہ تحقیق و تدقیق ہیں۔ یعنی ''شہادت حسین بن علی رضی اللہ عنہما'' گروہ ''التوابون'' کی جاں سپاری' مختار ثقفی کی فوجی مہم جوئی' اس کے عقائد وافکار کا بیان اور سیدنا زید بن حسین کی شہادت کے واقعات' اسلام کی انفعالی تاریخ میں حددرجہ اہم ہیں۔ اموی خلافت کے عظیم حربی آثار اور تسخیری کارنامے' ان حوادث کے سبب دھول ہو گئے اور ان کی صحیح قدر و قیمت کا تعین نہ کیا جا سکا۔ ''الشیعہ'' کی اس اہمیت کے پیش نظر خاکسار نے کتاب کے اس جزء کے ترجمہ تک اپنی توجہ محدود رکھی۔ ضرورت

marfat.com

اس بات کی ہے کہ فاضل مستشرق کی کتاب "The Arab Kingdom And It's Fall" کا ترجمہ بھی کیا جائے۔ توقع ہے کہ ''مردے از غیب بروں آید و کارے بکند''۔

ولہاؤزن ان فضلاء میں سرِفہرست ہے جنہوں نے مورخ کبیر امام محمد بن جریر الطبری کی کتاب ''تاریخ الملوک والرسل'' کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور تاریخ اسلام کے ''صدر اول'' کے مباحث کی بنیاد اسی اہم ماخذ پر رکھی ہے اور بہت کم دوسرے ماخذ پر اعتماد کیا ہے۔ ''کتاب صدر اسلام میں دینی و سیاسی احزاب'' میں بھی اس کی اساسی کتاب تاریخ طبری ہی ہے۔

طبری کی روایات میں تطبیق، ترتیب و تنسیق بڑا مشکل کام ہے۔ ولہاؤزن نے بڑی محنت و تندہی سے اس کار مشکل کو کامیابی سے سر انجام دیا ہے۔ اموی دور کے واقعات سے متعلق مختلف روایتوں میں تعدیل کرنا اور انہیں ایک عمدہ ترتیب سے سپرد قلم کر دینا، ولہاوزن ہی کا کام ہے، نئے لکھنے والوں کے لئے اس نے ایک اچھی مثال قائم کر دی ہے۔

فاضل مستشرق کا اسلوب نگارش یہ ہے کہ کسی واقعہ سے متعلق مختلف روایتوں کی چھان پھٹک کر کے وہ اپنے بیانیہ کی توثیق کرتا ہے، مگر وہ مورخانہ وقت نظر سے کام نہیں لیتا اور نہ روایات و رواۃ کی جرح و تعدیل میں الجھتا ہے۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے خواجہ تاش شرق شناسوں کی طرح، پہلے سے ایک موقف متعین کر لیتا ہے اور اسکی توثیق و تطبیق کی خاطر رواۃ و روایات سے بحث کرتا ہے۔ یہ رجحان بڑا خطرناک ہے اور قاری کو دقت نظر سے کام لیتے ہوئے مصنف کے نتائج کو قبول کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر غلط فہمی اور ناخوش اندیشی کی بھول بھلیوں سے نکلنا اس کے لئے آسان نہ ہوگا اور وہ جہل مرکب کا صید زبوں ہو جائے گا۔

ہر دور، ہر معاشرہ اور ہر قوم کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ تاریخ کا طالب علم جب اس عہد کے واقعات و حوادث کا مطالعہ کرتا ہے، تو اسے اس عہد کے احوال و ظروف، اس قوم کے عوائد رسمیہ اور اس سوسائٹی کی اساس اور روح سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے...... جس عہد کا وہ مطالعہ کرتا ہے اس کی عقلیت، اس کے اخلاق اور اس کے رسوم کو مدنظر رکھنا

marfat.com

اور انہیں معیاروں پر اشخاص و حوادث کو پرکھنا پڑتا ہے۔ ماضی کے افراد و حوادث کو حال کے معیار سے جانچنا گزشتہ کے لئے حال کو عیار قرار دینا اور اس پر احوال ماضیہ کو مبنی بر حق یا بر باطل قرار دینا تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہے۔ ایسے اسالیب سچائی کی کسوٹی پر کبھی پورے نہیں اترتے اور غلط فہمیوں کو جنم دیتے ہیں۔ ہمارے مستشرقین و نیز مشرقین اس طریقے سے بھی کام لیتے ہیں۔ بلکہ ہمارے فضلاء تو تاریخ کے بجائے تقریظ لکھنے لگتے ہیں' جو تاریخ نہیں ہے۔ یوں مغرب کے شرق شناسوں کی تنقیص اور مشرق کے فضلاء کی تقریظ' تاریخ کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کے سوا کچھ اور نہیں۔

میں نے ولہاؤزن کے مقالہ کا ترجمہ کرتے وقت جن امور کو ملحوظ رکھا ہے ان میں پہلی بات یہ ہے کہ مصنف کا ماخذ اہم طبری کی تاریخ ہے۔ اس لیے متعلقہ بیانات کی تاریخ طبری سے مراجعت کی گئی' اگر کہیں اس سے طبری کو سمجھنے میں غلطی ہوئی' تو اس کی تصحیح کردی گئی۔ جہاں اس نے کسی روایت کا صرف ایک جز نقل کیا' اگر مناسب سمجھا گیا تو توضیح مزید کی غرض سے پوری عبارت کا ترجمہ کیا گیا۔ طبری کے علاوہ اگر مصنف نے کسی اور ماخذ کا حوالہ دیا ہے تو اس کی جانچ کی گئی ہے الغرض مصنف کے مندرجات کو اصل ماخذ سے مطابق کیے بغیر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر مصنف نے محض عقلی توجیہ کی بناء پر طبری کے کسی بیان کی تردید کی ہے' تو اس پر اعتماد نہیں کیا گیا ہے' بلکہ دوسرے ماخذ سے طبری کی توثیق کی گئی ہے اور مصنف کے شک کا ازالہ کردیا گیا ہے' مثلاً حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر ان کے نام کی وجہ سے ولہاؤزن نے شک کا اظہار کیا ہے اور انہیں صحابی نہیں مانا ہے۔ کتب طبقات سے طبری کی توثیق کردی گئی ہے اور نام کی غلط فہمی یوں دور کردی گئی ہے کہ ان کا نام یسار تھا' قبول اسلام کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ نے اسے بدل کر سلیمان کردیا تھا۔

مصنف کے اخذ کردہ نتائج سے بالعموم بحث سے اجتناب کیا گیا ہے' ہاں اگر ایسا تاریخی حقائق کو مسخ کر کے کیا گیا ہے' تو اس کی غلطی کے اظہار میں صحیح واقعات کی نشان دہی کردی گئی ہے' مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مختار ثقفی کا ان کی مدد کی غرض سے مدینہ لشکر بھیجنا اور ابن زبیرؓ کے آدمیوں کے ہاتھوں اس لشکر کی بربادی کو

marfat.com

ولہاؤزن نے غلط حقائق پر مبنی معلومات کی بناء پر غداری قرار دیا ہے اور ابن زبیرؓ کو مطعون کیا ہے۔ صحیح صورت حالات سے واقفیت کے بعد ابن زبیر کسی طعن کے سزاوار نہیں ٹھہرتے اور جرم مختار ہی کے سر رہتا ہے۔ کتاب کے مقالہ اول بنام ''قتل حجر بن عدی'' کا یہ منہج نہیں ہے۔ وہ ترجمہ ۱۹۶۸ء میں کیا گیا تھا اور رسالہ برہان دہلی کے شمارہ جنوری ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں ولہاؤزن کی تصحیح و تعدیل کے علاوہ طویل اختلافی حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے یوں اس کی حیثیت ولہاؤزن کے بجائے مترجم کے ترجمان کی ہوگئی۔ بقیہ مقالے بعد میں ترجمہ ہوئے یوں ان کے درمیان ایک ربع صدی کا وقفہ ہے۔ قارئین کرام کتاب کے مطالعہ کے وقت اس طویل فرق زمانی کو ملحوظ رکھیں۔ مترجم کی کم سوادی و بے سوادی سے صرف نظر فرما کر درگزر سے کام لیں۔

کتاب زیر ترجمہ کا عربی ترجمہ مصر کے مشہور فاضل جناب عبدالرحمٰن بدوی نے کیا ہے اور قاہرہ سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا ہے۔ مترجم عربی نے نہ مصنف کے ماخذ سے مراجعت کی اور نہ اس کے استنباط سے کسی طرح کا اختلاف کیا ہے۔ حالانکہ غلطیوں کی نشان دہی اور مغالطوں کی تصحیح ضروری تھی۔ مترجم اردو نے امکانی حد تک اس کی کوشش کی ہے۔ ترجمہ کے بعد کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی دیکھنے کے لئے ہم دست ہوا۔ اس سے بھی مراجعت کی گئی اور مترجم انگریزی کے بعض ضروری حواشی کا ترجمہ کر کے شامل کر دیا گیا ہے۔ عربی ترجمہ ژولیدہ ہے جبکہ انگریزی ترجمہ نسبتاً عمدہ ہے۔

ولہاؤزن نے طبری کے لائیڈن ایڈیشن کے حوالے دیئے ہیں۔ یہ ایڈیشن اب نایاب ہے۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں دارالمعارف مصر سے طبری کا ایک نہایت محقق ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ مترجم نے حوالوں میں لائیڈن ایڈیشن کے متوازی مصری ایڈیشن کا ایزاد کر دیا ہے' یوں اہل نظر کے لئے دونوں ہی ایڈیشنوں سے مراجعت آسان ہوگئی ہے۔

قوسین کے اضافے مترجم نے کئے ہیں' یوں مزید معلومات و تصحیحات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ترجمہ رواں مگر علمی اسلوب کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہے۔ مصنف کے خیالات کی ترجمانی کی گئی ہے اور اس کے ماحول کو قاری کے ذہنی ماحول سے قریب تر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اختلاف زبان کو مصنف کی افکار تک رسائی کے لئے دیوار نہیں بنایا گیا ہے اور

marfat.com

ہر امکانی کوشش کی گئی ہے کہ فاضل مستشرق کے خیالات قاری تک پہونچ جائیں منقح ہو کر، مصحح ہو کر۔

کتاب زیر ترجمہ کا مقالہ دوم سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے واقعات شہادت سے متعلق ہے۔ اس مقالہ میں ولہاؤزن نے اس ''ماسات کبریٰ'' (المیہ عظمیٰ) کے اہم کرداروں کے ذکر کے موقع پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے ایک بڑے حصے سے مترجم کو شدید اختلاف ہے۔ اس کا اظہار آغاز مقالہ پر لکھے گئے توضیحی نوٹ میں بھی کر دیا گیا ہے اور اس لئے قابل اعتراض حصہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ مترجم کے نوٹ کو مقالہ دوم کے آغاز میں مطالعہ فرمائیں۔ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ یہ میرا ایک مقالہ ہے جس کا عنوان ہے ''نظام خلافت اور اسلامی سیاست کاری کا تاریخی ارتقاء'' (از ۱۱ھ تا ۱۳۲ھ یعنی آغاز عہد اموی کے اختتام تک) اس غیر مطبوعہ مقالہ کا ایزاد مجھے یقین ہے قارئین کرام کے لئے مزید دل چسپی کا سبب ہوگا اور ان کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔ اس مختصر گزارش کے بعد، اجازت چاہتا ہوں۔ کسی تسامح کے لئے طالب عفو ہوں۔ العون من اللہ۔

خاک پائے اہل علم
علی محسن صدیقی
پروفیسر (ر) علوم اسلامی و تاریخ اسلام
کراچی یونیورسٹی، کراچی

marfat.com

باب اول

''قتل حجر بن عدی''

(حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمان دو گروہ میں بٹ گئے۔ ایک گروہ حامیانِ علی (رضی اللہ عنہ) کا اور دوسرا گروہ حامیان معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا۔ عربی زبان میں گروہ کو ''شیعہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس لیے ''شیعان علی'' کی اصطلاح ''شیعان معاویہ'' کے مقابلہ میں عام ہوگئی۔ لیکن جب (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) تمام مملکت اسلامیہ کے حاکم ہوگئے' تو وہ صرف ایک گروہ کے سربراہ نہ رہے۔ اس لیے لفظ شیعہ کا استعمال حامیان علی (رضی اللہ عنہ) کے لیے مخصوص ہوگیا۔ اس استعمال میں (شیعان علیؓ) کے خوارج کے ساتھ مناقشات کو بھی دخل ہے۔ ان لوگوں نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنا قائد اس لیے تسلیم نہ کیا تھا کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) کے چچا زاد بھائی' داماد اور ان کے نواسوں کے باپ تھے' کیونکہ ریاست کی سربراہی کے سلسلہ میں قرابت داری کا حق' جو خالص ملوکیت تھا' عربوں میں متعارف نہ تھا۔ اور اس سے زیادہ یہ کہ اسلام نے اس حق کو تسلیم نہ کیا تھا' بلکہ انہوں (شیعان علیؓ) نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو اس لیے اپنا سربراہ مانا تھا' کہ وہ ان کے نقطہ نظر سے قدیم الاسلام صحابہ رسول (ﷺ) میں سب سے افضل تھے' اور انہیں (قدیم الاسلام صحابہ رضی اللہ عنہم) میں سے اس وقت خلیفہ منتخب کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ جس طرح نبی (کریم ﷺ) کے مشیر تھے' اسی طرح خلیفہ کے لیے بھی بمنزلہ (ارکان) شوریٰ کے تھے۔ وہ نیز بڑی حد تک اعلیٰ عہدہ داروں کے تبادلے کے وقت اس دینی حکومت کے تسلسل کا باعث بھی تھے' دراصل (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) اس وقت اس اسلامی طبقہ کے نمائندہ تھے' جسے یہ مقام بلند اپنے فضل اور غیر رسمی حق خلافت کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔

marfat.com

(حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے مقرر کردہ عمالی کا اقتدار بالفعل اس (غیر رسمی حق) کے لیے خطرہ کا باعث تھا(۱)۔ بنوامیہ کا تعلق زمانہ جاہلیت کے بت پرستانہ رسوم رکھنے والے ایک اعلیٰ نسب خاندان سے تھا(۲)۔ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو ابھی خلافت ملی ہی تھی کہ اس ''روحانی اعیانیت'' کے دو باقی ارکان ان کے خلاف ہو گئے حالانکہ اس وقت تک یہ دونوں ان کے معاون تھے اور ان کو اپنی (ذات) پر مقدم رکھتے تھے۔ قتل عثمان (رضی اللہ عنہ) کی وجہ سے (امت میں) جو غصہ تھا' ان دونوں نے اسے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی مخالفت میں تبدیل کر دیا' اور (قصاص عثمانؓ) کے حق کے خود متولی بن گئے۔ لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس ٹکراؤ میں ان تمام لوگوں نے شدت پیدا کی جن کو خلافت کی طمع تھی' اور حق قصاص صرف عوام کو بھڑکانے اور انہیں ایک پرچم دینے کا بہانہ تھا' جس کے نیچے وہ لڑ سکیں (۳)۔

(حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) اپنی صف میں اہل عراق کو شامل کر سکے۔ یہ لوگ (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے خلاف فتنہ برپا کرنے والوں میں سب سے پیش پیش تھے' اس لیے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کوفہ منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے (اہل) بصرہ کو بھی اپنا طرفدار بنا لیا۔ مگر (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے لیے یہ سارے امور اپنے پیماں شکن حریفوں کے خلاف ایک خونی جنگ کے بعد ممکن ہو سکے۔

اب رہے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) تو ان کے ساتھ شام (والے) تھے۔ وہ ان پر ایک طویل مدت سے حکومت کر رہے تھے۔ اس لیے ان کا اور (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کا ٹکراؤ' اہل عراق اور اہل شام کے مابین ٹکراؤ میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس ٹکراؤ کا خاتمہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے قتل پر ہوا' جو اہل عراق کے مصالح کے خلاف تھا۔ لیکن یہ (عراقی) امت اسلامیہ کی اس وحدت میں' جو از سر نو (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کے باعث وجود میں آئی تھی' مجبوراً اپنی مرضی کے خلاف داخل ہوئے اور وہ بھی دکھاوے کے لیے نہ کہ دلوں سے۔ یوں اہل شام کے تسلط کے خلاف (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی ذات ان کے لیے علم جنگ بن گئی۔ ان (عراقیوں) کے نقطہ نگاہ سے وہ مختصر دور' ایک مثالی دور تھا' جس میں دمشق کے بجائے' کوفہ

marfat.com

اسلام کا پایہ تخت تھا' اور اس میں مسلمانوں کا بیت المال تھا۔

شیعوں کو اولاً عراق میں فروغ ہوا۔ یہ لوگ دراصل کوئی دینی فرقہ نہ تھے' بلکہ اس علاقے میں سیاسی رائے رکھنے والا ایک گروہ تھے۔ اس لیے عراق کے تمام باشندے' خصوصاً اہل کوفہ بادنیٰ تفاوت شیعہ تھے۔ یہ خیالات صرف افراد تک محدود نہ تھے' بلکہ ان میں قبایل وروسائے قبائل بھی شریک تھے' ان میں جو فرق تھا وہ صرف شیعیت کے مدارج میں تھا۔ ان کی نگاہوں میں (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) ان کے ملک کی گم گشتہ سیادت کی علامت تھے۔ اور یہیں سے ان کی ذات اور ان کے اہل خاندان کی تقدیس (کا نظریہ) پیدا ہوا۔ یہ ایسی تقدیس تھی' جو (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو ان کے حین حیات حاصل نہ ہوئی۔ اگرچہ جلد ہی یہ (نظریہ) تقدیس ایک خفیہ مذہب کی آغوش میں (پروان چڑھ کر) ذات علی (رضی اللہ عنہ) کی حقیقی عبادت میں تبدیل ہوگیا۔

جب تک شیعوں کی تاریخ کا تعلق کوفہ سے رہا' ابو مخنف ان کا مستند ترین ماخذ ہے اور ان کے حالات وواقعات کے بیان میں' خواہ وہ کتنے ہی طویل کیوں نہ ہوں' طبری عموماً ابو مخنف کے سوا کسی اور راوی پر اعتماد نہیں کرتا۔

جب عراق میں (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا اقتدار مستحکم ہوگیا تو انہوں نے (حضرت) مغیرہ بن شعبہ ثقفی (رضی اللہ عنہ) کو وہاں کا والی مقرر کیا' اور انہیں تمام امور میں اختیار کلی دے دیا۔ لیکن انہوں نے (حضرت) مغیرہ (رضی اللہ عنہ) کو نصیحت کی کہ وہ حضرت علیؓ کو گالیاں دیں اور ان کی برائی کریں۔ حضرت عثمانؓ کے لیے دعائے مغفرت کریں اور اصحاب علیؓ کی عیب گیری کریں' انہیں اپنے سے دور رکھیں' ان کی بات نہ سنیں اور یہ کہ نماز جمعہ میں منبر سے حضرت علیؓ کی برائی اور دشنام طرازی' قاتلین عثمانؓ کی عیب جوئی اور ان پر لعنت کی روش کو ترک نہ کریں' و نیز یہ کہ لعن طعن کے موقع پر حضرت علیؓ کے چند متشدد حامیوں کو جن کے نام حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کو بتائے تھے' حاضر رہنے پر مجبور کریں۔

حضرت علیؓ کے حامیوں میں حجر بن عدی بھی تھے' جو اگرچہ قبیلہ کندہ کے سردار نہ تھے' مگر ان کا شمار اس قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ حضرت علیؓ کے ساتھ صفین

marfat.com

اور دوسری لڑائیوں میں موجود تھے۔ جب حجر اس لعن طعن کو سنتے تو کہتے، ''اللہ تمہیں لوگوں کا برا کرے اور تمہیں پر لعنت بھیجے'' جب حضرت مغیرہؓ یہ جملے سنتے تو حجر کو ڈراتے مگر انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچاتے تھے۔

حضرت مغیرہؓ کے عہد ولایت کے آخری دنوں میں ایک دن ایسا ہوا کہ وہ حسب عادت منبر پر کھڑے ہوئے حضرت علیؓ کی برائی کرنے لگے۔ اس پر حجر اپنی جگہ سے اٹھے، اور حضرت مغیرہؓ پر زور سے چلائے اور کہا جسے سب لوگوں نے سنا، جو مسجد میں اور مسجد کے باہر موجود تھے ''کہ اے شخص تجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تو اپنے بڑھاپے میں کس کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ ہمارے وظائف کی ادائیگی کا حکم دے جسے تو نے روک رکھا ہے، حالانکہ تجھے اس کا اختیار نہیں۔ جو شخص تجھ سے پہلے یہاں کا والی تھا اس نے اس کی طمع نہ کی۔ امیر المومنین (حضرت علیؓ کی) برائی اور مجرموں (۴) کی تعریف کرنا، تیرا پسندیدہ مشغلہ بن گیا ہے'' ۔ یہ سن کر حجر کے ساتھ دو تہائی سے زیادہ آدمی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: ''اللہ کی قسم حجر نے بالکل سچ کہا ہے، ہمارے وظائف کی ادائیگی کا حکم دے، کیونکہ ہم تیری اس بات (سب علیؓ) سے نہ تو کوئی نفع حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی یہ ہمیں کسی قسم کا فائدہ پہنچاتی ہے'' (طبری جلد دوم، صفحہ ۱۱۳)۔ یہ سن کر (حضرت) مغیرہ (بن شعبہؓ) منبر سے اتر کر اپنے گھر چلے گئے۔ ان کی قوم بنو ثقیف کے لوگ ان کے پاس آئے اور ان سے اس بارے میں بات چیت کی۔ ان لوگوں کے جواب میں (حضرت) مغیرہؓ نے کہا ''میں نے اس (حجر) کو قتل کر دیا ہے۔ میرے بعد جو والی یہاں (کوفہ) آئے گا، حجر اسے بھی میرے ہی جیسا سمجھے گا اور اس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا، جیسا کہ تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ وہ میرے ساتھ کر رہا ہے۔ اسے نیا والی پہلی ہی باری میں پکڑ لے گا اور نہایت بری طرح سے قتل کر دے گا۔ میری موت کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور میرا کام کمزور ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس شہر کے اچھے لوگوں کے قتل اور ان کی خوں ریزی کی ابتدا کروں کہ وہ لوگ اس کی وجہ سے سعادت حاصل کریں اور میں بدبختی۔ معاویہ دنیا میں غالب اور باعزت رہیں، جب کہ مغیرہ قیامت کے دن ذلیل ہو'' ۔ (طبری جلد دوم، صفحہ ۱۱۴)۔

(حضرت) مغیرہ (بن شعبہ رضی اللہ عنہ) کے جانشین کے ہاتھوں حجر کا انجام

marfat.com

نہایت ہی عبرت ناک ہوا۔ ۵۱ھ میں کوفہ میں والی بصرہ زیاد بن ابیہ (حضرت) مغیرہ (رضی اللہ عنہ) کے جانشین ہوئے۔ یوں کوفہ اور بصرہ دونوں شہروں کی گورنری ان کو تفویض کردی گئی۔ ابومخنف کی روایت میں زیاد کے پہلی بار کوفہ آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مگر مدائنی نے بیان کیا ہے کہ زیاد چند آدمیوں کے ہمراہ کوفہ آئے، منبر پر چڑھے اور من جملہ دیگر باتوں کے یہ بھی کہا کہ انہوں نے کوفہ میں امن اور ضبط ونظم کی عمل داری پائی، اس لیے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ بصرہ کی طرح (یہاں بھی) وہ اپنے کام کا آغاز لوگوں سے قیام امن وضبط ونظم کے اقرار سے کریں۔ لوگوں نے ان کی اس تعریف کا شکریہ یوں ادا کیا کہ انہیں کنکریوں سے مارا۔ زیاد نے مسجد کے دروازوں کو بند کروادیا۔ وہ کسی کو (اس وقت تک) باہر نکلنے کی اجازت نہ دیتے، جب تک کہ وہ یہ قسم نہ کھاتا کہ اس نے پتھر نہیں مارے۔ تھوڑے سے آدمیوں نے قسم کھانے سے انکار کیا، زیاد نے ان کے ہاتھ کٹوادیے یہ قصہ خوب صورت سہی مگر اس کے بیان میں تسلسل نہیں ہے اور اسی سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ امر واقعہ کے خلاف ہے۔

لیکن جیسا کہ طبری جلد دوم صفحہ ۱۱۴ میں مذکور ہے عوانہ کی روایت اس سے مختلف ہے۔ جس وقت زیاد نے پہلی بار کوفہ کے منبر پر خطبہ دیا، تو عوانہ کسی واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ اور جب زیاد نے اپنے خطبے کے اختتام پر (حضرت) علی پر لعن طعن کیا اور (حضرت) عثمان کی تعریف کی تو ان کی تردید میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی اور وہ اطمینان سے بصرہ لوٹ گئے۔ (۵) انھوں نے کوفہ پر عمرو بن حریث کو مستقل طور سے اپنا نائب مقرر کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعہ دلیر ہوگئے تھے۔ ان کے ساتھ (حضرت) مغیرہ کی نرمی کی وجہ سے انہیں (مزید) تقویت پہنچی تھی۔ حجر بن عدی ان لوگوں کے سردار تھے۔ انھوں نے عمرو بن حریث پر دست درازی کی اور نماز کے دوران ان کو کنکریوں سے مارا۔ (یہ اطلاع پاکر) زیاد بصرہ سے نہایت سرعت کے ساتھ کوفہ آئے اور منبر پر چڑھے ان کے جسم پر ریشمی قبا اور سبز اون والی چادر تھی۔ جس کے روئیں بکھر گئے تھے۔ انھوں نے حاضرین (مسجد) کے روبرو موقع کی نزاکت کا اظہار کیا اور حجر کو دھمکایا۔ حجر مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے گرد ان کے ساتھی تھے (زیاد کی تقریر سن کر) حجر اپنے ساتھیوں سمیت چپکے سے مسجد سے نکل گئے۔ (۶)

marfat.com

اس نقطہ پر ابومخنف حسب بیان طبری اپنی روایت کو دوبارہ شروع کرتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ زیاد نے اپنی کارروائی کا آغاز مسجد ہی سے کیا انھوں نے اس کی ابتداءیوں کی کہ اشراف کوفہ کو پکڑوا بلوایا اور ان سے چلا کر کہا 'تم لوگ میرے ساتھ ہو جبکہ تمھارے بھائی بیٹے اور اہل خاندان حجر کے ساتھ ہیں۔ اگر تم لوگ اپنی برائت کا ثبوت اپنے فعل سے نہ دوگے' تو میں اہل شام کو یہاں لاؤنگا۔' زیاد کی اس بات کا ان لوگوں پر اثر ہوا اور ان میں سے ہر ایک اپنے عزیز کو تیزی کے ساتھ تلاش کرنے لگا یہاں تک کہ ان (اشراف) نے حجر بن عدی کے ساتھ جو لوگ (مسجد کے قریب) بازار میں تھے' ان کی اکثریت کو وہاں سے ہٹا لیا۔ بعد ازاں پولیس والے (شرطہ) اپنے ڈنڈے لئے آئے اور انھوں نے حجر کے ساتھیوں پر سختی شروع کی۔ زیاد منبر پر بیٹھے ہوئے یہ (ماجرا) دیکھ رہے تھے۔ مگر حجر کو ابوالعمرط کندی نے (پولیس کی گرفت سے) نجات دلوائی۔ اس مجمع میں وہی ایسا شخص تھا جس کے پاس تلوار تھی۔ اس نے حجر کا تعاقب کرنے والی (پولیس) کے ایک شخص کے تلوار ماری مگر اسکا وار کاری نہ تھا۔ (اس حملہ سے افراتفری پھیل گئی) اور یوں حجر اپنی قوم کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے گرد ان کی قوم کے اتنے لوگ جمع ہو گئے جو (کسی طرح) کم نہ تھے۔ جب زیاد نے یہ دیکھا کہ پولیس والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے تو انھوں نے کوفہ کے تمام قابل جنگ افراد کو طلب کیا لیکن انھوں نے قبائل مضر کو مسجد کے سامنے کے میدان میں اپنے پاس روک لیا اور اہل یمن کو جن میں سے حجر بھی تھے' ان کے خلاف روانہ کیا' (۷) تاکہ قبائل مضر اور اہل یمن کے مابین' اس نازک صورت حالات میں ہنگامہ اور اختلاف واقع نہ ہو۔ اور نیز یہ (یمنی) انکے مطیع رہیں۔ یوں وہ لوگ اپنے قبیلے کے ایک فرزند اور اپنے ایک ہم خیال کے خلاف (کیونکہ یہ لوگ بھی اسی کی طرح دل میں شیعہ تھے) پولیس کے فرائض انجام دیں۔ مگر قبیلہ کندہ اور ان کے حضرموت کے قرابت داروں نے زیاد کا حکم نہ مانا' کیونکہ یہ حکم ان لوگوں کے خلاف تھا' یا کم از کم ان کی قوم کے ایک فرد کے خلاف تھا۔ ایسا ہی ظاہری طور پر ازد نے بھی کیا۔ اور جب یہ لوگ قبیلہ کندہ کے محلہ میں آئے تو انھوں نے گھر گھر جا کر معذرت کی اور بنو مذحج اور بنو مہران کے لئے یہ بات چھوڑ دی کہ وہ (حجر کے خلاف) پیش قدمی کریں' سو یہ لوگ بغیر کسی رکاوٹ کے بڑھے اور حجر کے گھر تک

marfat.com

پہنچ گئے۔ یہاں انھیں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا' کیونکہ جب حجر کا گھر گرا دیا گیا (یا اس کا محاصرہ کرلیا گیا) تو بنو جبلہ جوان کے رشتہ دار تھے (وہاں) آگئے اور انہوں نے ان کا دفاع کیا۔ اس طرح (حجر) کی مدد ان لوگوں نے بھی کی جوان کے موافق نہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حجر نے ان لوگوں سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے اسلحے نیام میں کرلیں اور منتشر ہو جائیں۔ اگرچہ یہ بات ان کی درخواست کے بغیر بھی جلد ہی ہونے والی تھی (بہرکیف اس دارو گیر میں) حجر کو بھاگنے کی مہلت مل گئی۔ اس کے بعد زیاد نے پولس کو حجر کے تعاقب کا حکم دیا' جو ایک محلہ سے دوسرے محلہ، ایک شارع سے دوسرے شارع اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے لگے (۸)۔ ان آبادیوں کے درمیان اشراف قبیلہ حجر کی رہ رہنمائی کے فرائض انجام دیتے تھے، کیونکہ حجر کی جانب لوگوں کا عام میلان تھا۔ وہ جہاں بھی جاتے انہیں پناہ مل جاتی۔ لیکن انہوں نے اپنے پناہ دینے والوں کو نقصان پہنچانا نہ چاہا۔ اس لیے جب پولس ان کے قریب پہنچ جاتی تو وہ اپنی اس پناہ گاہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جاتے تھے۔ آخر میں انہوں نے بنو ازد کے ایک شخص کے گھر میں پناہ لی۔ یہاں پولس والوں کو ان کا سراغ نہ لگ سکا، اس لیے وہ لوگ حجر کے بے نتیجہ تعاقب سے رک گئے۔ اس موقع پر زیاد نے سارے ہنگامے کی ذمہ داری قبیلہ کندہ پر ڈال دی اور اس کے سردار محمد بن اشعث کو بانی فساد حجر بن عدی کو تین دنوں کے اندر حکومت کے حوالے نہ کردینے کی صورت میں سخت سزا کی دھمکی دی۔ (آخر کار) یہ وعدہ لینے کے بعد کہ حجر کے بارے میں زیاد خود کوئی فیصلہ نہیں کریں گے، بلکہ انہیں جلد ہی خلیفہ کی خدمت میں (دمشق) بھیج دیں گے تاکہ وہ ان (حجر) کے متعلق جو (فیصلہ کرنا) چاہیں' کریں، (حجر) زیاد کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ زیاد کے ہاں ایک سرد صبح کے وقت آئے۔ وہ لانبی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ (بہرکیف) انہیں قید کردیا گیا۔ حجر نے اس معاملہ میں بے فائدہ بحث وحجت کرنے کی کوشش کی۔ وہ پندرہ (۱۵) دن تک قید رہے (۹)۔ اس عرصہ میں زیاد کا صرف یہ کام تھا کہ حجر کے ساتھیوں میں سے سرغنوں کی تلاش جاری رکھی۔ چنانچہ ایسے لوگوں میں سے بارہ (۱۲) آدمی ان کے پاس لائے گئے۔ ان لوگوں کا تعلق مختلف قبائل سے تھا۔ (۱۰) ان اشخاص کے بارے میں ان کے خاندان والوں نے اطلاع دی تھی یا انہوں نے اپنے کو

marfat.com

خود ہی ظاہر کر دیا تھا مگر ان لوگوں میں سے کسی نے بھی زیاد کی سزا سے بچنے کی خاطر (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) سے اپنی وابستگی سے انکار نہیں کیا۔

(ان لوگوں کی گرفتاری کے بعد) زیاد حجر اور ان کے گرفتار ساتھیوں کے خلاف فرد جرم مرتب کرنے میں مصروف ہو گئے، ''کہ حجر نے اپنے گرد لوگوں کا ایک گروہ اکٹھا کیا' خلیفہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کو علانیہ گالیاں دیں اور لوگوں کو امیر المومنین (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے جنگ کی دعوت دی''۔ اس الزام کی صحت پر لوگوں سے گواہی کے دستخط لینے کی خاطر سرداران ارباع نے بڑی تگ و دو کی۔ انہیں بہت سے گواہوں کو چھوڑنا پڑا' کیونکہ صرف ستر (۷۰) گواہوں کی ضرورت تھی۔ ان گواہوں میں سے کچھ نے بعد میں اپنے دستخط سے معذرت کی اور بعض نے تو سرے سے اپنے دستخط سے انکار کر دیا (۱۱)۔ ان میں قاضی شریح بن ہانی حارثی بھی تھے' جنہوں نے اپنے دستخط سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ وہ کہتے تھے کہ ''میں نے گواہی نہیں دی ہے' اور مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ میری گواہی قلم بند کی گئی ہے''۔ (۱۲)۔

بعد ازاں یہ فرد جرم دو پولس والوں کے حوالہ کی گئی' جو اسیروں کو (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس شام (دمشق) لے کر جانے والے تھے۔ ایک شام کو یہ غم زدہ جماعت (کوفہ سے) روانہ ہوئی (۱۳)۔ جب یہ لوگ میدان عرزم (۱۴) میں پہنچے تو قبیصہ بن ضبیعہ عبسی نے اپنے گھر پر ایک (آخری) نگاہ ڈالی۔ اس کی بیٹیاں بلندی پر کھڑی دکھائی دیں۔ اس نے پولس والوں سے اپنے اہل وعیال کو وصیت کرنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اسے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیٹیوں کو صبر کی تلقین کی۔ ان اسیروں کو چھڑانے کے لیے کوئی بھی آگے نہ بڑھا' حالانکہ ایسا کرنا نہایت آسان تھا۔ (اس کی وجہ یہ تھی کہ) زیاد کی سطوت سے قبائل کوفہ کا خوف' جس کا مظہر یہ دو پولس والے تھے' ان لوگوں کے لیے موت کے ڈر سے بھی بڑھ کر بھیانک تھا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ بلا شبہ یہ ان کی جماعت کا خاتمہ اور انتشار ہے۔

یہ تمام لوگ (کوفہ سے چل کر) ''مرج عذراء'' کے مقام پر روک دیئے گئے۔ جہاں سے دمشق صرف بارہ (۱۲) میل رہ جاتا ہے۔ یہ اسیر پابجولاں تھے اور انہیں بیڑیوں

marfat.com

میں قید رکھا گیا۔

جب (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے روبرو ان لوگوں کی فرد جرم پیش کی گئی' تو انہوں نے اس کے مندرجات کو درست قرار دیا اور جو کچھ حجر نے (زبانی) کہلا بھیجا تھا' اسے صحیح نہ مانا۔ (حجر) نے قاصدوں کو مجبور کیا تھا کہ ان کی بات وہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) تک پہنچا دیں۔ (اس فرد جرم اور حجر کے زبانی پیغام پر) انہوں نے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے یہ ضرور کیا کہ زیاد سے اسی سلسلہ میں مزید استفسار کیا۔ زیاد نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا' اس سے متاثر ہوکر (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے فرد جرم کے مندرجات کی (مزید) تائید اور توثیق کر دی۔

(قصہ کوتاہ) ان (بارہ) ملزمین میں سے (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے چھ (۶) افراد کی رہائی کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے حجر بن عدی کے بارے میں مالک بن ہبیرہ سکونی کی سفارش کو رد کر دیا۔ لیکن انہوں نے حجر اور باقی لوگوں کو اس شرط کے ساتھ معافی کی پیش کش کی کہ وہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) سے اظہار برائت کریں اور ان سے لاتعلقی کا اعلان کریں۔ ان میں سے دو اشخاص نے ایسا کرنا منظور کر لیا اور ان کی جان بچ گئی' ان دونوں نے بعد میں (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) سے اپنے پیمان برائت کو توڑ دیا۔ باقی چھ (۶) افراد قتل کر دیے گئے (۱۵)۔

جب حجر نے دیکھا کہ کفن تیار ہو چکا ہے' قبر کھودی جا چکی ہے اور (قتل کی غرض سے) تلوار بلند کی جا چکی ہے' تو وہ کانپ اٹھے، مگر اس کے باوجود وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ وقتِ مقررہ کے (گزر جانے کے) بعد مالک بن ہبیرہ (مرجِ عذراء) آیا۔ وہ اس لیے ناراض تھا کہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے حجر کے بارے میں اس کی سفارش قبول نہ کی تھی۔ وہ (قبائل) کندہ اور سکون کے ایک گروہ کے ساتھ وہاں پہنچا' تاکہ قیدیوں کو طاقت کے بل پر چھڑا لے جائے مگر (اب کافی تاخیر ہو چکی تھی اور) وہ لوگ قتل کیے جا چکے تھے۔

بہر صورت (مالک بن ہبیرہ) کی ناراضگی جلد ہی دور ہوگئی' کیونکہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اس کے پاس ایک لاکھ درم بھیجے اور قاصد سے کہا کہ مالک بن

marfat.com

ہیرہ سے کہنا کہ:

''حجر کے قتل سے معاویہؓ کے لیے اہل عراق کے خلاف دوسرے حملے کا اہتمام وانصرام مکمل ہوگیا۔ (یعنی حجر کے قتل سے اہل عراق کی متوقعہ بغاوت کا سدباب ہوگیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں پر حملے کی ضرورت نہ رہی) کیونکہ حجر عراق میں عنقریب فتنہ برپا کرنے والے تھے''۔

(اہل عراق پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کا) پہلا حملہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی وفات (اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت) کے بعد ہوا تھا۔ پایانِ کار مقتولین کو کفن پہنائے گئے' ان کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور مسلمان شرفاء کی طرح انہیں دفن کیا گیا۔

ایک مختصر سی روایت میں' جسے طبری نے (جلد دوم' صفحہ ۱۱۵ و بعد) ابن کلبی کے حوالے سے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے' حجر بن عدی ایک ایسے ناکردہ گناہ بچہ گوسفند کی صورت میں نظر آتے ہیں' جسے قربان گاہ کی جانب کشاں کشاں لے جایا جائے۔ ان کے خاندان والوں اور حامیوں نے ان کی حمایت کرنی چاہی' لیکن انہوں نے اپنے کو (گرفتاری کے لیے) پیش کر دیا' تاکہ انہیں شام بھیج دیا جائے۔ جب وہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئے تو انہوں نے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو) سلام کیا۔ اس کے جواب میں (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ''اللہ کی قسم میں نہ تو تمہیں معاف کروں گا اور نہ یہ چاہوں گا کہ تم اپنی غلطی کی اصلاح کر لو''۔ (اس کے بعد انہوں نے سرکاری عہدہ داروں سے کہا) ''لوگو! انہیں لے جاؤ اور ان کی گردن مار دو''۔ (طبری' جلد دوم' صفحہ ۱۱۶' سطر ۹، ۱۰)۔ حجر کی اس نقل و حرکت میں کوئی اور شخص ان کے ساتھ شریک نہ تھا۔

اس روایت سے زیادہ سادہ وہ روایت ہے جسے (مورخ) یعقوبی نے بیان کیا ہے (تاریخ' جلد دوم' ص ۲۷۳ بعد) یہ روایت شیعوں کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتی ہے(۱۶)۔ (کیونکہ مورخ ابن واضح یعقوبی کا تعلق شیعوں سے تھا)۔

یہ درست ہے کہ ابو مخنف کا جھکاؤ اور میلان حجر کی جانب ہے اور (یہ بھی درست

marfat.com

ہے کہ) حجر نے اپنے حامیوں سے یہ استدعا نہ کی کہ وہ طاقت کا جواب طاقت سے دیں بجز اس کے کہ انہوں نے تشدد کا راستہ ہموار کیا۔ لیکن (ابو مخنف ہی کے بیان سے) یہ حقیقت نفس الامری پوری وضاحت کے ساتھ عیاں ہو جاتی ہے (کہ حجر نے تشدد کا راستہ اپنایا تھا اور) ابو عمر طہ شیعی پہلا شخص تھا' جس نے تلوار کھینچ لی تھی اور اس سلسلہ میں پہلا خون بہایا تھا' جب کہ پولس والے ڈنڈوں کے سوا کسی اور اسلحہ سے کام نہیں لے رہے تھے۔ اس طرح عبداللہ بن خلیفہ طائی نے حجر کی حمایت میں بڑی بہادری سے جنگ کی (طبری' جلد دوم' صفحہ ۱۲۱، ۱۲۹)۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ حجر لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکا رہے تھے' اور کوفہ والوں کو اپنی تحریک کی جانب کھینچ لینا چاہتے تھے۔ اس لیے ہمارے (ولہاؤزن کے) نقطہ نظر سے زیاد کا موقف صحیح و درست تھا جب کہ (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے بردباری سے کام لیا۔

لیکن اس زمانے میں یہ بات ہمارے (مصنف کے) اندازہ کے خلاف تھی' کیونکہ اس عہد میں کسی مسلمان کا قتل' صرف اس وقت جائز تھا' جب وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کر دیتا۔ یعنی جان کے بدلے جان کا اصول تھا اور یہ طریقہ رائج تھا کہ صاحبِ قصاص اپنا انتقام خود لیتا تھا' حکومت اس سلسلہ میں اس کی مدد کرتی تھی اور اس کے قصاص کے لیے موقع فراہم کرتی تھی۔ حکومت کے خلاف واجب القتل جرم صرف یہ تھا کہ کوئی مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے۔ (حتیٰ کہ) بڑی سے بڑی خیانت بھی' جب تک اس میں قتل کا جرم شامل نہ ہو' جرم گردن زدنی نہ تھا۔ مگر کسی شخص کو صرف اس لیے قتل کر دیا جائے کہ اس نے حکومت کے خلاف بغاوت کی' خواہ یہ قتل کتنا ہی مبنی بر انصاف کیوں نہ ہو' یہ ایسی بات تھی جس سے لوگوں میں اشتعال پیدا ہوتا تھا' خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس میں ایسے لوگ شامل ہوں' جو بہت نمایاں و رو دار ہوں' (اس عہد میں حجر کے قتل سے لوگ ناراض ہوئے' انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی) چنانچہ اہل کوفہ نے بالعموم اسے اپنی توہین اور ذلت خیال کیا۔ والی خراسان ربیع بن زیاد کے دل کو رنج والم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' ہر چند کہ وہ رقیق القلب آدمی نہ تھا۔ اسی طرح (ام المومنین حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے (حجر کے قتل پر) اپنے سخت غصہ کا اظہار کیا۔ اسی طرح حسن بصری نے اس

marfat.com

واقعہ قتل کے ایک عرصہ بعد ناراضگی ظاہر کی اور اس ضمن میں وہ نرم نہ ہوئے جب کہ ام المومنین (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) بعض شخصی اسباب کی بنا پر نرم پڑ گئیں (۱۷)۔ اور کہا جاتا ہے کہ جب (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی وفات کا وقت قریب آیا' تو حجر بن عدی کے قتل پر ان کے ملامت کرنے والے ضمیر نے انہیں سرزنش کی۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر اس سے اظہار برائت کیا کہ جب قریش ان سے الگ ہو گئے' تو وہ زیاد کے اثرات کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ اسی طرح حکومت پر قبائلِ عرب' خصوصاً طاقت ور یمنی قبائل کا شدید غصہ فطری تھا' کیونکہ انھوں نے محسوس کیا کہ یہ بڑے شرم کی بات تھی' کہ وہ اپنے افرادِ قبیلہ کو حکومت کی گرفت سے آزاد نہ کرا سکے۔ یوں حجر کی موافقت میں قبائلی مناقشات اور دینی اختلافات باہم وگر متحد ہو گئے۔ حجر کے قتل سے خصوصاً شیعوں کا غصہ بڑھ گیا اور ان کا قتل شیعوں کے سید الشہداء یعنی (حضرت) حسین بن علی (رضی اللہ عنہا) کی شہادت کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

marfat.com

حواشی۔ باب اول

۱۔ مصنف کا یہ خیال حقائق پر مبنی نہیں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ عمال میں سے کسی نے ان کی زندگی میں خلافت کا دعوی نہیں کیا۔ اور نہ زمانہء مابعد میں، ان میں سے کوئی سابق الاسلام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حریف کی حیثیت سے امامت اور خلافت کا امیدوار بنا۔ جہاں تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تعلق ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے خود خلافت کے دعوی دار ہیں۔ ان کا صرف یہ مطالبہ تھا کہ قاتلینِ عثمان کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ انھوں نے اپنی خلافت کا اعلان ۴۰ھ میں بیت المقدس میں کیا، اگر چہ اس ضمن میں یہ روایت بھی ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کا اعلان واقعہء تحکیم کے بعد ہی کر دیا تھا، مگر خود ولہاؤزن نے ۴۰ھ کی روایت کو ہی درست تسلیم کیا ہے، (ملاحظہ ہو The Arab Kingdom And It's Fall ترجمہ انگریزی از M.G.WEIR) مطبوعہ بیروت ۱۹۶۳ء صفحہ ۹۲، سطر ۱۶)۔ علاوہ بریں حضرت معاویہؓ تو عمال فاروقی کے زمرے میں آتے ہیں، نہ کہ عمال عثمانی کے زمرے میں۔

۲۔ مصنف کی اس عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ بنو امیہ نے قبول اسلام کے بعد بھی اپنے کو مشرکانہ رسوم سے وابستہ رکھا اور یہ لوگ اسلام کے سچے پیرو نہ تھے، بلکہ حالات سے مجبور ہو کر اسلام لائے تھے۔ حقیقت حال مصنف کے مندرجہ کی تائید نہیں کرتی اور مندرجہ ذیل افراد جن کا بنو امیہ سے تعلق ہے، سابق الایمان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان حضرات نے ہجرت نبویؐ سے قبل اسلام قبول کیا۔ ان میں سے بعض افراد ہجرت حبشہ میں بھی شریک تھے (سیرت رسول اللہ، ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۴۶، مصر ۱۳۵۵ء) (۱) حضرت خالدؓ بن سعید بن عاص بن امیہ:۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تحریک سے

marfat.com

اس وقت اسلام قبول کیا جب کہ صرف تین (۳) چار (۴) آدمی مسلمان ہوئے تھے (ابن سعد، ج ۴، ص ۹۴, ۹۵، بیروت ۱۳۷۷ء) (۲) عمروؓ بن سعید بن عاص بن امیہ:۔ اپنے بھائی حضرت خالدؓ بن سعید کے حبشہ ہجرت کرنے کے بعد ایمان لائے اور خود بھی حبشہ چلے گئے (ابن سعد، ج ۴، ص ۱۰۱) (۳) ابو احمدؓ بن جحش (۴) عبداللہ بن جحش (۵) عبدالرحمٰن بن رقیش (۶) یزید بن رقیش (۷) عمرو بن محصن (۸) عکاشہ بن محصن (۹) قیس بن عبداللہ (۱۰) صفوان بن عمرو (۱۱) معیقب بن ابی فاطمہ (۱۲) صبیح (ابن سعد، ج ۴، ص ۱۰۲ تا ۱۰۴)۔ ان لوگوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ بھی السابقون الاولون میں سرفہرست ہیں۔ اس فہرست میں، اگر استقصاء کیا جائے، تو مزید افراد کے نام ملیں گے۔ خود حضرت معاویہؓ نے عمرۂ قضاء کے موقع پر ۷ھ میں اسلام قبول کیا تھا (البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی، جلد ۸، صفحہ ۱۷، مطبوعہ مطبعہ الاستقامت، مصر)۔ اسلام کے مخالفوں میں جن امویوں کے نام آتے ہیں، وہ ابوسفیان بن حرب، عقبہ بن ابی معیط اور ہند بنت عتبہ زوجہ، ابوسفیان ہیں۔ ان میں سے عقبہ جنگ بدر میں گرفتار ہو کر قتل ہوا (ابن خلدون، ترجمہ اردو، ج ۱، ص ۸۸، کراچی ۱۹۶۶ء)۔ بقیہ رہے ابوسفیان اور ان کی بیوی، تو انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، ان کا اسلام پختہ ہوا (حسن اسلامھما۔ انہوں نے قبول اسلام کے بعد جاں نثاری سے دریغ نہ کیا، شام کے معرکوں میں دونوں میاں بیوی شریک جہاد رہے۔ جنگ یرموک میں حضرت ابوسفیانؓ کی ایک آنکھ جاتی رہی (ابن خلدون، ترجمہ اردو، ج ۱، ص ۲۷۲)۔ اس سے قبل محاصرہ طائف میں دشمنوں کے تیر سے ان کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ وہ بقیہ عمر نابینا رہے، حضرت عثمانؓ کے دور خلافت ۳۳ھ میں مدینہ میں انتقال کیا (ابن اثیر، اسدالغابہ، ج ۴، ص ۲۱۶، مطبوعہ ۱۲۸۰ء)۔ جناب رسول اللہ نے فتح مکہ کے بعد بنی امیہ کے ایک فرد جناب عتاب بن اسید کو مکہ کا گورنر مقرر کیا حالانکہ وہ نوعمر اور نوجوان تھے (ابوالفدا، تاریخ المختصر فی اخبار البشر، ج ۱، ص ۱۴۸، مطبوعہ حسینیہ، مصر ۱۹۲۵ء) اسی طرح آپ ﷺ نے ابوسفیانؓ کو نجران کا والی، خالدؓ بن سعید کو صنعائے یمن کا، عثمان بن سعید کو تیماوخیبر کا اور ابانؓ بن سعید کو بحرین کا والی مقرر کیا۔ (امام ابن تیمیہ، منہاج السنت، ج ۳، ص ۱۷۳-۱۷۹ مطبوعہ بولاق ۱۳۲۱ء)۔

marfat.com

کیا مشرکانہ رسوم رکھنے والوں کو مفتوحہ علاقوں کا والی مقرر کیا جا سکتا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ بنو امیہ بھی اتنے ہی اچھے مسلمان تھے جتنے کہ دوسرے لوگ تھے۔

۳۔ یہ اشارہ حضرات طلحہؓ وزبیرؓ کی جانب ہے۔ یہ رائے درست نہیں کہ ان دونوں اور ان کے علاوہ جن دیگر حضرات نے بشمول ام المومنین حضرت عائشہؓ قصاص عثمانؓ کا جو مطالبہ کیا تھا، وہ صرف حصول خلافت کی طمع میں تھا۔ اور یہ لوگ اس بہانے سے حضرت علیؓ کو معزول کر کے خود برسراقتدار آنا چاہتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ دونوں حضرات (طلحہؓ وزبیرؓ) اس وقت اپنا نام واپس نہ لیتے، جب حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہوا اور نہ اس وقت انکار کرتے، جب شہادت عثمانؓ کے بعد باغیوں نے ان کی بیعت کرنی چاہی تھی (طبری، جلد چہارم، صفحہ ۴۳۴، مطبوعہ دارالمعارف مصر ۱۹۶۳ء) حقیقت یہ ہے کہ حضرات طلحہؓ وزبیرؓ نے کبھی امامت کی تمنا نہ کی۔ عہد فاروقی میں انہیں کسی صوبہ کی ولایت تفویض نہ کی گئی۔ کسی مورخ نے ان کی ایسی خواہش کا ذکر نہیں کیا ہے۔ حضرات طلحہؓ وزبیرؓ نے امامت وحکومت کے معاملات سے بس اس قدر تعلق رکھا کہ عہد فاروقی میں یہ لوگ مجلس شوریٰ میں شامل تھے۔ اور حضرت زبیرؓ امدادی فوج کے ساتھ مصر گئے تھے۔ عہد عثمانی میں یہ لوگ سیاست سے عموماً علیحدہ رہے۔ جنگ جمل کے موقع پر بھی جب حضرت علیؓ نے ان سے اپنے موقف کی وضاحت کی، تو یہ حضرات جنگ سے الگ ہو گئے اور سبائیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ایسے اصحاب کرام کے بارے میں، ان کی بے نفس و بے تعلق زندگی کے پیش نظر، حصول اقتدار کا الزام قطعاً درست نہیں ہے۔ یہی کیفیت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہے۔

۴۔ طبری کی جس روایت کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے، اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے حضرت عثمانؓ کی تعریف کی اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی اور ان کے قاتلین پر بددعا کی، حضرت علیؓ کی برائی کے کسی لفظ کا ذکر نہیں ہے۔ غالباً قاتلین عثمانؓ پر بددعا کے فقرے سے فاضل مصنف نے حضرت علیؓ کی بدگوئی کے مفہوم کو اخذ کیا ہے، جو قیاس مع الفارق ہے۔ (طبری ج ۵، ص ۲۵۴) ''مجرموں کی تعریف'' سے راوی کا مطلب یہ ہے کہ حجر حضرت عثمانؓ کو (نعوذ باللہ) مجرم سمجھتے تھے۔ اگر مان لیا جائے کہ حجر کا یہی عقیدہ تھا، تو یہ عامتہ المسلمین کے عقیدے کے خلاف تھا اور ان کے نزدیک قابل سرزنش تھا، ہے اور رہے

marfat.com

گا۔

۵۔ نجانے مصنف نے یہ بات کہاں سے لکھ دی ہے کہ زیاد کی تردید میں کوئی آواز بلند نہ ہوئی، حالانکہ طبری میں صاف صاف مذکور ہے کہ "پھر زیاد منبر پر چڑھے، انہوں نے حضرت عثمانؓ اور ان کے حامیوں کی تعریف کی اور ان کے قاتلوں پر لعن طعن کی۔ (یہ سن کر) حجر کھڑے ہوئے اور انہوں نے وہی باتیں کہیں جو وہ مغیرہ سے کہتے تھے" (طبری ج ۵، ص ۲۵۶) یہاں بھی قاتلین عثمانؓ پر لعن کو سبّ علیؓ سے تعبیر کیا گیا ہے، جو محلِ نظر ہے۔ اس روایت کو اگر طبری کے ان آخری فقروں کی روشنی میں دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ زیاد نے ابتداء میں حجر سے تسامح برتا اور ان کے مخالفانہ رویہ سے چشم پوشی کی۔ ان کی حکمت عملی ابتداء میں عفو و درگزر کی تھی، مگر بعد میں انہیں حالات سے مجبور ہو کر سخت روش اختیار کرنی پڑی۔

۶۔ اس روایت کے مطابق زیاد کی امارت کوفہ کے پہلے ہی سال یعنی ۵۱ھ میں حجر کے قتل کا واقعہ پیش آنا چاہیے۔ مگر طبری نے مدائنی کی روایت کی رو سے (جلد ۲، صفحہ ۱۶۲) و نیز ایلیا نصیبی نے یہ بیان کیا ہے کہ حجر کا واقعہ قتل زیاد کی وفات کے سال یعنی ۵۳ھ میں پیش آیا (حاشیہ، مصنف) یہاں یہ بات دھیان میں رکھنی چاہیے، کہ مصنف کے پیش نظر تاریخ طبری کا وہ نسخہ ہے جو لائیڈن سے شائع ہوا ہے۔ جب کہ مترجم کے حوالہ جات کی بنیاد اس نسخہ پر ہے جو دار المعارف، مصر سے بالاقساط شائع ہو رہا ہے اور اب تک اس کی سات جلدیں چھپ چکی ہیں (۱۹۷۰ء تک تاریخ طبری کا یہ جدید ایڈیشن دس ضخیم جلدوں میں طبع ہو چکا ہے اور لائیڈن کے نسخہ سے اس لیے مرجح ہے کہ اس کی تطبیق بعض نئے مخطوطات سے بھی کی گئی ہے۔

۷۔ حیرت ہے کہ یہاں طبری نے قبائل ربیعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس نے مضری قبائل میں سے تمیم، ہوازن، باہلہ (اعصر)، اسد اور غطفان کا اور اہل یمن میں سے مذحج، ہمدان، ازد، بجیلہ، خثعم، انصار، خزاعہ اور قضاعہ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں قبیلہ حضرموت و کندہ کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ انصار جن کا ذکر اہل یمن کے ضمن میں آیا ہے، انصار مدینہ (حسب بیان طبری ج ۲، ص ۱۳۸۲، اہل العالیہ) کے علاوہ ہیں، جو مضر کی جانب منسوب ہیں۔

marfat.com

(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں کوفہ کو سات (۷) حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، مگر طبری (ج ۱، ص ۲۴۹۵) نے صرف پہلے چھ (۶) قبائل کا ذکر کیا ہے یعنی (۱) کنانہ احابیش اور جدیلہ (۲) قضاعہ (غسان ابن ہشام) بجیلہ، خثعم، کندہ، حضرموت، ازد (۳) مذحج، حمیر اور ہمدان (۴) تمیم، رباب وہوازن (۵) اسد غطفان، محارب، نمر، ضبیعہ (بکر) وتغلب (۶) ایاد، عک، عبدالقیس، اہل حجر اور حمراء (ایرانی)۔ زیاد نے کوفہ کے شہر کو چار (۴) حصوں میں تقسیم کیا (۱) اہل مدینہ (۲) تمیم وہمدان (۳) ربیعہ وکندہ (۴) مذحج واسد۔ ہر حصہ میں مختلف قبیلوں اور عشیروں کو ملا جلا کر آباد کیا گیا تھا۔ یہ وحدتیں جو مقام سکونت پر مبنی تھیں، عددی قوت میں قریب قریب مساوی تھیں۔ ان کے سردار روٴسائے قبائل نہ تھے، بلکہ ان حصوں پر والی (گورنر) کی جانب سے حکام مقرر کیے گئے تھے۔ ان قبائل میں سب سے مضبوط قبیلے دو تھے، مذحج اور ہمدان۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف تھے (حاشیہ مصنف)۔

۸۔ ہر قبیلہ الگ محلے میں، ہر بطن الگ شارع پر اور ہر کنبہ الگ منزل میں رہتا تھا۔ محلے کا نام قبیلہ کے نام پر اور شارع کا نام بطن کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یوں کوفہ کی آبادی سے عربوں کے انساب کا حال معلوم ہوتا ہے۔ بصرہ کی صورت حال اس سے مختلف نہ تھی (حاشیہ مصنف)۔ اس عہد کے عرب معاشرے کے اجزاء ترکیبی یہ تھے:۔

۱۔ شعب: یہ قبائل کی سب سے بڑی تقسیم تھی۔ مثلاً عدنان وقحطان میں سے ہر اک الگ شعب ہے۔

۲۔ قبیلہ: یہ شعب کے انساب پر مشتمل ہے مثلاً عدنان کے شعب سے ربیعہ ومضر کے قبائل نکلے۔

۳۔ عمارہ: اس میں قبائل کی شاخیں شامل ہیں مثلاً مضر کی شاخیں قریش وغفار وغیرہ۔

۴۔ بطن: اس میں عمارہ کی شاخیں شامل ہیں مثلاً قریش کی شاخیں بنو عدی وبنو زہرہ وبنو عبد مناف وغیرہ۔

۵۔ فخذ: جس میں بطن کے انساب شامل ہوں، مثلاً بنو عبد مناف کی شاخیں بنو

marfat.com

ہاشم و بنو امیہ وغیرہ۔

۶۔ فصیلہ: جس میں فخذ کے انساب شامل ہیں مثلاً بنو ہاشم کے فخذ بنو عباس و بنو ابی طالب وغیرہ۔

۷۔ اسرہ: خاندان۔

(ابوالحسن علی الماوردی، الاحکام السلطانیہ، مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی، مصر ۱۳۸۰ء صفحہ ۲۰۵)

۹۔ ولہاؤزن نے حجر کی مدت اسیری پندرہ (۱۵) یوم بتائی ہے، مگر طبری نے دس (۱۰) راتوں کا ذکر کیا ہے۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں:

''پس حجر دس راتوں تک قید میں رہے'' (طبری، جلد پنجم، صفحہ ۲۶۵)۔

۱۰۔ حجر بن عدی کندی کے علاوہ گیارہ (۱۱) افراد جو گرفتار کر کے دمشق بھیجے گئے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) ارقم بن عبداللہ کندی (۲) شریک بن شداد حضرمی (۳) صیفی بن فسیل (۴) قبیصہ بن ضبیعہ عبسی (۵) کریم بن عفیف خثعمی (۶) عاصم بن عوف بجلی (۷) ورقاء ابن سمی بجلی (۸) کدام بن حیان عنزی (۹) عبدالرحمٰن بن حسان عنزی (۱۰) محرز بن شاب تمیمی (۱۱) عبداللہ بن حویہ سعدی تمیمی۔

ان لوگوں کے بعد زیاد نے دو آدمیوں کو اور گرفتار کر کے دمشق بھیجا۔ ان کے نام ہیں (۱) عتبہ بن اخنس سعدی یکے از بنی ہوازن اور سعید بن نمران ہمدانی۔ یوں ملزمین کی تعداد چودہ (۱۴) ہو گئی۔ (طبری، ج ۵، ص ۲۷۱, ۲۷۲)۔

۱۱۔ اس فرد جرم پر گواہوں کے اپنے ہاتھ کے دستخط نہ تھے، یا کم از کم تمام گواہوں کے اپنے دستخط نہ تھے (حاشیہ مصنف)۔

۱۲۔ شریح نے اس مضمون کا ایک عریضہ انہیں پولیس والوں کے ہاتھ حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا۔ اس عریضہ میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ زیادہ نے حجر کے بارے میں میری گواہی لکھ دی ہے، تو میری گواہی یہ ہے کہ حجر نماز ادا کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور برابر حج وعمرہ کرتے ہیں۔ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عامل ہیں۔

marfat.com

لوگوں کا خون بہانا اور ان کے مال کو غصب کرنا ان کے نزدیک حرام ہے (یعنی انہوں نے نہ تو کسی کا خون کیا ہے اور نہ کسی کا مال لیا ہے، اس لیے ان کا خون بہانا اور ان کے مال کو ضبط کر لینا حرام و ناجائز ہے''۔ حضرت معاویہؓ نے زیاد کے مکتوب پر اعتماد کیا اور قاضی شریح کے عریضہ کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا (طبری، ج ۵، ص ۲۷۲)

۱۳۔ یہ لوگ شام کے وقت نہیں، بلکہ رات میں کوفہ سے صاحب شرطہ (افسر پولس) کی معیت میں روانہ ہوئے۔ مورخ طبری کے الفاظ یہ ہیں: ''یہ لوگ رات میں کوفہ سے روانہ کیے گئے۔ ان کے ساتھ صاحب شرط (افسر پولس) بیرون شہر کوفہ تک گیا۔ دیکھئے تاریخ طبری، ج ۵، ص ۲۷۰۔

۱۴۔ جبّانہ کے معنی مقبرہ، صحراء، سبزہ زار اور بلند میدان کے ہیں۔ القاموس المحیط، از مجد الدین فیروز آبادی، ج ۴، ص ۲۱۰ مطبوعہ مصطفیٰ بابی حلبی، مصر ۱۳۷۱ء) طبری کی روایت کے مطابق (ج ۵، ص ۲۷۰) قبیصہ کا گھر جبانہ عرزم میں تھا۔ ظاہر ہے کہ مقبرہ یا صحرا میں گھر نہ ہوگا۔ طبری کے متن میں قبیصہ کی بیٹیوں کے لیے ''مشرفات'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی بلندی پر دکھائی دینے کے ہیں، اس لیے یہاں جبانہ سے مراد سبزہ زا بھی نہ ہوگا۔ بناء بریں میں نے جبانہ عرزم کا ترجمہ ''میدان عرزم'' کیا ہے۔

۱۵۔ حجر کے ساتھی اسیروں میں سے مندرجہ ذیل چھ (۶) اشخاص اپنے اعزہ کی سفارشوں پر رہا کر دیے گئے:

(۱) عاصم بن عوف بجلی (۲) ورقاء بن سمی بجلی (۳) ارقم بن عبداللہ کندی (۴) عتبہ بن اخنس سعدی ہوازنی (۵) سعید بن نمران ہمدانی (۶) عبداللہ بن حویہ سعدی تمیمی۔ (طبری ج ۵، ص ۲۷۴)۔ جو چھ (۶) افراد قتل کیے گئے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) حجر بن عدی کندی (۲) قبیصہ بن ضبیعہ عبسی (۳) صیفی بن فسیل شیبانی (۴) شریک بن شداد حضرمی (۵) محرز بن شہاب تمیمی اور (۶) کدام بن حیان عنزی (طبری ج ۵، ص ۲۷۶)۔

عبدالرحمٰن بن حسان عنزی اور کریم بن عفیف خثعمی کو حضرت علیؓ سے برائت کرنے کی وجہ سے رہا کر دیا گیا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن نے یہ پیمان توڑ دیا تھا،

marfat.com

کیونکہ طبری (ج ۵، ص ۲۷۷) نے اسے مقتولین کی زمرے میں شمار کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خود طبری کے محولہ بالا مندرجہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسے مرج عذراء (نزد دمشق) میں نہیں، بلکہ کوفہ کے مقام قُس الناطف میں قتل کیا گیا، کیونکہ حضرت معاویہؓ نے اس کو زیاد کے پاس واپس کر دیا تھا۔ یوں چودہ (۱۴) افراد میں سے سات (۷) اشخاص قتل ہوئے اور سات (۷) آدمی چھوڑ دیے گئے۔

۱۶۔ ابن واضح الیعقوبی کی زیر حوالہ روایت کی تلخیص ذیل میں درج کی جاتی ہے:

''حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق خزاعی اور ان کے ساتھی شیعان علیؓ سے تعلق رکھتے تھے۔ (حضرت) مغیرہ (رضی اللہ عنہ) اور حامیان معاویہؓ منبر پر (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) پر لعنت بھیجتے تو یہ لوگ کھڑے ہو جاتے اور ان لوگوں پر جواباً لعنت بھیجتے تھے۔ جب زیاد (گورنر ہو کر) کوفہ آئے، تو انہوں نے اپنا مشہور خطبہ (بتراء) دیا جس میں نہ تو اللہ کی حمد بیان کی گئی اور نہ (حضرت) محمد (ﷺ) پر درود بھیجا گیا۔ زیاد بادل کی طرح گرجے، بجلی کی طرح کڑکے اور لوگوں کو ڈرایا دھمکایا۔ (اس دوران میں) زیاد کو اطلاع ملی کہ یہ لوگ (شیعان علیؓ) جمع ہو کر زیاد و معاویہؓ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، ان دونوں کی برائیاں کرتے ہیں اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکاتے ہیں۔ چنانچہ زیاد نے افسر پولس (صاحب شرطہ) کو بھیج کر ان کی ایک جماعت کو گرفتار کر لیا۔ مگر عمرو بن الحمق اور اس کے کئی ساتھی موصل بھاگ گئے۔ بعد ازاں زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے تیرہ (۱۳) ساتھیوں کو اس مکتوب کے ساتھ معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا کہ ان لوگوں نے جماعت کی مخالفت کی، حکام کے خلاف ہنگامہ آرائی کی اور یوں دائرہ اطاعت سے خارج ہو گئے اس پر کچھ لوگوں کی گواہیاں بھی لی گئی تھیں۔ جب یہ لوگ ''مرج عذراء'' پہنچے، جو ''دمشق'' سے چند میل کے فاصلے پر ہے تو معاویہ نے ان لوگوں کے قتل کرنے کے لیے آدمی بھیجے۔ (بہرکیف) ان میں سے چھ (۶) اسیروں کو سفارش کی وجہ سے معاویہؓ نے رہا کر دیا، بقیہ سات (۷) افراد کو قتل کرا دیا (تاریخ الیعقوبی، جلد دوم، صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۷۹ھ)''۔

۱۷۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی سختی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نرمی،

marfat.com

مصنف کے مفروضات ہیں۔ جہاں تک حجر بن عدی کے قتل کا تعلق ہے، اسے ان دونوں حضرات نے سخت ناپسند کیا اور جب حضرت معاویہؓ مدینہ آئے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان سے بازپرس کی جس کا جواب انہوں نے وہی دیا جسے ولہاؤزن نے بیان کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ جواب عذر گناہ سے زیادہ نہ تھا۔ حجر بن عدی کے متعلق کوفہ کے قاضی شریح بن ہانی کی شہادت کافی تھی اور اس کے ہوتے انہیں کسی طرح قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بقول قاضی شریح: ''حجر پابند صوم وصلوۃ تھے، زکوۃ ادا کرتے اور حج وعمرہ کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ انہوں نے نہ کسی کا خون بہایا تھا اور نہ کسی کا مال غصب کیا تھا''۔ ایک ایسے اچھے مسلمان کو جیسے حجر تھے' محض صوبائی گورنر کی رپورٹ پر تہہ تیغ کردینا، حد درجہ افسوس ناک ہے۔ زیاد کی سخت گیری مسلم ہے، لیکن حضرت معاویہؓ کی بزدباری اور نرم روی کیسے اس کی بھینٹ چڑھ گئی؟ یہ بات مقام تحیر وافسوس ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میرا یہ ترجمہ حواشی کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں مکمل ہوا اور جنوری ۱۹۶۹ء کے ماہنامہ ''برہان دہلی'' میں شائع ہوا تھا۔ اس وقت اس نوٹ میں میں نے جو کچھ لکھا تھا، مزید غور وخوض اور مطالعہ کے بعد میں نے اس سے رجوع کرلیا اور واقعات کی جو تفصیلات درج کی گئی ہیں، ان کے پیش نظر حضرت معاویہؓ کو اس ''قتل ناحق'' سے بری الذمہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یقیناً حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی گرفت درست وصحیح تھی۔ بہرکیف اس وقت کا لکھا ہوا حاشیہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''طبری کی وہ روایت جو حسن بصریؒ کی جانب منسوب ہے (ج ۵، ص ۲۷۹) (حضرت معاویہؓ کے خلاف) اکثر بطور استدلال پیش کی جاتی ہے، اور غالباً اس کے راوی ابومخنف کا منشاء بھی یہی تھا کہ اس واقعہ کو ان لوگوں کے نقطہ نگاہ سے بھی اتنا ہی قابل اعتراض ثابت کیا جائے، جو اس کے مکتبہ خیال کے پیرو نہیں ہیں۔ حسن بصریؒ سے منسوب روایت پر تنقید کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ بحیثیت ایک مسلمان کے، ایک صحابی (حضرت معاویہؓ) پر ایک تابعی (حسن بصریؒ) کی تنقید ہمارے نزدیک چھوٹا منہ اور بڑی بات کے مصداق ہے۔ حسن بصریؒ کی جلالت شان مسلم، مگر حضرت معاویہؓ، جنہوں نے جمال نبویؐ کے دیدار کی سعادت حاصل کی اور کاتب

marfat.com

وحی کے معزز لقب سے ملقب ہوئے، ان سے بدرجہا افضل و بہتر ہیں۔ جہاں تک تاریخ کے کسی عام طالب علم کا تعلق ہے، جو بلا لحاظ مذہب تاریخی واقعات کا مطالعہ کرتا ہے اس کی نگاہ میں تاریخی عظمت اور کارناموں کی روشنی میں جو حضرت معاویہؓ کی ذات سے وابستہ ہیں، حسن بصریؒ کی ذات مدہم اور دھندلی نظر آئے گی۔ ہمارے خیال میں ابومخنف کی یہ روایت جو صقعب بن زہیر کے واسطے سے حسن بصریؒ سے مروی ہے، خود حسن بصریؒ کی مقدس شخصیت پر ایک اتہام و بہتان سے زیادہ نہیں۔ حفظ مراتب کو ملحوظ رکھنا اور مقام صحابیت کو پہچاننا، انہیں دوسروں سے زیادہ آتا تھا، وہ ایک ایسے صحابی کی شان میں جو کاتب وحی تھا، رسول اکرم ﷺ کا عزیز قریب تھا، خلفائے راشدین کا لائق نائب و امیر تھا اور مسلمانوں کا خلیفہ تھا، ایسے الفاظ کیسے استعمال کر سکتے تھے''۔

marfat.com

(شہادت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما)
''مترجم اردو کی گزارشات''

فاضل مستشرق نے اپنے اس مقالہ کی ترتیب یوں قائم کی ہے کہ واقعات شہادت کو اختصار سے ضروری جزیات کے ساتھ قلم بند کر دیا ہے۔ پس ازاں مختلف روایتوں کی قدر و قیمت کا تعین کیا ہے، مگر ان پر جرح نہیں کی ہے اور نہ متضاد روایات میں کسی قسم کی تعدیل کی ہے۔ مقالہ کی تیسری ترتیب یہ رکھی ہے کہ المیہ کربلا میں مختلف افراد کا جو کردار رہا ہے اس سے نہایت اختصار کے ساتھ بحث کی ہے۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے اس میں بڑی حد تک صحت کا التزام کیا گیا ہے اور قدماء مورخین کے بعض ژولیدہ بیانات کو سلجھا کر اچھی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔ مگر مصنف نے روایات کے متن اور راویوں کے سلسلہ اسناد کی بحث سے گریز کیا ہے۔ اگر مصنف کے بیانات پر محدثانہ تعقیب کی جاتی اور رواۃ کی ثقاہت پر بحث کی جاتی، تو قلم کا رہوار دوسری سمت چل پڑتا۔ گفتگو اصل موضوع سے دور نکل جاتی اور تطویل لاطائل کے سبب مزید ابہام پیدا ہو جاتا۔ اس بنا پر مترجم اردو نے اس تنقید سے احتراز کیا ہے۔ جہاں تک مقالہ کے جزء اخیر کا تعلق ہے۔ وہ اہم ہے اور غالباً مصنف کا مقصد تحریر و نقطہ تحقیق بھی وہی ہے۔ اس میں المیہ کربلا کے اساسی کرداروں سے اس نے بحث کی ہے۔

مصنف نے یزید بن معاویہ پر اس المیہ کی بھاری ذمہ داری عاید کی ہے اور اس میں وہ برحق ہے۔ یقیناً یزید مرکزی کردار کی حیثیت سے المیہ کربلا کا قابل نفرین فرد ہے۔ حیرت ہے کہ مصنف والئی کوفہ، عبید اللہ بن زیاد کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہے۔ المیہ کربلا میں اس کا کردار بھی یزید ہی کی طرح قابل نفرین ہے۔ کوفی فوج کا سپہ سالار عمر بن سعد بقول ولہاوزن بے ضمیر آدمی تھا اور محض ''ری'' کی ولایت کی طمع میں، اس نے یہ

marfat.com

گناہ اپنے سر مول لیا۔ اس کا یہ فعل یقیناً لائق سرزنش ہے۔ ولہاؤزن نے شمر جیسے شقی القلب آدمی کی شقاوت وقساوت کو کم کر کے دکھایا ہے' جبکہ "مآسات کربلا" (المیہ کربلا) کا "ولین" وہی ہے۔ اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ یہاں تک تو مترجم اردو کو مصنف سے جزوی اختلاف ہے' مگر اس نے اپنے مقالہ میں جناب حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں جس رائے کا اظہار کیا ہے اس سے مترجم اردو کو سخت اختلاف ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی کو مسلمانوں میں مذہبی تقدس حاصل ہے۔ وہ صحابی رسول ہیں' امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے سبط اصغر ہیں۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے جگر گوشہ ہیں' نوجوانان بہشت کے سردار ہیں اور جناب رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ السلام کے نواسہ ہیں۔ ان خصوصیات کے علاوہ اپنی ذاتی حیثیت میں بھی وہ مسلمانوں کے مقتداء اور امام ہیں۔ ولہاؤزن نے ان پر جو تنقید کی ہے اگر وہ صرف سیاسی شخصیت ہوتے تو اسے گوارا کیا جا سکتا تھا' مگر ان کی دینی عظمت کے پیش نظر ولہاؤزن کے ریمارکس سے سوءِ ادب کی بو آتی ہے' اس بناء پر اس کے وہ ریمارکس جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی جلالت شان کے منافی تھے' مترجم نے حذف کر دیئے ہیں۔ ابتداء میں مترجم کا یہ خیال تھا کہ اس ضمن میں ذرا بسط سے کام لیا جائے' لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اس کے اور مترجم کے نقطہ نگاہ میں بنیادی فرق ہے کہ وہ جناب حسین کو صرف ایک سیاسی مدعی حکومت قرار دیتا ہے اور مترجم انہیں ایک دینی مقتدا سمجھتا ہے اور بیعت یزید سے ان کا انکار کسی اقتدار کی طمع میں نہ تھا' بلکہ اس کی اساس تقویٰ و پرہیزگاری پر تھی۔ منصب خلافت صرف سیاسی نہ تھا' بلکہ ایک مذہبی منصب تھا جس کی سیاست دین کے تابع تھی۔ دینی سیاست کے لئے یزید یا اس کے بعد آنے والے اموی وعباسی خلفاء کسی طرح موزوں نہ تھے۔ نقطہ نظر کے اس بنیادی فرق کے پیش نظر ولہاؤزن کے تلخ جملوں کو حذف کرنا ہی مناسب سمجھا گیا۔ اور اس پر تعقیب و جرح نہیں کی گئی۔ میں نے خلافت پر تاریخ و دین کے نقطۂ نظر سے ایک علیحدہ سلسلۂ مضامین میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اس کا متعلقہ حصہ اس کتاب کے اخیر میں ضمیمہ کے طور پر شامل کر دیا گیا ہے (از ص ۱۵۹ تا ص ۱۸۸)۔ ان گزارشات کے ساتھ یہ مقالہ قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

marfat.com

باب دوم

شہادت حسینؓ

(حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے پیدا ہونے والے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے بڑے صاحب زادہ (حضرت) حسن (رضی اللہ عنہ) نے ۴۹ء میں انتقال کیا۔ انہوں نے جس طریقہ سے (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں) خلافت سے دست برداری اختیار کر لی تھی اس سے ان کے والد کے حامیوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا اور ان لوگوں کے دلوں سے ان کا احترام جاتا رہا تھا۔ اور نتیجتاً حامیان علیؓ کی نگاہیں ان کے چھوٹے بھائی (حضرت) حسینؓ پر لگی ہوئی تھیں۔

جب ۶۰ھ میں (حضرت) معاویہؓ کی وفات سے ان کی خلافت ختم ہوگئی تو حامیان علیؓ کے دلوں میں نئے سرے سے امیدیں جاگ اٹھیں۔ اس وقت (حضرت) حسینؓ کا سن شریف پچاس کے عشرے کے نصف کے قریب تھا (وہ چھپن سال کے تھے) انھوں نے یزید بن معاویہؓ کی بیعت سے انکار کر دیا اور اس کے اقتدار سے محفوظ رہنے کی غرض سے مدینہ سے نقل مکانی کر کے مکہ میں پناہ لی۔ حالانکہ مدینہ ہمیشہ سے ان کے والد (محترم) کے حامیوں کا گڑھ تھا۔ وہ ماہ رجب ۶۰ھ کی آخری تاریخوں میں مکہ پہونچے۔

اسی اثناء میں (حضرت) حسینؓ کو اہل کوفہ نے اپنے ہاں تشریف لانے کی اس لئے دعوت دی کہ وہ بنو امیہ کے خلاف بغاوت میں ان کی قیادت فرمائیں۔ اہل کوفہ نے اس مضمون کے بہت سے خطوط لکھے۔ ۱۰ رمضان ۶۰ھ مطابق ۱۴ جون ۶۸۰ء کو ان کے ابتدائی قاصد یہ خطوط لے کر مکہ پہونچے۔ ان کے لکھنے والے کوفہ کے قبائل بالخصوص یمنی قبیلوں کے معززین تھے۔ (۱) کوفہ میں ان یمنی قبائل کی تعداد زیادہ تھی اور وہ بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ یہ دعوت جو بہت سے لوگوں کی جانب سے بڑے اصرار کے ساتھ دی گئی

marfat.com

تھی (حضرت) حسینؓ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے ۔لیکن کوفہ میں اپنی حمایت میں اضافہ کرنے اور اپنی آمد کے لئے زمین ہموار کرنے کی غرض سے انھوں نے یہ مناسب خیال کیا کہ پہلے اپنے بردار عم زاد مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کریں ۔(طبری ۵:۳۵۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم نے اس خدمت کی انجام دہی سے انکار کر دیا تھا مگر حضرت حسینؓ کے اصرار پر پھر آمادہ ہوا)۔ مسلم بن عقیل نے کوفہ پہونچ کر پہلے مختار بن ابی عبید ثقفی (۲) کے ہاں قیام کیا۔ بعد ازاں وہ قبیلہء مذحج کی شاخ بنی مراد (یمنی قبیلہ) کے ایک رودار اور نہایت نمایاں فرد ہانی بن عروہ کے ہاں منتقل ہوگیا ۔اس کی جائے قیام کو خفیہ رکھا گیا تھا۔ اگر چہ اس کے برخلاف اس کے گرد متعدد اجتماع منعقد کیئے جاتے رہے جن میں بڑی تند و تیز تقریریں کی جاتی تھیں ۔یوں (حضرت) حسینؓ کے حامیوں میں سرعت کے ساتھ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مگر ہر اس شخص کو جو اس دعوت میں شمولیت اختیار کرنے کی خواہش کرتا تھا' نہایت احتیاط سے قبول کیا جاتا تھا۔ اس طور سے ایک قلیل مدت میں لوگوں نے ہزاروں کی تعداد میں مسلم بن عقیل اور اس کے نائبین کے ہاتھوں پر (حضرت) حسینؓ کی خلافت کی بیعت کر لی۔ ابو ثمامہ صائدی نے مال اور اسلحہ کی فراہمی اپنے ذمہ لی ۔یوں تمام امور حسب دل خواہ انجام پا گئے اور مسلم بن عقیل نے (جناب) حسینؓ کو کوفہ تشریف لانے کی غرض سے خط لکھ دیا۔

جس زمانے میں مسلم بن عقیل کوفہ آیا' وہاں کے گورنر (حضرت) نعمان بن بشیر انصاریؓ تھے۔ انھیں کسی گڑبڑ کا شبہ ہوا مگر محض شبہہ کی بناء پر انھوں نے کوئی سخت کاروائی کرنا مناسب نہ سمجھا' کیونکہ ان کے نزدیک خوف خدا حکومت کی خدمت پر مقدم تھا۔ جب یزید بن معاویہ کو ان کی اس پالیسی کی اطلاع ہوئی تو (نصرانی طبیب) سرجیوس (سرجون) کے مشورے سے اس نے ایک ایسے شخص کو ان کے بجائے کوفہ کا گورنر مقرر کیا جسے اپنے ایمان کی حفاظت اور خوف خدا کا بہت کم خیال تھا۔ یہ بصرہ کا گورنر عبیداللہ بن زیاد تھا۔(۳) چنانچہ ابن زیاد لوگوں کی تھوڑی سی نفری کے ہمراہ مختصر صحرائی راستہ سے نہایت تیزی سے کوفہ روانہ ہوگیا۔(۴) وہ سر پر سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اور (عربوں کی عام عادت کے مطابق) منہ پر نقاب (لثام) ڈالے ہوئے تھا۔ (ابن زیاد

marfat.com

اس ہیئت سے جب شہر میں داخل ہوا تو) اسے دیکھ کر لوگوں نے پہلے یہ سمجھا کہ وہ (حضرت) حسینؓ ہیں جن کی آمد کے وہ منتظر تھے۔ (۵) مگر جب اس نے اپنے آپ کو شناخت کروایا تو لوگوں نے اسے راستہ دیدیا اور وہ فوراً کوفہ کی جامع مسجد میں داخل ہوگیا۔ اس نے ایک مختصر تقریر (خطبہ) کی اور شہر کے ہر عریف (۶) کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ اپنی عرافت کے حدود میں مقیم اجنبیوں کی موجودگی کی نشان دہی کرے یا بصورت دیگر یہ ضمانت دے کہ اس کے علاقے میں کوئی مشکوک آدمی موجود نہیں ہے۔ اگر اس نے اس حکم کی تعمیل نہ کی تو اسے اس کے گھر کے دروازے پر سولی دے دی جائے گی اور عرافت کے معاوضہ میں جو رقم دی جاتی ہے وہ موقوف کر دی جائے گی اور (مشکوک اجنبی کو) شہر بدر کر دیا جائے گا۔

زیاد کو (حضرت) حسینؓ کے (کوفہ آنے کے) ارادے کا اس خط سے پتا چل گیا تھا' جو اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے مسلم کی کوفہ میں موجودگی کا کوئی علم نہ تھا یا کم از کم وہ اس کی جائے قیام سے واقف نہ تھا۔ (۷) چنانچہ اس بے خبری میں وہ کسی بیمار کی عیادت کی غرض سے شیر کی کچھار یعنی ہانی بن عروہ کے گھر گیا۔ اور وہاں قتل ہونے سے بال بال بچا۔ (۸)

عرفاء (عریف کی جمع) کسی اجنبی کی موجودگی کی کوئی خبر نہ لائے۔ مگر زیاد کے پاس ایک غیر عربی جاسوس یعنی مولیٰ یہ خبر لایا۔ اس شخص کا نام معقل تھا۔ وہ ابن عوسجہ شیعی کے پاس پہونچنے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہوگیا اور اس کی خدمت میں تین ہزار درہم پیش کر کے کہا کہ اس نے یہ رقم شیعوں کے لئے جمع کی ہے اور چاہتا ہے کہ اسے اس شخص کی نذر کرے جو شیعوں کے معاملات کا متولی و منتظم ہو۔ ابن عوسجہ شیعی اسے مسلم بن عقیل کی خدمت میں لے گیا۔ اس نے (معقل مولیٰ نے) اپنے خلوص کی قسمیں کھائیں اور اس وقت سے مسلم بن عقیل کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ ہانی بن عروہ کے گھر میں جو باتیں سنتا اور جو چیزیں دیکھتا اسے عبیداللہ بن زیاد تک پہونچاتا رہتا تھا (یہ شخص ابن زیاد کا فرستادہ تھا)۔

عبیداللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ کے پاس اس کے دور و دار اور معزز دوستوں

marfat.com

کو اسے اپنے پاس لانے کی غرض سے اس حیلہ سے بھیجا کہ اس نے ہانی کو اپنے ہاں کافی عرصہ سے نہیں دیکھا ہے۔ ہانی بن عروہ جب ابن زیاد کے سامنے آیا تو اس نے (حضرت حسینؓ کی کوفہ متوقعہ آمد اور مسلم بن عقیل کی کوفہ میں سرگرمیوں کے بارے میں) اس سے دریافت کیا۔(۹) وہاں جاسوس (معقل) موجود تھا۔ اس کے سامنے ہانی جھوٹ نہ بول سکا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے مہمان (مسلم بن عقیل) کو ہٹادے گا مگر وہ اس کو ابن زیاد کے سپرد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اس پر عبیداللہ بن زیاد نے ہانی بن عروہ کو جان سے مارڈالنے کی دھمکی دی۔ ہانی نے اس کے جواب میں کہا:" اگر ایسا ہوا تو تیرے گھر کے چاروں طرف چمکتی ہوئی تلواریں بہت زیادہ ہو جائیں گی۔" اس کا جواب ابن زیاد نے یہ دیا کہ چھڑی سے ہانی کے چہرے پر ضرب لگانی شروع کی۔ وہ مسلسل ہانی کی ناک' پیشانی اور رخساروں پر چھڑی برساتا رہا جس سے ہانی کی ناک ٹوٹ گئی اور خون بہہ کر اس کے کپڑوں پر گرنے لگا۔ ہانی نے جھپٹ کر اپنے پاس کھڑے ہوئے سپاہی کی تلوار چھین لی مگر دوسرے سپاہیوں نے اسے فوراً دبوچ لیا۔ اس دوران قبیلہء مذحج کی ایک بھیڑ نے آکر ابن زیاد کے قصر کو گھیر لیا۔ وہ لوگ چلا چلا کر کہہ رہے تھے۔ "ہم نے حکومت کی اطاعت سے ہاتھ نہیں کھینچ لیا ہے اور نہ جماعت سے علحدگی اختیار کی ہے' مگر ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہمارے بھائی (ہانی) کو قتل کیا جارہا ہے" اس موقع پر بزدل قاضی شُریح (کندی) باہر آیا اور یہ کہہ کر لوگوں کا جوش ٹھنڈا کیا کہ ہانی مرا نہیں' بلکہ زندہ ہے۔ یہ سن کر لوگ مطمئن ہو گئے' انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور وہاں سے چلے گئے۔ گویا تمام امور ان کے حسب دل خواہ انجام پا گئے ہوں۔

مگر اس سے ابن زیاد کے لئے خطرہ نہیں ٹلا۔ کیونکہ مسلم بن عقیل نے جیسے ہی ہانی کی گرفتاری کی خبر سنی' یہ فیصلہ کیا کہ زیادہ دیر تک انتظار کرنا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے نہایت سرعت سے اپنے حامیوں کو اکٹھا کیا اور اسی دن ان سب کو لے کر کوفہ کے بازار کا رخ کیا۔(۱۰) مسلم بن عقیل کی پیش قدمی سے گھبرا کر ابن زیاد نے مسجد سے جہاں وہ نماز پڑھاتا تھا' بھاگ کر قصر امارات میں پناہ لی اور اس کے دروازے بند کروادیئے۔ اس وقت اس کے ساتھ اس کے چند موالی (ملازمین وغلام) تیس سپاہی (شرطہ) اور بیس

marfat.com

معززین وافراد خاندان تھے۔ یہ معززین ابن زیاد کے اقتدار سے خائف اور اس کے مطیع فرمان تھے۔ ان میں کچھ نہایت کٹر شیعہ بھی تھے اور (حضرت) حسینؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دینے میں وہ بھی شریک تھے۔(۱۱) ان سبھوں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ بلوائیوں کو اس شورش کے بھیانک انجام سے ڈرائیں اور انھیں اپنے گھروں کو لوٹ جانے پر مجبور کریں۔ بہت سی عورتیں بھی وہاں جمع ہوگئی تھیں جو اپنے عزیزوں کو وہاں سے ہٹ جانے پر آمادہ کر رہی تھیں اور یہ کہہ رہی تھیں کہ اس معاملہ سے ان کا کیا تعلق ہے اور انھیں اس سے کیا حاصل ہوگا۔ اس طرح شام تک تمام بلوائی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور مسلم بن عقیل کو تنہا و بے یارو مددگار چھوڑ گئے۔ مسلم بن عقیل کوفہ کے پیچدار، تنگ اور بند راستوں سے واقف نہ تھا، اس لئے بھٹکتے بھٹکتے وہ قبیلہء کندہ کی شاخ بنوجبلہ کی بستی میں پہونچ گیا اس نے ایک پیرزن کو دیکھا جو اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی اپنے بیٹے کی واپسی کی منتظر تھی۔ مسلم نے اس کے ہاں پناہ لی۔ (طبری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے جس کا نام طوعہ تھا بہت ردوکد کے بعد مسلم کو اپنے ہاں ٹھہرایا تھا)۔

(ادھر کافی وقفہ کے بعد) جب تاریکی چھاگئی اور وہاں بالکل سناٹا ہوگیا تو عبیداللہ بن زیاد نے اپنے آدمیوں سے کہا: ''دیکھنا کیا فضاء خالی ہوگئی اور مطلع صاف ہوگیا؟'' ان لوگوں نے (قصر امارت کے) ستونوں پر چڑھ کر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا پھر ابن زیاد کے حکم پر قندیلیں جلا کر مسجد کے بالائی صحنوں سے (مسجد کے اندورونی حصوں کو) نہایت احتیاط سے دیکھا گیا اور (مسجد میں) کسی متنفس کو موجود نہ پایا گیا۔ اس کے بعد ابن زیاد قصر سے نکل کر مسجد میں آیا اور نماز عشاء پڑھائی جانے کا حکم دیا جلد ہی مسجد آدمیوں سے بھر گئی (نماز کی ادائیگی کے بعد) ابن زیاد نے ان لوگوں کو جتھوں کی شکل میں منظم کیا اور انھیں ان کی جگہوں پر ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔ پھر شرطہ (پولیس) کے الگ الگ دستے بنا کر انھیں راستوں کے موہانوں پر تعینات کیا (تا کہ مسلم بن عقیل شہر سے نہ نکل سکے) اور حکم دیا کہ صبح ہونے پر ہر قبیلہ میں (مسلم کی) تلاش کی جائے۔

جب صبح ہوئی تو اس پیرزن (طوعہ) کے بیٹے نے قبیلہء کندہ کے رئیس محمد بن اشعث کو مسلم کی پناہ گاہ کا پتا بتادیا۔ محمد بن اشعث نے ابن زیاد کو اس کی اطلاع کردی۔

marfat.com

اس نے محمد بن اشعث کو مسلم کو حاضر کرنے کا حکم دیا (مگر اس خیال سے کہ) یمنیوں کا کوئی قبیلہ مسلم کو گرفتار کرنا پسند نہیں کرے گا (اپنے نائب عمرو بن حریث کو جو اس وقت مسجد میں تھا یہ کہلا بھیجا کہ محمد بن اشعث کے ساتھ) کچھ سپاہی اور قیسی قبائل کے ساٹھ' ستر آدمی کردیئے جائیں۔(یہ لوگ جب اس گھر پر پہونچے جہاں مسلم نے پناہ لے رکھی تھی' تو مسلم کو خطرہ کا احساس ہو گیا اور اس نے باہر نکل کر بڑی بہادری سے ان لوگوں کا مقابلہ کیا) چونکہ وہ لوگ مسلم کو زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے' اس لئے ایک سخت مقابلہ کے بعد اس نے خود کو (جان کی امان کے وعدہ پر) محمد بن اشعث کے حوالے کردیا۔ مسلم سے تلوار لے کر اسے ایک خچر پر سوار کر کے ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ جب وہ قصر امارت میں داخل ہوا تو پینے کے لئے پانی مانگا۔ مگر اس کی خواہش پوری کرنے کی کسی کو جرات نہ ہوئی۔ آخرکار ایک قرشی کو اس پر رحم آیا اور اس نے پانی پلایا۔ مسلم اور عبیداللہ بن زیاد کے مابین سخت جملوں کے تبادلہ کے بعد' اس کے قتل کا فرمان صادر ہوا مسلم نے عمر بن سعد سے جو ایک ممتاز صحابی رسول (ﷺ) کا بیٹا تھا' وصیت کرنے کی اجازت مانگی۔ عمر بن سعد' ابن زیاد کی اجازت سے وصیت لینے پر راضی ہوا۔ بعد ازاں مسلم کو قصر کے اوپر لے جا کر' اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ اور سر و جسم کو نیچے پھینک دیا گیا۔ مسلم کو ایک ایرانی سپاہی نے' جسے اپنے دفاع کے وقت اس نے زخمی کر دیا تھا' قتل کیا اس کا لاشہ جس مقام پر پھینکا گیا وہ بعد کے زمانوں میں ''موضع الجزاوین'' (قصائی پاڑہ) کہلایا۔

اس کے بعد ہانی بن عروہ کی باری آئی۔ معززین کے وعدوں کا کوئی پاس نہ کیا گیا اور اسے بازار میں مشکیں کس کر لایا گیا۔ ہانی نے اپنی قوم کو مدد کے لئے پکارا' لیکن کسی نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا۔ (قتل کرنے کی غرض سے) اس کے بند کھولے گئے۔ اس نے ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کی' مگر بے سود۔ ہانی نے قتل کی غرض سے اپنی گردن جھکانے سے انکار کر دیا اور (نہایت پامردی سے) کہا: ''میں اپنی گردن کو بھینٹ چڑھانے میں جلد باز اور سخی نہیں ہوں' اور اپنی جان لینے میں تم لوگوں کی مدد پر آمادہ نہیں ہوں''۔ قصہ مختصر ابن زیاد کے ایک ترکی غلام نے تلوار کے دو وار کر کے ہانی کا کام تمام کر دیا۔ اسی طرح ایک دو آدمی اور مارے گئے۔ ایسا ان کے قبیلوں کے محلے میں انھیں حد درجہ رسوا

marfat.com

وذلیل کرنے کی غرض سے کیا گیا۔

ابن زیاد نے مسلم اور ہانی کے بریدہ سروں کو ایک مختصر مکتوب کے ساتھ' جسے خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا' خلیفہ یزید کی خدمت میں (دمشق) بھیج دیا۔ یہ مکتوب اس کے سکریٹری (کاتب) عمرو بن نافع نے' جو عربی میں طویل' مرصع و مسجع مکتوب نگاری کا بانی ہے' نہایت طویل و مرصع اسلوب فارسی میں تحریر کیا تھا' لیکن ابن زیاد نے اسے ناپسند کر کے خود اپنے ہاتھ سے عربوں کے اسلوب کے مطابق مختصر اور سادہ خط لکھا۔

یزید بن معاویہ نے ابن زیاد کی اس کاروائی کو پسند کیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ اس سلسلہ میں صرف انھیں لوگوں کو قتل کیا جائے جو اس سے قتال کریں اور دوسروں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

مسلم بن عقیل نے اپنے قتل سے قریباً ایک ماہ پہلے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ آنے کا خط لکھ دیا تھا۔ چنانچہ جس روز مسلم نے ابن زیاد کے خلاف بلوہ کیا' اس روز (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو مکہ سے کوفہ روانہ ہونا تھا۔ یہ ذوالحجہ ۶۰ء کی آٹھویں تاریخ تھی۔ (۱۲) (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اس روانگی سے) جو ممکنہ حادثہ پیش آنے والا تھا' لوگوں نے تکلیف دہ صبر کے ساتھ اس کا انتظار کرنا شروع کیا اور (حضرت) عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) جو بت پرست اور زمانہ جاہلیت سے تعلق رکھتے تھے (اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ان کے پرہیزگار اور خداترس بیٹے (حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) نے (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کامیابی کی) پیشین گوئی کرنی شروع کر دی۔ اور (حضرت) عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) نے نواسہ رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے مکہ سے چلے جانے کی وجہ سے اطمینان کا سانس لیا۔ (۱۳) مگر (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) سے اخلاص رکھنے والے انہیں اس ارادہ سے باز آ جانے کا مشورہ دیتے رہے۔ انہوں نے ان لوگوں کے مشوروں کو قبول نہ کیا اور اپنے سفر پر کوفہ کی سمت روانہ ہو گئے۔ ان کے قریبی اعزہ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ ان کے ساتھ تھے۔ اسی طرح ان کے ہم سفر (حضرت) عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہما) کے بیٹے بھی تھے' لیکن ان کے ہمراہیوں میں بنوعباس کا ایک فرد بھی نہ تھا۔

marfat.com

(حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) جب مقام تنعیم پہونچے۔ وہاں انہیں کچھ اونٹ ملے جنہیں یزید بن معاویہ کے عامل (گورنر) یمن جبیر بن دیسان حمیری نے اس کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ ان اونٹوں پر ورس (ایک خوشبو دار گھاس جس سے کپڑے وغیرہ رنگے جاتے ہیں) اور نفیس یمنی کپڑے یزید کے لئے' لدے ہوئے تھے۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے ان پر قبضہ کر لیا اور آگے چل پڑے۔ (طبری ۲: ۲۷۷ طبع لائیڈن = ۵: ۳۸۵' طبع معارف مصر) سفر جاری رکھتے ہوئے وہ مقام ذات عرق' بطن رُمہ کے مقام حاجر' مقام زرود اور مقام ثعلبیہ ہوتے ہوئے' زُبالہ پہونچے۔ یہاں کوفہ کے تھوڑے سے لوگ جو حج سے لوٹ رہے تھے' ان کے ساتھ ہو گئے۔ جب (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی' تو وہ بادل ناخواستہ اس پر آمادہ ہوئے' لیکن بعد میں نہایت خلوص سے اخیر تک وہ لوگ ان کے ہمراہ رہے۔ اسی طرح اثناء سفر میں انہوں نے پانی کے جن چشموں پر مختصر قیام کیا' وہاں سے بدوؤں کی ایک بڑی بھیڑ ان کے ساتھ ہو گئی۔ اس وقت تک (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو یہ خیال تھا کہ کوفہ میں ان کا شاندار استقبال کیا جائے گا۔ انہیں مسلم بن عقیل کے دردناک انجام کا کچھ پتا نہ تھا۔ انہیں بہر کیف اس حادثہ کی افسوسناک پہلی اطلاع ثعلبیہ میں مل گئی۔ یہ سن کر وہ واپس لوٹ جانا چاہتے تھے مگر مقتول کے بھائیوں نے ان سے سفر کو جاری رکھنے کا مطالبہ کیا' تاکہ وہ اپنے مقتول بھائی کے خون کا بدلہ لے سکیں۔ ابھی (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) زبالہ ہی میں تھے کہ انہیں ایک نئی وحشت ناک خبر ملی۔ انہوں نے (مقام حاجر سے) اپنے قاصد (قیس بن مُسہر صیداوی) کو کوفہ والوں کے نام ایک خط دے کر روانہ کیا تھا۔ جب وہ قادسیہ پہونچا تو عبید اللہ بن زیاد کے آدمی حصین بن تمیم نے (۱۴) اسے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس کوفہ بھیج دیا۔ ابن زیاد نے قاصد سے کہا کہ قصر امارت پر چڑھ کر (نعوذ باللہ) کذاب ابن کذاب (یعنی حضرت حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کو گالیاں دے۔ قاصد نے قصر امارت کی چھت پر چڑھ کر کہا۔ ''لوگو! یہ حسین بن علی ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق' اس کے محترم رسول اللہ علیہ السلام کی صاحب زادی (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے صاحب زادہ ہیں۔ اور میں تم لوگوں کی جانب ان کا

marfat.com

قاصد ہوں۔ میں نے انہیں مقام حاجر میں چھوڑا ہے (وہ تمہارے ہاں آرہے ہیں) سو ان کو لبیک کہو اور ان کی دعوت کو قبول کرو"۔ اس کے بعد قاصد نے عبید اللہ بن زیاد اور اس کے باپ زیاد پر لعنت کی اور (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ اس پر ابن زیاد نے اس کو قصر امارت سے نیچے پھینک دیئے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو پھینک دیا گیا اور زخموں سے چور ہو کر اس نے جان دے دی۔ جب (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا: "تم لوگوں میں سے جو شخص واپس جانا چاہے، چلا جائے اس پر ہماری کسی قسم کی ذمہ داری نہیں ہے۔" یہ سن کر بہت سے لوگ وہاں سے ادھر ادھر چلے گئے۔ اور ان کے پاس وہی لوگ رہ گئے جو مدینہ سے ان کے ساتھ آئے تھے۔ (طبری ۲: ۲۹۴ = ۵: ۳۹۸)۔ ان لوگوں کے ہمراہ روانہ ہو کر (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) "بطن عقبہ" پہونچے۔ وہاں چند روزہ قیام کے بعد مقام شراف کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں "ذی حسم" کے چشمے پر پڑاؤ کیا۔ اور عقب کی جانب سے حفاظت کی غرض سے بلند زمین (ٹیلے) پر مورچہ بندی کی (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دشمن کے اچانک حملہ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس لئے اپنی قیام گاہ کی حفاظت کا انہوں نے فوجی انداز میں بندوبست کیا)۔ اس مقام پر حر بن یزید تمیمی کی کمان میں قادسیہ سے بھیجے گئے کوفہ کے سواروں نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کا راستہ روک لیا۔ ان لوگوں نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کا احترام ملحوظ رکھا اور ان کی امامت میں نمازیں ادا کیں۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے وہ خطوط جو اہل کوفہ نے انہیں اپنے ہاں تشریف لانے کے لئے لکھے تھے اور جن سے دو تھیلے بھرے ہوئے تھے ان کو دکھائے۔ حر بن یزید تمیمی نے اس کا یہ جواب دیا کہ جن لوگوں نے آپ کو خطوط لکھے ہیں، ہم ان میں نہیں ہیں۔ اس موقع پر (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے مدینہ واپس چلے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن حر اس میں آڑے آگیا اور انہیں واپس جانے سے روک دیا۔ مگر حر کو (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جب ان دونوں کے درمیان بات بڑھنے لگی تو حر بن یزید نے کہا: "مجھے آپ سے جنگ کرنے کا کوئی حکم نہیں

marfat.com

دیا گیا ہے۔ لیکن میرے ذمہ یہ فرض عاید کیا گیا ہے کہ میں آپ کا پیچھا اس وقت تک نہ چھوڑوں، جب تک آپ کو کوفہ نہ پہونچادوں۔ اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو ایسا راستہ اختیار فرمائیں، جس سے نہ تو آپ کوفہ میں داخل ہوسکیں اور نہ مدینہ ہی واپس جاسکیں۔ میرے اور آپ کے مابین یہی کسی انصاف کی صورت ہے۔ اس عرصہ میں میں ابن زیاد اور آپ، اگر پسند فرمائیں، تو یزید بن معاویہ یا عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایسی صورت نکل آئے جس سے اللہ تعالیٰ آپ کے معاملہ میں مجھے کسی آزمائش میں مبتلا ہونے سے عافیت وسلامتی عطا فرمائے۔" اب (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) عُذَیب اور قادسیہ جانے والی شاہراہ کے بائیں سمت مڑ گئے۔ اس وقت ان کے اور عذیب کے درمیان اڑتیس میل کی مسافت تھی۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلتے رہے اور حر بن یزید تمیمی ذرا فاصلہ سے ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ (اسی اثناء میں) کوفہ سے (چار) مخلص شیعہ آکر (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی جماعت میں شامل ہوگئے، مگر حر بن یزید نے ان لوگوں کو شمولیت اختیار کرنے سے نہیں روکا ان لوگوں نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ کی صورت حال سے یوں آگاہ کیا: "معززین کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اور ان کے تھیلے بھر دیئے گئے ہیں۔ اس طور سے ان کی حمایت اور ہمدردیاں حاصل کرلی گئی ہیں۔ اور وہ سب آپ کے خلاف متحد ومتفق ہوگئے ہیں۔ باقی رہے عوام، تو ان کے دل آپ کی محبت سے سرشار ہیں۔ لیکن ان کی تلواریں کل آپ کے خلاف بلند ہوں گی"۔ (طبری ۲:۳۰۳=۵:۴۰۵)

(قصہ مختصر) (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنا سفر جاری رکھا اور "عُذَیب ہجانات" و "قصر بنی مقاتل" ہوتے ہوئے وہ اور ان کے ساتھی "دریائے فرات" کے کنارے واقع "نینویٰ" کی بستی میں پہونچے۔ یہاں حر بن یزید کے پاس عبیداللہ بن زیاد کا قاصد اس مضمون کا خط لے کر پہونچا: "جس وقت تمہارے پاس میرا یہ خط اور میرا قاصد پہونچے تو حسین پر سختی کرو اور انہیں کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالنے پر مجبور کرو جہاں نہ کوئی محفوظ پناہ گاہ ہو اور نہ پانی ہو۔" عبیداللہ بن زیاد نے حر بن یزید کو جو حکم دیا تھا، حر نے اس کی تعمیل کی اور (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو "نینویٰ"، "غاضریہ"، "یاشُفَیہ"

marfat.com

میں پڑاؤ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس موقع پر زہیر بن القین نے (جسے کوفہ سے آنے والے شیعوں کی زبانی ابن زیاد کی فوجی تیاریوں اور سپاہ کی لام بندی کی اطلاع مل چکی تھی اور خود جناب حسین رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا حال معلوم تھا) (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) سے کہا: ''ان لوگوں کی بہ نسبت جو بعد میں یہاں آنے والے ہیں' موجودہ لوگوں سے جنگ کرنا ہمارے لئے زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ آنے والوں سے جنگ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں ہوگی۔'' (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے اس کا یہ جواب دیا: ''میں اپنی جانب سے ان لوگوں سے جنگ کا آغاز نہیں کروں گا۔'' یہ سن کر زہیر بن القین نے کہا: ''ہمارے ساتھ کے گاؤں میں چلے چلئے ہم وہاں قیام کریں گے۔ وہ جگہ محفوظ اور فرات کے ساحل پر ہے۔ اگر یہ لوگ ہمیں ایسا کرنے سے روکیں تو ہم ان سے لڑیں گے۔'' (طبری ۲: ۳۰۷، ۳۰۸=۵: ۴۰۹)۔ اس گاؤں کا نام ''العقر'' تھا۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے اس نام سے بدفالی لی اور بولے: ''اے میرے اللہ! میں العقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' (العقر کے معنی ہیں زخمی کرنا' ذبح کرنا' اونٹ کی کوچ کاٹنا)۔ (انہوں نے اس مشورہ کو نہ مانا اور) کربلا کی نرم زمین میں جہاں رکے تھے' ٹھہرے رہے۔ (۱۵) یہ مقام اگرچہ دریائے فرات سے زیادہ دور نہ تھا۔ مگر وہاں پانی نہیں تھا۔ طبری (ج ۲: ص ۳۰۸' ص ۷=۵: ۴۰۹' ص ۱۰) کے بقول یہ پنجشنبہ کا دن اور ۶۱ء کے ماہ محرم کی دوسری تاریخ تھی (مطابق سہ شنبہ ۲، اکتوبر ۶۸۰ء)

اگلے روز (۳ محرم ۶۱ء) وہاں کوفہ سے عمر بن سعد بن ابی وقاص چار ہزار سپاہ کے ساتھ آ گیا۔ عبید اللہ بن زیاد نے اس کو دَستَبیٰ کے باغی ویلم قبائل سے جنگ کرنے کی غرض سے ری کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس مقصد سے اس نے یہ لشکر منظم کیا تھا۔ لیکن اسے یہ حکم دیا گیا کہ پہلے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ پر جائے اور اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے اصلی عمل (منصب' عہدہ) کی جانب ری روانہ ہو جائے۔ عمر بن سعد نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرنے سے معذرت چاہی۔ اس پر ابن زیاد نے یہ شرط لگا دی کہ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو ری کی گورنری کا پروانہ واپس کر دے۔ اس وجہ سے ابن سعد بادل ناخواستہ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ پر روانہ ہوا'

marfat.com

کیونکہ اسے ڈر تھا کہ ری کی گورنری کہیں اس سے چھین نہ لی جائے۔ لیکن اس نے اس مہم کو نپٹانے میں عجلت سے کام لیا اور (کربلا پہونچ کر) اس نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں آدمی بھیج کر یہ معلوم کرنا چاہا کہ ان کی آمد کا مقصد کیا ہے اور آئندہ کیا ارادہ ہے۔ عمر بن سعد نے اپنے لشکر کے بہت سے سرداروں سے کہا کہ اس کے قاصد بن کر (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں اس کا خط لے کر جائیں۔ لیکن ان سبھوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کر دیا کہ ان میں سے اکثر نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ آنے کا دعوتی خط لکھا تھا اور وہ یہ شرمندگی محسوس کر رہے تھے کہ ابن سعد کا یہ خط لے کر کس منہ سے ان کی خدمت میں جائیں۔ بہر کیف جب عمر بن سعد کا یہ خط (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) تک پہونچایا گیا تو انہوں نے قاصد سے کہا:

"مجھے تمہارے اس شہر کے معززین نے اپنے ہاں آنے کا خط لکھا تھا' اب اگر وہ لوگ مجھے ناپسند کرنے لگے ہیں تو میں ان کے ہاں سے واپس جانے کو تیار ہوں"۔ (۱۶) (طبری ۲: ۳۱۰ = ۵: ۴۱۰، ۴۱۱) یہ جواب عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ وہاں سے جواب آیا: حسینؓ سے کہو کہ وہ یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں۔ اور خود کو حکومت کے حوالہ کر دیں۔ بصورت دیگر ان کے خلاف طاقت استعمال کرو۔ اگر عمر بن سعد کو اس میں کوئی تردد ہو تو وہ فوج کی کمان شمر بن ذی الجوشن قیسی (۱۷) کے حوالہ کر دے۔" یہی شخص ابن زیاد کا خط عمر بن سعد کے پاس لے کر گیا تھا۔

پنج شنبہ، ۹ محرم ۶۱ھ کی رات (۱۸) میں عمر بن سعد فوجی تیاریوں میں مصروف رہا۔ مگر (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے خیمہ میں خاموشی اور سکون رہا۔ جو لوگ ان کے ساتھ تھے' ان میں سے کسی نے بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے بھاگ جانے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو باصرار وہاں سے چلے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ کیونکہ دشمنوں کو (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے سوا کسی سے کوئی پرخاش اور کسی قسم کا سروکار نہ تھا۔ اس کے بعد (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے وصیت کی اور عورتوں کو خوف دلانے کی غرض سے اپنی تلوار کھڑی کی۔ اور دشمنوں کے ہجوم کے وقت عقب سے حملوں کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ (۱۹) پھر رات کا بقیہ حصہ

marfat.com

عبادت الٰہی میں بسر فرمایا۔ دشمن حسینی خیموں کے قریب ہی تھے اور فریقین آپس میں مختلف نوعیت کی باتیں کرتے رہے۔

چہار شنبہ، ۱۰ محرم ۶۱ ھ (۲۰) (مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء) کو نماز فجر کے بعد فریقین نے جنگ کی غرض سے صف بندی کی۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ (۳۲) سوار اور (۴۰) پیادہ تھے۔ (۲۱) ان میں ان کے بھائی اور برادران عم زاد کی تعداد (۱۸) تھی۔ آخری لمحات میں ایک نہایت ہمت افزا واقعہ یہ پیش آیا کہ حر بن یزید تمیمی، ابن زیاد کے لشکر سے نکل کر (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف آ گیا۔ اور اپنی پہلی روش کا کفارہ ادا کرتے ہوئے، حامیان حسینؓ کے ساتھ جان دیدی۔ بہر حال جنگ کے آغاز سے پہلے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مخالفوں کے سامنے ایک تقریر کی۔ (لیکن لوگوں نے ان کی تقریر نہ سنی) اور ان کی سمت ایک تیر چلا دیا، جو انہیں نہ لگا، مگر اس سے تقریر ختم ہوگئی اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ پہلے تیروں کی بارش ہوئی پھر تلواروں کے وار ہونے لگے۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے جاں نثار یکے بعد دیگرے یہ کہتے ہوئے کہ اب جنت میں ملیں گے، میدان کارزار میں داخل ہوتے گئے ان سبھوں کا ایک ہی نصب العین تھا کہ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہی جام شہادت نوش کرلیں۔ اس دوران میں (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) بڑے خیمہ کے سامنے، جسمیں عورتیں اور بچے تھے، بیٹھے ہوئے معرکہ آرائی دیکھتے رہے، جب کہ عورتیں خیمہ میں آہ وبکاء میں مشغول رہیں۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے افراد خاندان بھی جنگ میں کود جانے کے بجائے اسے دیکھتے رہے۔ ان کے حامی ایک ایک کر کے جان دیتے رہے۔ جب حامیان حسینؓ کا آخری آدمی بھی مارا جا چکا تو ان کے قرابت داروں کی باری آئی اور انہوں نے بھی ایک ایک کر کے اپنے کو (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) پر نثار کردیا۔ (ولہاؤزن یہ کہنا چاہتا ہے کہ حامیان حسینؓ اور اقرباء حسینؓ کو ایک ساتھ ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کمان میں جنگ کرنی چاہیے تھی، کہ اس سے ان کی کامیابی کی کوئی صورت نکل سکتی تھی یا کم از کم دشمن کا بھاری جانی نقصان ہو سکتا تھا۔ جبکہ انفرادی جنگ سے کسی کامیابی یا دشمن کو بھاری نقصان

marfat.com

پہونچانے کا کوئی امکان نہ تھا۔) اب صرف (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) باقی رہ گئے تھے (اور وہ بھی جنگ کرنے کے بجائے عورتوں اور بچوں کے خیمے کی نگرانی فرما رہے تھے) دشمنوں میں سے کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ نبی کریم ﷺ کے نواسہ پر حملہ کرکے انہیں شہید کردے۔ (آخر شقی ازلی) شمر بن ذی الجوشن قیسی نے اس جھجک کو ختم کیا۔ اگر اس معرکہ میں فوجی قیادت کی بات درست ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ شمر ہجوم کا کمان دار تھا۔ وہ پہلے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو خواتین و اطفال کے خیمے کے پاس سے ہٹانے اور دور کرنے میں کامیاب ہوا' کیونکہ اس خیمہ کے مکینوں کو اذیت اور تکلیف پہونچانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد لوگ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) پر ٹوٹ پڑے اور چاروں طرف سے نیزوں اور تلواروں کے وار کرنے لگے۔ ان کے جسم مبارک پر نیزوں کے (۳۳) اور تلواروں کے (۳۴) زخم آئے۔ مگر کسی نے یہ پسند نہ کیا کہ وہ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کا قاتل کہلائے (غالباً اس سے دلہاؤزن کی مراد ان کے سر اقدس کو قلم کرنے سے ہے' کیونکہ (۶۷) کاری زخموں کے بعد ان میں کیا باقی رہ گیا تھا اور وہ جام شہادت نوش فرما چکے تھے۔ شمر کے حکم سے سنان بن انس نے ان کے سر کو تن سے جدا کردیا' گو خولی بن یزید اصبحی ایسا جرم کرنے سے کانپ اٹھا اور اس سے انکار کردیا)۔

(حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے جسم مبارک پر جو چیزیں تھیں ان کو لوٹ لیا گیا۔ ان کا پاجامہ' بحر بن کعب نے لوٹا۔ قیس بن اشعث نے ان کی ریشمی چادر اڑالی اسی وجہ سے قیس کو بعد میں "قیس قطیفہ" (چادر والا قیس) کہا جانے لگا۔ بنی اود کے ایک آدمی نے جس کا نام اسود تھا' ان کے جوتے اتار لئے۔ بنی نہشل بن دارم کے ایک شخص نے ان کی تلوار جھپٹ لی۔ اس (لوٹ مار سے فارغ ہو کر) لوگ خیموں کی جانب لپکے اور ورس (خوشبو)' کپڑے اور اونٹوں کو لوٹ لیا۔ اس کے بعد لوگوں نے عورتوں اور مال و اسباب کی جانب توجہ کی اس خوف سے کہ کہیں ان کی چادریں نہ چھین لی جائیں عورتوں نے انہیں خود ہی اتارلیا۔ (طبری ۲: ۳۶۶ = ۵: ۴۵۳)۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) زرہ کے بجائے نفیس و عمدہ لباس زیب تن کیئے ہوئے تھے۔ لوٹ مار کا یہ سلسلہ عمر بن سعد کے وہاں پہونچنے پر ختم ہوا۔ اس واقعہ کی خبر جنات اسی دن مدینہ لائے جس سے

marfat.com

قاصدوں کی آمد سے پہلے ہی لوگوں کو اس کی اطلاع ہوگئی۔

شہداء کربلاء کو ''الغاضریہ'' میں دفن کر دیا گیا۔ (یہ خدمت بنو اسد نے خود انجام دی کوفہ کی فوج نے ایسا نہیں کیا)۔ مگر ان کے سر کاٹ لئے گئے اور ان (۷۲) سروں کو شمر بن ذی الجوش (قیسی) قیس بن اشعث (کندی) عمرو بن حجاج (زبیدی) اور عزرہ بن قیس کے ہمراہ (کوفہ) روانہ کر دیا گیا۔ یہ لوگ ان سروں کو لے کر عبید اللہ بن زیاد کے پاس آئے۔ اس نے ان کو خلیفہ (یزید) کی خدمت میں دمشق بھیج دیا۔ یزید اس حادثہ پر بہت خوش ہوا اور حضرت حسینؓ کے دانتوں کو چھڑی سے کریدنے میں اسے بڑا مزہ آیا۔ (۲۲) جہاں تک بچوں اور اسیر خواتین کا تعلق تھا' تو یزید نے ان کے ساتھ شرافت اور نرمی کا سلوک کیا۔ اور علی بن حسین سے جو اگرچہ نوعمر تھے' مگر نہایت سمجھ دار اور ذہین تھے' یزید نے دوستانہ برتاؤ کیا۔ جس کا انہوں نے برابر اعتراف کیا۔ بعد ازاں (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے اہل خاندان کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا گیا۔ ان کی نگرانی پر ایسا شخص مقرر کیا گیا جس نے ان کے ساتھ مہربانی اور احترام کا رویہ اختیار کیا۔ اس شخص کے اس حسن سلوک کے شکریہ میں خواتین نے اپنے دو کنگن اسے دیئے۔ جب یہ (لٹی پٹی) سواریاں مدینہ پہونچیں' وہاں (لوگوں کو بڑا صدمہ پہونچا) اور ہر طرف آہ بکا اور گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہوئیں۔

(ولہاؤزن کہتا ہے کہ) میں نے اس مقالہ میں ابومخنف کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ روایت طویل اور نہایت مفصل ہے۔ طبری نے ابن الکلبی (ہشام بن محمد بن سائب الکلبی) کی تحریر کے مطابق اس کو قریب قریب پورا نقل کر دیا ہے۔ مگر اس اخیر (ابن الکلبی) نے اپنے باپ (محمد بن سائب کلبی) اور عوانہ کے حوالے سے ابومخنف کی روایت پر جو اضافہ کیا ہے' اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور روایت کے عام بیانیہ پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں ایک اور مقام پر اس نے عوانہ کے حوالہ سے جس اطلاع کا اضافہ کیا ہے' اس سے صرف نظر کیا جا سکتا۔ (طبری ۲: ۲۳۹=۵:۳۵۶) (اس خبر کا تعلق سرجون نصرانی کے مشورہ سے کوفہ کی گورنری پر عبید اللہ بن زیاد کے تقرر سے ہے) اسی طرح ابو مخنف کی روایت کے متوازی و مخالف جن دوسری روایتوں کو طبری نے نقل کیا ہے' وہ (اس

marfat.com

کی کتاب کی) بڑی جگہ کو گھیرے ہوئے نہیں ہیں۔ اور ہر چند کہ عمار دہنی کی روایت ابو مخنف کی روایت سے متفق ہے۔ مگر دہنی مختلف اخبار کو ایک ترتیب وسلیقہ سے بیان کرتا ہے جس سے اس کا بیان زیادہ واضح ومرتب ہو جاتا ہے۔ (۲۳) اس کے مقابلہ میں عمر بن شبہ کی روایت' ابو مخنف کی روایات سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ مگر وہ جن اختلافی اخبار کو بیان کرتا ہے' ان کی کوئی خاص قدر و قیمت نہیں ہے۔ (۲۴) اسی طرح حصین بن عبدالرحمان کی روایت بھی کسی اہمیت و قیمت کی مالک نہیں ہے۔ (۲۵)

طبری کے پہلو بہ پہلو (ابوحنیفہ) دینوری (الاخبار الطوال ص ۲۴۳ و بعدہ اور (ابن واضح) یعقوبی (تاریخ ۲:۲۷۳ و بعد۔ اپنی کتابوں میں) جو جزئی خبریں یا اشعار درج کرتے ہیں' وہ قابل اعتماد ہیں۔ مگر یعقوبی اور اس جیسے دوسرے کٹر شیعہ راویوں کی ایک ایسے حادثہ کے متعلق تحریروں سے جس کی ان کے ہم مذہبوں کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت ہے' آدمی استفادہ نہیں کر سکتا (کیونکہ یعقوبی نے اس واقعہ کی تفصیلات بیان نہیں کی ہیں) اور ایسی مستقل شیعی روایت جو ابتدائی واقعات کا مسلسل بیانیہ ہو' موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس شیعی روایت کا آغاز اس حادثہ کے وسط سے ہوتا ہے اور اس کو قدیم روایت سمجھا جاتا ہے۔ یہ نہایت مختصر اور قلیل جگہ کو محیط ہے۔ اور آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے دور اور مختلف ہوتی جاتی ہے۔ اسی طرح (ابن ندیم مصنف) الفہرست کے بقول عمار دہنی بھی شیعہ ہے۔ لیکن وہ تمام جوہری امور میں ابو مخنف سے متفق ہے۔ اور ابو مخنف اس سلسلہ میں مستندترین ماخذ و موثق ترین' حجت شمار ہوتا ہے۔ اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے بعد کے جعل سازوں اور وضاعین نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت سے متعلق خرافاتی روایتوں (اسطورہ' اساطیر) کو اس کی جانب منسوب کر دیا ہے (۲۶) (تاکہ لوگ انہیں صحیح سمجھیں)۔

اس مقام پر ابو مخنف کی روایت سے اس کے اسلوب کی خصوصیات واضح ہوتی ہیں۔ ہم نے یہاں اس کی جو تلخیص پیش کی ہے۔ اس سے اس کے اسلوب کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی یہ روایت مکالمہ ومناظرہ پر تمام تر مبنی ہے۔ (جسے ہم نے قلم زد کر دیا ہے) یہ مکالمے اور مناظرے کسی طرح کی ڈرامائی تصویر کشی سے عاری ہیں۔ اس روایت

marfat.com

میں کوئی ایسی بات نہیں ہے' جو اس کے کرنے والے (فاعل) سے متعلق نہ ہو۔ ہر قاصد' ہر غلام' ہر کام انجام دینے والا اور ہر شخص جو کچھ کرتا یا کہتا ہے یہی نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو تلوار بلند کرتا ہے' یا اس سے خون پوچھتا ہے' ان سبھی کے نام اس روایت میں مذکور ہیں۔ اور آدمی پہلی نظر میں' اس گھنے درختوں کے جنگل سے ہر چیز نہیں لے سکتا۔ کیونکہ اس میں جھاڑیاں اور ڈالیاں ہر طرف پھیلی ہوتی ہیں (یعنی جزئیات نگاری کی کثرت کے سبب ہر بات کو سمیٹنا اور ہر واقعہ کو ضبط تحریر میں لانا آدمی کے لئے ممکن نہیں ہے)۔ مثلاً وہ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) (صحیح قاسم بن حسنؓ بن علیؓ) کی شہادت کے متعلق غیر ضروری تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان کے دو جوتوں میں سے ایک کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اور وہ بایاں جوتا تھا۔ (۲۷) مختصر یہ کہ اس روایت میں جزئی واقعات واخبار جو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یہ جزئی تفصیلات اکثر ایک دوسری سے مختلف اور ان کے متوازی ہوتی ہیں۔ اس لیے بیانیہ طویل دوراز ہو جاتا ہے۔ لیکن ابو مخنف پہلا شخص نہیں ہے جس نے یہ تمام جزئی اخبار یکجا کر دیئے ہیں' بلکہ اس کے پیش روؤں اور ہم عصروں نے بھی یہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ یوں ایسا لگتا ہے کہ (غیر ضروری جزئیات نگاری پر) یک گونہ اجماع ہے۔ (طبری ۲: ۳۱۴=۵: ۴۱۳)۔ اس کے باجود ابو مخنف کی اہمیت اس لئے بہت زیادہ ہے کہ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے رونما ہونے کے وقت جو لوگ بقید حیات تھے' وہ ان سے صرف ایک نسل بعد کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ نیز جزئی اخبار و واقعات کا مسلسل بیان اس کے ہاں نہایت مختصر ہے۔ اور یہی قدیم وموثق اسلوب کی خصوصیت ہے۔ جہاں تک متاخر راویوں کے طویل سلسلہء (اسانید کا) تعلق ہے' تو وہ صرف خارجی وصوری طرز اظہار اور ایک طرح کا مصنوعی اسلوب ہے جسے متاخر انشاء پردازوں (کتّاب) نے ایجاد واختیار کیا ہے۔

ابو مخنف جس راوی سے (شہادت حسینؓ سے متعلق) واقعات کو نقل کرتا ہے' وہ عینی شاہد ہوتا ہے جو اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کے وقت وہاں موجود تھا۔ یا وہ راوی کم از کم کسی عینی شاہد پر اعتماد کرتا ہے۔ (یعنی ابو مخنف جس راوی سے روایت کرتا ہے' وہ یا تو اس واقعہ کا عینی شاہد ہوتا ہے' یا پھر وہ کسی عینی شاہد کے بیان پر اعتماد کر کے اس واقعہ کو

marfat.com

بیان کرتا ہے)۔ یہ عینی شاہد دو قسم کے ہیں۔ اول وہ لوگ جو صف حسینی میں شامل تھے (اور زندہ بچ رہے تھے) یہ غلام یا مفرورین تھے ایسے لوگوں کی تعداد نہایت قلیل تھی۔ (۲۸) ان عینی شاہدوں میں دوسری قسم ان لوگوں کی ہے اور غالب اکثریت بھی انہیں کی ہے جو دشمن کی صفوں میں تھے۔ مگر راویوں ہی کی طرح ان لوگوں کی ہمدردیاں اپنے اس موقف کے ساتھ جو انہوں نے اس واقعہ میں اپنایا تھا' نہ تھیں' بلکہ وہ اپنے پرانے (حسینؓ مخالف) موقف پر نادم و شرمندہ تھے۔ (۲۹) اس لئے وہ یہ کوشش کرتے تھے کہ اس حادثہ میں اپنی شرکت کو غیر اہم ظاہر کریں' یا اس جرم میں اپنے حصہ کو کم کر کے دکھائیں یا پھر (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے خلاف قتال کی ایسی تصویر پیش کریں' جس میں ان کی عظمت شان واضح کی گئی ہو۔ اور اس طرح وہ لوگ کوفہ والوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ ہم کو یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ شہادت حسین (رضی اللہ عنہ) کے متعلق کوفہ میں نہایت کثرت سے اور بہت سخت روایتیں موجود تھیں۔ وہ لوگ ایک دوسرے پر اس میں شرکت کی تہمت رکھتے تھے اور ہر شخص اپنی بے گناہی و برائت ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ (طبری ۲:۳۴۱، ۳۴۴، ۳۴۶ = ۵:۴۳۴، ۴۳۶، ۴۳۸)۔

ابو مخنف کی روایت دوسری متوازی روایات کی ضبط و اصلاح کا وسیلہ و ذریعہ بھی ہے۔ کیونکہ اس سے ان عرضی اخبار (غیر اہم اخبار) کو رد کر سکتے ہیں جو صرف ایک روایت میں بیان کئے جاتے ہیں اور ان جوہری اخبار (اہم و بنیادی اخبار) کو باقی رکھ سکتے ہیں جن کا ذکر دیگر روایات میں بار بار آتا ہے۔

نیز ابو مخنف غیر متوازی روایتوں کو اس انداز میں ایک تسلسل میں مرتب کرتا ہے جس سے ایک مضبوط اور مربوط بیانیہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے بصورت دیگر ایک طرح کے انتخاب و تمیز کے بغیر نجات نہیں مل سکتی۔ ہاں ابو مخنف کی روایت میں بعض اختلافات اور چند مقامات پر بے ترتیبی بھی ہے' مگر ان میں اہم نقاط میں کوئی حقیقی تضاد نہیں ہوتا واقعات کی صورت مجموعی اعتبار سے واضح ہوتی ہے اور وحدت بیان کا تاثر قائم رہتا ہے' ایسا صرف واقعات سے متعلق امور ہی میں نہیں ہے' بلکہ ان امور میں بھی ہے جو انسانی طبائع سے تعلق رکھتے ہیں۔

marfat.com

بیشک کوفہ کے معززین کی تمام تر کوششیں' اپنے مرکز کی حفاظت اور اپنے شہر اور قبائل کے محدود مفادات کے تحفظ پر مرکوز تھیں۔ اور ہر چند کہ ان کے جذبات اموی حکومت کے خلاف تھے۔ مگر قبائل میں پائیدار امن وسکون کی خاطر' اس کے برعکس' انہوں نے اپنے اثر ورسوخ کو حکومت کے ماتحت وزیر فرمان رکھا۔ اس سلسلہ میں عمرو بن حجاج زبیدی اور محمد بن اشعث کندی نے خاص طور پر '' شرطہ '' کا کردار ادا کیا۔ اور شبث بن ربعی تمیمی (۳۰) نے جو ان لوگوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی' ان کے خلاف لڑ کر' اقتدار کی خاطر اپنی قلا بازیوں کو' جس کی مشق اس نے اپنی جوانی کے زمانے سے کی تھی' اوج کمال پر پہونچا دیا۔ کوفہ کے عوام کی اکثریت اموی حکومت کی تائید وحمایت کی حریص نہ تھی' مگر اس کے باوجود وہ لوگ دشمنان حکومت کی صف میں شامل نہیں ہوئے۔ حتی کہ وہ لوگ بھی جنہوں نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو خطوط لکھے تھے اور ان کے مخلص ہونے کی قسمیں کھائی تھیں آزمائش میں ان کا ساتھ چھوڑ گئے اور ان کی جانب اپنا دست تعاون نہیں بڑھایا۔ یہ لوگ جو انتہائی کوشش کر سکے وہ یہ تھی کہ معرکہ جنگ اور (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے الم ناک حادثہ کو دور سے دیکھتے رہے اور بعد ازاں اس پر آنسوے بہاتے رہے۔ ان میں سے جن لوگوں نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ شمولیت اختیار کرنے کی جرات کی' ان کی تعداد نہایت قلیل اور تھوڑی تھی۔ مثلاً بیت المال کا خزانچی ابوثمامہ صائدی اور ابن عوسجہ۔

ان کے علاوہ جو لوگ (سیدنا حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے واقعہ شہادت میں ان کے ساتھ رہے' ان میں یا تو وہ تھے جو اثناء سفر میں ان سے از خود آکر مل گئے تھے۔ یا پھر وہ تھے جنہیں آخری لحات میں انسانی حمیت نے ان کی حمایت پر مجبور کر دیا تھا حالانکہ اس سے پہلے ان لوگوں کا (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) سے کوئی تعلق نہ تھا یا وہ ان کے شیعوں (حامیوں) میں نہ تھے۔ مکلفین (وہ جو حمایت حسینؓ کے پابند تھے اور جنہوں نے کچھ بھی نہ کیا) اور غیر مکلفین نے (وہ جو حضرت حسینؓ کی حمایت کرنے کے پابند نہ تھے مگر ان پر اپنی جانیں قربان کر کے) مکلفین کو شرمندہ کر دیا' مورخین نے ان

marfat.com

دونوں کے مابین تضاد و تعارض کو نہایت نمایاں کیا ہے اور کہیں کہیں (ان غیر مکلفین کی جاں نثاریوں کو) ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ (۳۱)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ صرف "قریش" ہی نے نہیں بلکہ "انصار" نے بھی (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیا اور مدینہ سے انصار کا ایک آدمی بھی' ان کے ساتھ نہ گیا۔ کوفہ کے شیعوں کے درمیان ان کے بہت تھوڑے افراد بستے تھے۔ وہ بغاوت جو ۶۳ھ (واقعہ حرہ) میں مدینہ میں ہوئی' آل علی (رضی اللہ عنہ) کی حمایت میں نہیں ہوئی تھی' اس لیے (جناب) علی بن حسین (زین العابدین) نے اس سے کوئی سروکار نہ رکھا اور اپنا ہاتھ جھاڑ لیا تھا۔

بزدلوں اور (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) سے خلوص نہ رکھنے والوں کے مقابلہ میں، شیعوں کے کھلے دشمن تھے۔ یہ لوگ اموی حکومت کے اطاعت گزار اور اہل کار تھے۔ (ان کے خیال میں) یہ جنگ کسی دینی و ایمانی مسئلہ کے گرد نہیں لڑی جا رہی تھی۔ (۳۲) بلکہ اس کا تعلق ایک عملی مسئلہ سے تھا۔ وہ مسئلہ یہ تھا کہ: کیا حکومت کی اطاعت واجب ہے؟ یا بصورت دیگر اس کے خلاف بلوہ کرنا اور (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ شامل ہونا ضروری ہے؟ یہ اطاعت گزار (اہل طاعت) اپنے مسلک کو درست سمجھتے تھے اور یہ کوئی معیوب بات بھی نہیں تھی۔ مگر وہاں ایسے لوگ بھی تھے جو ان (اہل طاعت) کے موقف کو برا سمجھتے تھے۔ اور اپنے موقف کی حمایت میں ان کی دی گئی دلیلوں کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

یقیناً گروہی میلانات و رجحانات کا اظہار' گمراہ کرنے والے اور گھڑے ہوئے واقعات کے طریقہ کی بہ نسبت' تقریری وسائل اور تصویری مبالغوں سے' جن میں تمیز کرنا آسان ہوتا ہے۔ زیادہ بہتر انداز میں ہوتا ہے۔ اس بناء پر قدیم روایتیں' جیسا کہ ہمیں ابو مخنف کے ہاں ملتی ہیں' متاخر اور بعد کی روایتوں سے ممتاز و نمایاں ہیں۔ روایتوں کی یہ پہلی قسم (دوسری قسم کی روایتوں سے) زیادہ معتبر و عمدہ ہے۔ اور ہر چند کہ ان میں اساطیری رنگ جھلکتا ہے' مگر اس کے برخلاف وہ ہماری نگاہوں سے اس بنیادی نقطہ کو اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔ جس کی مدد سے ہم صحیح احکام و نتائج کی تشکیل و تکوین کر سکتے ہیں۔ (اور

marfat.com

افراد کے کردار کے بارے میں درست رائے قائم کر سکتے ہیں)۔

سو عمر بن سعد کو (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں اس کے رویہ پر اس کا ضمیر ملامت کرتا ہے۔ وہ ان کو ایک طرح کی رقت اور ہمدردی کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ دراں حالیکہ وہ ایسا شخص ہے۔ جس سے سخت نفرت و ناپسندیدگی ظاہر کرنے پر آدمی مجبور ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے ضمیر کے تقاضوں سے صرف اپنی گورنری بچانے کی غرض سے روگردانی کی تھی۔ (اور اپنے احباب کے مشورہ کے برعکس کوفہ کی فوج کی کمان سنبھالی تھی)۔

جہاں تک شمر (بن ذی الجوشن ضبابی قیسی) کا تعلق ہے۔ تو اس کا کوئی ضمیر ہی نہ تھا۔ وہ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو (نعوذ باللہ) فتنہ و فساد برپا کرنے والا اور بدامنی پھیلانے والا شخص سمجھتا تھا۔ اس لئے وہ ان پر کسی جھجک کے بغیر ٹوٹ پڑا۔ اس کے خلاف پہلے سے بدگمانی اور جانب داری کی فضاء راویوں نے قائم کر رکھی ہے، جس سے متفق ہونے کے لئے ہم کسی صورت آمادہ نہیں ہیں۔ بہر حال ابو مخنف نے اس کی جو تصویر پیش کی ہے، اس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ وہ نرا اکھڑ اور بالکل اجڈ جاہل تھا اور اس میں اہل بیت رسول ﷺ سے نفرت کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ (۳۳) یہ اس لئے کہ اس نے خیمہ گاہ (جہاں حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خواتین تھیں) کے تقدس کا احترام کیا اور جب تک ان کو اس سے دور نہ کرلیا ان پر حملہ نہ بولا۔

مگر ابو مخنف کے ہاں جو شخص سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور حد درجہ برا ہے، وہ عبید اللہ بن زیاد ہے۔ لیکن ابو مخنف کی روایت سے اس شخص کی جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے، اس سے یک گونہ تعجب ہوتا ہے اور اس سے بڑی اس کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس گورنر نے اپنے مخالفین سے نہایت چالاکی سے اپنا کام نکالا انتہائی کم وسائل کے باوجود نگاہ دور رس اور دست قوی سے دشواریوں اور رکاوٹوں سے بھرے ہوئے راستہ میں پیش آنے والی مشکلات کو حل کرنا اسی کا کام تھا۔ اسی طرح اس نے اپنا فرض انجام دیا اور اس کی حدود سے سر مو تجاوز نہ کیا۔ ہاں آدمی اس پر یہ گرفت کر سکتا ہے۔ کہ اس نے غصہ سے مغلوب ہو کر ہانی بن عروہ کے چہرے پر چھڑیاں برسائی تھیں۔ (حضرت) حسین

marfat.com

(رضی اللہ عنہ) کے سر مبارک کے ساتھ جس گھٹیا حرکت کا ارتکاب کیا گیا' اس کا ابن زیاد سے نہیں بلکہ یزید بن معاویہ سے تعلق ہے۔ (کیونکہ اس نے ان کے دانتوں کو چھڑی سے کریدا اور اس کی بے حرمتی کی تھی)۔

روایات میں یزید بن معاویہ کے ساتھ جس نرمی کا سلوک کیا گیا ہے وہ اس کا مستحق نہیں ہے۔ (۱) کیونکہ اگر قتل حسینؓ جرم ہے تو "مجرم اکبر" یزید ہی ہے۔ اس نے ابن زیاد کو ظالمانہ کاروائی کرنے کی غرض سے کوفہ بھیجا تھا۔ اور اس کا انجام اس کے حسب دل خواہ ہوا تھا جس پر اس نے بڑی مسرت کا اظہار کیا تھا۔ اور اس نے دور سے (وقوعہ کے بعد) اپنے ماتحت (ابن زیاد) سے جس بیزاری کا اظہار کیا۔ (طبری ۲: ۳۳۵ = ۵: ۵۰۵)۔ وہ حاکم اعلیٰ کی امتیازی خصوصیت ہوتی ہے۔ یعنی وہ اپنے جرم میں جن لوگوں کو آلہ کار بناتا ہے' نفرت کا رخ انہیں کی طرف موڑ دیتا ہے۔ ہاں یہ بات بری نہ تھی کہ خانوادہ حسینؓ کے باقی ماندہ افراد سے اس نے دوستانہ برتاؤ کیا۔ ہر چند کہ یہ دوستی سیاست پر مبنی تھی اور خلوص قلب سے نہ کی گئی تھی۔

(واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق) تمام اشخاص کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں جو بات قطعی ہے وہ ان میں سے ہر شخص کا وہ موقف ہے' جو اس نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے تعلق سے اختیار کیا تھا۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) اس دائرہ کا مرکزی نقطہ تھے۔ اور ہر کوشش و سرگرمی کا وہی محور تھے۔ اسی لئے بیان میں کسی ایسی چیز کا ذکر جو ان سے وابستہ ہو نہیں چھوڑا گیا۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا واقعہ اور باریک سے باریک ٹکڑا ان کی تصویر پر ایک طرح کا رنج وہ و افسوسناک تاثر منعکس کرتا ہے۔ ان کی ذات متعدد باتوں کا موضوع اور مختلف روایتوں کا مرکز ہے۔ کبھی وہ دوسروں کو نصیحت کرتے ہوئے اور کبھی خود کو موعظمت پذیری کی تلقین کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ اس میں کوئی تعجب و حیرت کی بات نہیں کہ ان کا خاتمہ بقول طبری ۲: ۳۵۳ = ۵: ۴۴۳' اس طرح سے ہو کہ وہ اپنی حمایت میں جانیں قربان کرنے والوں کو اخروی فلاح وفوز کی بشارت دیں' اپنے مخالفوں کو نار جہنم کی وعید دیں اور جاں نثاروں کی نجات کی دعاء پر آمین! آمین! (ب) کہیں۔ معجزوں' لعنتوں خواب' پیشین گوئیوں اور دیگر روحانی عناصر

marfat.com

کی بھر مار ہو۔ یہ تمام باتیں المیہ حسینؓ سے گڈ مڈ اور خلط ملط ہوگئی ہیں۔ پھر روایتوں میں مستقبل کا ذکر آتا ہے۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے قاتلوں کے لئے جبار منتقم (اللہ) کی جانب سے ''عذاب الیم'' کا بیان ہوتا ہے۔ یوں ان بیانات سے ہمارے ہیرو (بطل) کے خاتمہ کا احساس جاتا رہتا ہے اور یہ تاثر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پکی ہوئی مٹی کے برتن تھے جو لوہے' یعنی عبید اللہ بن زیاد سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص بھی ان کا سچا ہمدرد اور بہی خواہ نہ تھا۔ ان لوگوں نے مایوس و نا امید ہو کر اپنے سروں کو کٹنے کی غرض سے آگے بڑھا دیا۔ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) نے 'پہلے مقابلہ میں قتال نہ کیا' یہاں تک کہ بہت تاخیر ہوگئی اور کافی خون بہہ گیا۔ انہوں نے وہاں سے واپس چلے جانے کا ارادہ بھی کیا' لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ سو ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ اپنے حامیوں کو اپنی ہی خاطر مرتا دیکھتے رہیں۔ وہ آخری لحات تک اس الم ناک منظر کو دیکھنے کے لئے زندہ رہے۔

لیکن (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی اہمیت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مقدس خون ان کی رگوں میں دوڑ پھر رہا تھا اور ان کا تعلق ''اہل بیت'' سے تھا سو انہیں کسی قسم کی جدوجہد کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حکومت کے منصب پر فائز ہونا ان کا فطری حق اور ان کی ذات میں ودیعت تھا۔ ان کے گوشت اور خون میں موجود تقدس' معنوی صفات کا بدل ہی نہ تھا' بلکہ ان صفات کی موجودگی سے بھی بڑھ کر انہیں حکومت پر فائز ہونے کا حقدار ٹھہراتا تھا۔ اس بات نے ان کی شخصیت کو اہمیت عطا کردی۔ (۳۴) اسلام کی انفعالی تاریخ کا ایک مزاج اور اس کی ایک خصوصیت (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی تاریخ سے متعلق ہے۔ کیونکہ ان کی شہادت سے شیعوں کے لئے ایک نئے دور کے باب کا افتتاح ہوا۔ اور اس کو ان کے والد محترم (حضرت علی رضی اللہ عنہہ) کی شہادت سے زیادہ اہم سمجھا گیا کیونکہ وہ ''نبی کریم ﷺ کی دختر (پاک) کے صاحب زادہ نہ تھے۔ کچھ حادثے ایسے بھی ہوتے ہیں' جو اپنی ذات اور اپنے ضروری نتائج کے سبب سے نہیں' بلکہ لوگوں کے دلوں میں اپنی لازوال یاد کے سبب الم انگیز اور دردناک یادگار بن جاتے ہیں۔ (واقعہ شہادت سیدنا حسینؓ بھی اسی قبیل کا حادثہ تھا)۔

marfat.com

حواشی۔ باب دوم

۱۔طبری ۲: ۲۳۳۔۲۳۵' طبع لائیڈن = ۵: ۳۵۱۔۳۵۳' طبع دار المعارف' مصر ۱۹۶۳ء۔

۲۔دینوری (الاخبار الطوال) ص ۲۳۵: وہبی کی روایت (طبری ۲: ۲۲۸= ۵: ۳۴۷) میں جو یہ مذکور ہے کہ مسلم بن عقیل نے ابن عوسجہ کے ہاں قیام کیا تھا' غالباً یہ غلط ہے (مگر مسعودی ۳: ۰۷ میں بھی یہی مذکور ہے)۔

۳۔بروایت عوانہ در طبری ۲: ۲۳۹' ۲۴۰۔۵: ۳۵۶، ۳۵۷۔

۴۔اس واقعہ کا صاف بیان عمر بن شبہ کے ہاں ہے۔دیکھیے طبری ۲: ۲۴۳۔۵: ۳۵۹۔

۵۔ابو مخنف کی روایت کے مطابق ابن زیاد کے غصہ کا یہ سبب تھا کہ لوگوں نے اسے غلطی سے حضرت حسینؑ سمجھا تھا۔لیکن عمر بن شبہ کا بیان ہے کہ ابن زیاد نے اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو گیا تھا۔

۶۔ قبیلہ کے ایک چھوٹے فوجی دستہ کا افسر (اس سے اوپر نقیب اور اس سے اوپر رئیس ہوتا تھا۔ یہ ایک فوجی قبیلہ واری بنیاد پر سپاہ کی تقسیم تھی جو کم از کم دس افراد کی افسری سے عبارت تھی)۔

۷۔ اس واقعہ سے متعلق خصوصی خبریں مشکوک معلوم ہوتی ہیں۔

۸۔ طبری ۲: ۲۴۶ و بعد' ۲۴۴' ۴۴' ۵۳ و بعد ۔۵: ۳۶۱ و بعد' ۳۱۰' ۳۶۰' ۳۶۷: دینوری ص ۲۴۸ و بعد (طبری سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ہانی نے مسلم کو ابن زیاد کے قتل سے دو بار روکا تھا اور اس طرح اپنی بربادی کی راہ خود ہی ہموار کی تھی)۔

۹۔طبری ۲: ۲۴۵۔۵: ۳۶۱ میں جو روایت ہے اس کے مطابق ابن زیاد نے ہانی سے کہا:

''اے ہانی! کیا تم نہیں جانتے کہ جب میرا باپ اس شہر کوفہ کا گورنر ہو کر آیا' تو اس نے حجر (بن عدی) اور تمھارے باپ (عروہ) کے سوا کسی شیعہ کو زندہ نہ چھوڑا۔حجر کا جو معاملہ ہوا اس کا تمھیں علم ہے۔بعد ازاں میرا باپ تمھارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا رہا''۔

marfat.com

ہانی نے اس کا جواب ''ہاں'' میں دیا۔ ابن زیاد نے پھر کہا: ''اس کا بدلہ تم نے مجھے یہ دیا کہ اپنے گھر میں مجھے قتل کرنے کی غرض سے آدمی چھپائے''۔ ہانی نے اس کے جواب میں کہا: ''میں نے ایسا نہیں کیا!'' اس موقع پر ابن زیاد نے جاسوس کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اسے دیکھ کر ہانی سمجھ گیا کہ اسی نے ابن زیاد سے مخبری کی ہے۔ سو اس نے کہا: ''اے امیر! تمہیں جو اطلاع ملی ہے، وہ درست ہے، مگر میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ تم اور تمہارے اہل وعیال امان میں ہیں، جہاں چاہو جاسکتے ہو۔'' یہ سن کر ابن زیاد کے مولیٰ (غلام) مہران نے جو اس کے پیچھے کھڑا تھا اور جس کے ہاتھ میں لوہا لگی لاٹھی تھی چلا کر کہا: ''کتنی بڑی رسوائی کی بات ہے کہ یہ جولاہا آپ کو آپ کے مقتدر ہوتے ہوئے پناہ دے رہا ہے!'' اس پر ابن زیاد نے اسے ہانی کو پکڑ لینے کا حکم دیا۔ مہران نے لاٹھی پھینک کر ہانی کی دونوں زلفیں پکڑ کر اس کے چہرے کو اوپر اٹھا دیا۔ اور ابن زیاد نے ''لوہے دار لاٹھی'' اٹھا کر ہانی کے چہرے پر ضرب لگانی شروع کر دی''۔ اس خبر کے جعلی ہونے کے لئے ابن زیاد کا یہ کہنا کہ اس کے باپ زیاد نے کوفہ کے تمام شیعوں کو قتل کروادیا تھا، کافی ہے۔ نیز رجوع کیجئے بہ طبری ۲: ۲۸۴۔ ۵: ۳۹۱۔

۱۰۔ طبری (۲: ۲۷۲۔ ۵: ۳۸۱) میں ہارون بن مسلم کی روایت جو بہت مستند ہے، یہ ہے کہ ان لوگوں میں بَبَّہ قرشی اور مختار ثقفی بھی تھے۔

۱۱۔ ان میں سے ایک اسماء بن خارجہ قیسی (فزاری) حضرت حسینؓ کا خسر اور حکومت کا حامی بھی تھا۔ اس کے متعلق کتاب الاغانی کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔ (یہ شخص ابن زیاد کا خسر تھا حضرت حسین کا نہیں)

۱۲۔ (۸ ذوالحجہ ۶۰ھ مطابق) ۹ ستمبر ۶۸۰ء بروایت ابومخنف در طبری (۲: ۲۷۱۔ ۵: ۳۸۰، اور طبری ۲: ۲۷۱ کی جو قرائت ہے اس سے مسعودی ج ۵: ص ۱۴۲۔ ۳: ۷۰ کی تصحیح ہوتی ہے۔ ونیز طبری ۲: ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۹)۔ ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ منگل کا دن تھا۔ لیکن ۸ ذوالحجہ ۶۰ھ کو منگل کا دن نہ تھا، بلکہ ۳ ذوالحجہ ۶۰ھ کو منگل تھا۔ اور یہی دینوری کے ہاں مذکور ہے (ص ۲۵۶، س ۱)۔

اس کے ساتھ ہی یوم الترویہ، کہ ۸ ذوالحجہ ہے، کہ سے (حضرت) حسینؓ کی صحیح تاریخ

marfat.com

روانگی ہے۔ اسی طرح محرم ۶۱ھ میں آنے والے دنوں کی تعداد جو بالکل درست ہے، مذکورہ دنوں کے ناموں سے متفق نہیں ہے۔ مسلم بن عقیل نے کوفہ میں ڈیڑھ سے دو ماہ کے قریب قیام کیا (یوں تاریخ کی صحت کے باوجود دنوں کے ناموں میں مختلف روایتیں ہیں)۔

۱۳۔ یہ اشارہ ہے آل علیؑ و آل زبیرؓ کے درمیان شدید دشمنی کی طرف، جس کی جڑیں قدیم تھیں۔

۱۴۔ حصین بن نمیر (سکونی، شامی) اور حصین بن تمیم میں اکثر التباس ہوا ہے۔ اس میں جدید مورخین ہی نہیں، بلکہ قدیم مورخین نے بھی دھوکہ کھایا ہے مثلاً دیکھئے طبری ۲: ۴۰۹۔ ۵: ۳۸۴: دینوری ص ۲۵۶۔

جزیرۃ العرب کی جانب سے کوفہ میں دخل ہونے کا راستہ قادسیہ پر آ کر بند ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ حیرت ہے کہ ابو مخنف اس نام کا ذکر نہیں کرتا (طبری ۲: ۵۴۶۔ ۵: ۵۸۹)۔

۱۶۔ طبری میں عمار دہنی کی روایت (۲: ۲۸۲۔ ۵: ۳۱۰) میں ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے مان لینے کا مشورہ دیا تھا، یعنی وہ جہاں سے آئے ہیں، وہاں واپس چلے جائیں، یا یزید کے پاس جانے دیا جائے یا پھر انہیں سرحدوں کی طرف جانے کی اجازت دے دی جائے۔ مگر ابو مخنف کی رائے میں (طبری ۲: ۳۱۴۔ ۵: ۴۱۳) یہ روایت درست نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ نے ان تین باتوں کی پیش کش کی تھی۔

۱۷۔ اس کے نسب کے لیے رجوع کیجئے بہ طبری ۱: ۳۳۰۵۔ ۵: ۲۸ و دینوری ص ۲۶۷)۔

۱۸۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ جمعرات کو پیش آیا مگر صحیح یہ ہے کہ یہ منگل کا دن تھا۔

۱۹۔ دہنی کی روایت (طبری ۲: ۲۸۱۔ ۵: ۳۸۹) میں ہے کہ انہوں نے بانسوں کے جنگل (بنسواڑی) اور خالی جگہ کو اپنی پشت پر رکھا، تاکہ ان سے صرف ایک رخ سے قتال کیا جا سکے۔

۲۰۔ یہ واقعہ جمعہ یا ہفتہ کو پیش آیا۔

۲۱۔ دہنی کی روایت در طبری (۲: ۲۸۱۔ ۵: ۳۸۸) اور حصین کی روایت در طبری (۲: ۲۸۶۔

marfat.com

۳۹۲:۵) میں اس سے بڑی تقریر کا ذکر ملتا ہے۔

۲۲۔ ابو مخنف (در طبری ۲: ۲۷۰، ۲۸۳۔۵: ۴۵۶، ۴۶۵) اور دہنی (در طبری ۲: ۲۸۲۔۵: ۳۸۹ وبعد) کی روایتوں میں ایسا ہی بیان ہوا ہے۔ حصین (در طبری ۲: ۲۸۶۔۵: ۳۹۲) کی روایت میں جو اس کے برخلاف مروی ہے، وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ اس نے اس فعل کو ابن زیاد کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس عہد میں یہ بات معمول بن گئی تھی کہ حکومت کے اہل کار اپنے ہاتھوں میں قضیب (چھڑی) یا معکزۃ (ڈنڈا) لیے رہتے تھے۔ اور یوں چھڑی یا ڈنڈا صرف علامتی نہ ہوتا تھا (طبری ۲: ۲۸۲۔ ۵: ۳۸۶، ۲: ۲۸۶۔ ۵: ۳۹۲، ۲: ۵۲۲۔۵: ۵۷۱)۔

۲۳۔ طبری ۲: ۲۲۷ وبعد ۵: ۳۴۶ والفہرست ص ۳۲۰۔

۲۴۔ طبری ۲: ۲۴۲۔۵: ۳۵۸، ۲: ۲۷۳۔۵: ۳۸۲، ان اسناد کا ان اسناد کے ساتھ جو ۲: ۲۴۲۔ ۵: ۳۵۹ میں وارد ہیں موازنہ ومقابلہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو روایت ۲: ۲۷۲۔۵: ۳۸۱ میں مذکور ہے وہ جملہ معترضہ اور ادھوری ہے۔

۲۵۔ الفہرست، صفحہ ۱۹۲۔ مگر ہارون بن مسلم جس کا ذکر طبری ۲: ۲۷۲۔۵: ۳۸۱ میں آیا ہے وہ اس کا مستحق ہے۔

۲۶۔ بروکلمان، تاریخ ادب عربی، ج ۱، ص ۶۵۔

۲۷۔ (جس شخص نے ان دونوں جوتوں کو دیکھا تھا وہ کہتا ہے ''میں یہ نہیں بھولا ہوں کہ وہ جوتا بایاں تھا'' (طبری ۲: ۳۵۸۔۵: ۴۴۷)۔

۲۸۔ مثلاً عقبہ بن سمعان راوی (جو حضرت حسینؓ کی زوجہ محترمہ رباب کا مولیٰ (غلام) تھا) اور بنو اسد کے دو آدمیوں میں سے ایک جو حضرت حسینؓ سے آکر مل گئے تھے۔ مگر آل علیؓ سے جو روایتیں ہیں وہ بہت کم اور غیر اہم ہیں۔

۲۹۔ مثلاً حمید بن مسلم ازدی راوی۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ راویوں کی غالب اکثریت کا تعلق کوفہ کے معززین (اشراف) سے نہ تھا اور وہ لوگ عام افراد تھے۔

۳۰۔ (شبث بن ربعی تمیمی نے) اپنی عوامی زندگی کا آغاز مدعیہ نبوت سجاح تمیمیہ کی ملازمت سے کیا۔ سجاح کی ناکامی کے بعد اس نے مجبوراً اسلام قبول کرلیا۔ (حضرت علیؓ)

marfat.com

کی حمایت میں (حضرت) عثمانؓ کے خلاف شورش میں شبث نے نہایت زور شور سے حصہ لیا۔ (صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑا، اس کے بعد خوارج کے بانیوں میں شامل ہوا اور بعد ازاں نہروان میں ان کے خلاف جنگ میں شریک ہوا۔ حضرت معاویہؓ نے کوفہ کے جن شیعہ لیڈروں کی نگرانی کا حکم دیا تھا ان میں شبث بھی تھا۔ یہ شخص جیسے ہی خطرہ محسوس کرتا اپنے موقف سے نہایت بے حیائی سے یوں علیحدہ ہو جاتا تھا جیسے کہ خمیر (چونے) سے بال نکل جاتا ہے۔

۳۱۔ زہیر بن قین اور عزرہ بن قیس کے مابین (مکالمہ) (طبری ۲:۳۱۸۔۵:۴۱۶)۔

۳۲۔ یہ بھی لوگ، تمام عرب قبائل پر آلِ رسول ﷺ کی بزرگی و برتری کا اعتراف کرتے تھے (طبری ۲:۳۳۱۔۵:۴۲۶،۲:۳۴۲۔۵:۴۳۵،۲:۳۵۰۔۵:۴۴۱ و بعد) لفظ ''جاہلی'' جس کے استعمال میں A.MULLER کو بڑی لذت محسوس ہوتی ہے، عہد اموی میں اس کا کوئی مطلب اور اس کی کوئی معنویت نہ تھی (دیکھیے طبری ۲:۵۵۶۔۵:۵۹۶) یہاں شیعہ اپنے مخالفوں کو ''اہل الدعوۃ'' کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

۳۳۔ A.MULLER 1:363، جنگ صفین میں شمر حضرت علیؓ کی حمایت اور حضرت معاویہؓ کے خلاف نہایت پامردی اور بڑی بہادری سے لڑا تھا (طبری ۱:۳۳۰۵۔۵:۲۸)۔

۳۴۔ حضرت حسینؓ کے لیے ''الہادی'' و ''المہدی'' کے القاب استعمال کئے گئے۔ (طبری ۲:۳۵۰۔۵:۴۴۱) مگر ''النفس الزکیہ'' کی تعبیر بہت بعد میں عام استعمال میں آئی۔ (طبری ۲:۳۱۹۔۵:۴۱۷) و نیز رجوع کیجئے الاغانی، ج ۷، ص ۷۔ (اس دوسری روایت میں حضرت حسینؓ کے لیے ''النفس الزکیہ'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، لیکن عباسیوں کے ابتدائی دور میں المنصور عباسی (۱۳۶۔۱۵۸ھ) کے مخالفین محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ اور ان کے بھائی ابرہیم بن عبداللہ کے لیے ''النفس الزکیہ'' اور ''النفس الرضیہ'' کے القاب استعمال کیے گئے اور ان دونوں بھائیوں کو ان القاب سے زیادہ شہرت ہوئی۔

marfat.com

''توابون''

کوفہ کے لوگ (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو نہایت المناک حادثہ کی طرف کھینچ کر لائے اور پھر انہیں اس کی آگ میں جلنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔ بعد میں اپنے اس کرتوت پر انہیں ان کا ضمیر ملامت کرنے لگا۔ ان لوگوں کو رضائے ربانی کے حصول اور اپنے جرم عظیم کے کفارہ کے بطور اپنے کو قربان کردینے کی ضرورت کا نہایت شدت سے احساس ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے کو ''توابون'' (توبہ کرنے والے) کے نام سے موسوم کیا۔ اور پہلے مرحلہ میں خود کو منظم کرنا شروع کیا۔ یوں (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک تنظیم وجود میں آ گئی۔ اور اس میں کوئی ایک سو کے قریب لوگ شامل ہوگئے، جن میں سے کسی کی عمر ساٹھ سال سے کم نہ تھی۔ ان لوگوں نے ایسا دینی ضمیر کے دباؤ کے تحت کیا اور اس میں کسی قسم کی ذاتی ہمدردی اور شخصی وابستگی کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ (حضرت) سلیمان بن صرد خزاعی (رضی اللہ عنہ) کو، جو شرف صحابیت رسول (ﷺ) سے مشرف تھے(۱)، اس گروہ کا سردار مقرر کیا گیا۔ وہ شیعوں کے سرکردہ افراد میں تھے اور ان لوگوں میں شامل تھے، جنہوں نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔ ان کے شریک کار چار اور صاحبان بھی تھے، جو فزارہ، اَزد، بکر اور بَجیلہ کے قبائل سے تعلق رکھتے تھے (۲)۔ (الطبری ۲:۴۹۷۔۵:۵۵۲۔ ان اشخاص کے نام یہ ہیں: مُسیّب بن نجبہ فزاری، عبداللہ بن سعد بن نُفَیل اَزدی، عبداللہ بن وال تَیمی اور رِفاعہ بن شدّاد بجلی)۔ یہ حضرات ہر جمعہ کو (حضرت) سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوتے تھے اور ہر بار ان کی زبان سے یہی ایک خطبہ سنتے تھے:

''بنو اسرائیل کے ان لوگوں کی طرح ہو جاؤ کہ جب ان سے ان کے نبی

marfat.com

(حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے کہا: تم لوگوں نے گؤ سالہ کی پرستش کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، سو اپنے خالق و مالک کے حضور توبہ کرو۔ اور اپنی جانیں قربان کردو۔ یہ بات تمہارے خالق و مالک کے روبرو تم لوگوں کے حق میں بہتر ہے۔ (القرآن، البقرہ، ۵۴) تو اے لوگو! ذرا بتاؤ کہ اس پر انہوں نے کیا کیا؟ اللہ کی قسم وہ سب گھٹنوں کے بل دو زانو بیٹھ گئے۔ اپنی گردنیں آگے بڑھا دیں۔ قضاء الٰہی پر یہ جان کر راضی ہو گئے کہ ان کے گناہ عظیم سے ان کو صرف اپنی جانوں کی قربانی دے کر ہی نجات مل سکتی ہے۔ ذرا بتاؤ کہ اگر تمہیں بھی اس امر کی جانب بلایا جائے جس کی طرف وہ لوگ بلائے گئے تھے، تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟ تلواروں پر ساں چڑھالو، نیزوں پر انیاں لگالو، دشمن کے خلاف جس قدر ممکن ہو قوت بہم پہنچالو، گھوڑے فراہم کرلو (القرآن، الانفال، ۶۰) تاکہ جب تم کو جہاد کے لیے پکارا جائے تو پوری تیاری کے ساتھ جنگ کی غرض سے نکل سکو"۔ (الطبری، ۲:۵۰۱،۵۰۰=۵:۵۵۵،۵۵۴)۔

یزید کی موت تک یہ تحریک خفیہ رہی۔ اس کے مرنے کے بعد یہ کھل کر سامنے آ گئی (وہ سیاسی انتشار کا نقطہ آغاز تھا جو ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک ۹ سال کے قریب رہا)۔ اسی زمانہ میں کوفہ والوں نے (عراق کے اموی گورنر) عبیداللہ بن زیاد کے خلاف بلوہ کیا۔ وہ بصرہ میں مقیم تھا اور اس کا نائب عمرو بن حریث مخزومی کوفہ میں تھا۔ چنانچہ کوفیوں نے اس نائب کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ اس بلوہ کے سرغنہ کوفہ کے معززین (اشراف) تھے۔ ان میں شیعہ شریک نہ تھے۔ ان معززین (اشراف) کا سردار یزید بن رُوَیم شیبانی تھا، جسے اس ہنگامہ آرائی کے باعث ایک نمایاں حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ کسی باقاعدہ سرکاری گورنر سے خالی ہونے کی اس درمیانی مدت میں کوفہ کا گورنر عمر بن سعد ہو گیا، مگر اسے جلدی ہی ہٹا دیا گیا اور ایک دوسرا قرشی اس کے جانشین کے بطور اس شہر کا خود ساختہ گورنر ہو گیا (اس کا نام تھا عامر بن مسعود بن خلف قرشی)۔

اس اثناء میں (حضرت) عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) اہل کوفہ کو اپنی حمایت میں ہموار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اشراف کوفہ (معززین) نے ان کی خلافت کی بیعت کرلی۔ اگرچہ وہ لوگ ان کے حامی اور طرفدار نہ تھے (الطبری، ۲:۵۳۱ _ ۵:

marfat.com

۵۷۸، ۵۷۷) اس بیعت کے بعد (حضرت) عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) نے عبداللہ بن یزید انصاری کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیج دیا۔ یہ روز جمعہ، ۲۲ رمضان ۶۴ھ مطابق ۱۳ مئی ۶۸۴ء کا واقعہ ہے۔ (الطبری، ۲:۵۰۹۔ ۵:۵۶۱، ۵۶۰)۔

گورنر کی اس تبدیلی سے شیعوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ ہر چند کہ یہ لوگ (حضرت) عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہما) کو، جو ان کے خیال میں (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی میراث (۳) پر قابض ہو گئے تھے، سخت ناپسند کرتے تھے۔ اسی سبب سے ان کی ہمتیں بڑھ گئیں اور وہ بہت جری ہو گئے۔ لوگوں کے درمیان خوب پھیل کر اپنی تحریک کو وسعت دینے لگے۔ عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں، یوں ان کا اثر و رسوخ نہایت تیزی سے بڑھنے لگا مگر اشراف (معززین) ان کی کسی حیثیت کا اعتراف کرنا نہ چاہتے تھے اور نہ انہیں کوئی اہمیت دینا پسند کرتے تھے (الطبری، ۲:۵۳۱۔ ۵:۵۷۸، ۵۷۷)۔ ان شیعوں کا اولین مقصد ان غداروں (اشراف) کو کوفہ سے نکال باہر کرنا اور خود سے، کہ وہی اس تحریک کے مرکزی ذمہ دار تھے، ہر خطرہ کو دور کرنا تھا۔ جو لوگ اس شیعی دعوت میں پیش پیش تھے، ان میں عبید اللہ بن عبداللہ مُری (۴) نہایت نمایاں ہو کر ابھرا۔ یہ شخص ایک ہی بات کو برابر دہراتا رہتا تھا، اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر ہو اور سننے والوں کو اس کا یقین آ جائے۔ وہ لوگوں کے مجمعوں میں بڑے جذباتی انداز میں کہتا:

"سب سے پہلے اسلام لانے والے مسلمان (علیؓ) کے بیٹے! رسولؐ رب العالمین کی صاحبزادی کے بیٹے! ان کے حمایتی گھٹ گئے، ان کے دشمن ان کے چاروں طرف بڑھ گئے، یوں ان کے دشمنوں نے انہیں قتل کر دیا اور ان کے دوست انہیں چھوڑ کر چل دیے۔ سو تباہی و بربادی ہو ان کے قاتل کے لیے، اور انہیں چھوڑ کر کھسک جانے والے کے لیے ملامت و نفرین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قاتل کے لیے کوئی حجت نہیں چھوڑی اور نہ ان کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانے والوں کے لیے کوئی عذر ہی باقی رکھا۔ مگر ہاں یہ کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں، قاتلوں سے جہاد کریں اور حق کے دشمنوں سے برسر پیکار ہوں۔ یوں اس بات کا امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے، ان کی لغزشوں سے در

marfat.com

گزرے۔ لوگو! ہم تمہیں اللہ کی کتاب، اس کے نبیؐ کی سنت اور ان کے اہل بیت کے خون کے انتقام کے مطالبہ کی دعوت دیتے ہیں اور حرام کو حلال کر لینے والوں اور دین سے نکل جانے والوں کے خلاف جہاد کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر ہم مارے گئے تو نیکو کاروں کے لیے اللہ کے ہاں اس سے بہتر بات اور کیا ہوگی؟ اور اگر ہم غالب آگئے تو ہم اس معاملہ یعنی ''خلافت'' کو اپنے نبیؐ کے اہل بیت کی جانب لوٹا دیں گے'' (۵)۔ (الطبری، ۲: ۵۰۸ـ۵:۵۵۹)۔

یوں شیعوں کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہونے لگا اور وہ سولہ ہزار (۱۶،۰۰۰) تک پہنچ گئی۔ اگرچہ یہ سبھی لوگ شیعوں کے گروہ کے ظاہری ارکان نہ تھے، لیکن انہوں نے دوستی اور حمایت کی قسمیں کھائی تھیں۔ اسی طرح انہوں نے مدائن اور بصرہ کے شیعوں سے خطوط لکھ کر روابط قائم کیے اور اس کی تکمیل سے ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مال کی فراہمی اور اسلحہ کی بہم رسانی سے بھی وہ لوگ غافل نہ رہے اور اس پہلو کی جانب سے انہوں نے کوئی غفلت نہ برتی۔

ان سبھوں کا ایک ہی نعرہ تھا ''الثار للحسینؑ'' (انتقام خونِ حسینؓ) ان لوگوں کے پیش نظر کوئی مستقل و متعین مقصد نہ تھا۔ بلکہ اپنی زندگیوں کو قربان کر دینے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اس بارے میں بھی ان لوگوں میں تردد و تذبذب تھا۔ بہر کیف ان لوگوں کے لیے قریب ترین ہدف یہ تھا کہ وہ کوفہ پر قبضہ کر کے وہاں سے معززین (اشراف) کو نکال باہر کریں۔ کیونکہ ''قتلِ حسینؓ'' کی بڑی ذمہ داری انہیں کے کاندھوں پر تھی، کہ انہوں نے حکومت (بنی امیہ) سے تعاون کیا تھا اور اس کی اطاعت اختیار کر لی تھی۔ اس وجہ سے یہ اشراف بہت ڈرے ہوئے تھے۔ شیعوں کی اکثریت کی یہی رائے تھی کہ معززین (اشراف) کو کوفہ سے نکال دینا بہت ضروری ہے۔ مگر (حضرت) سلیمان بن صرد خزاعی (رضی اللہ عنہ) کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ ان کا خیال تھا کہ دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان معززین (اشراف) کو جن کا شہر میں بہت اثر ہے، اپنا مخالف نہ بنایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے حقیقی دشمنوں اور ظالموں یعنی حکومت بنی امیہ اور خصوصاً عبیداللہ بن زیاد کی طرف اپنی قوم کا رخ موڑ دیا۔ (یہ عبیداللہ بن زیاد یزید کی موت کے

marfat.com

بعد بصرہ سے بھاگ کر) شام چلا گیا تھا۔ اور وہاں عراق پر (نئے اموی حکمران) مروان بن حکم کی عمل داری کے قیام کی غرض سے ۶۵ ھ میں ایک لشکر جرار تیار کرنے میں مصروف تھا۔ یہ تجویز کوفہ کے گورنر عبداللہ بن یزید انصاری کی حکمت عملی اور مساعی کے سبب منظور ہوئی۔ کیونکہ معززین (اشراف) نے اس سے اصرار کیا تھا کہ شیعوں پر یک بارگی ہلہ بول کر ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ مگر اس نے ان کی بات نہ مانی اور کہا: ''ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان اللہ ہے۔ اگر وہ ہم سے لڑیں گے تو ہم بھی ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر وہ ہمیں چھوڑ دیں گے تو ہم بھی ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے۔ ہمارے لیے یہی مناسب ہے کہ یہ لوگ شہر سے علی الاعلان باہر نکلیں اور ہر طرف پھیل جائیں۔ اور ''قاتلین حسینؓ'' کا رخ کریں۔ ابن زیاد ان لوگوں سے جنگ کی غرض سے آ رہا ہے۔ ہم (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے قاتلین کے خلاف ان کے حامی و پشت پناہ ہیں۔ یہ ابن زیاد (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کا قاتل ہے۔ وہ تمہارے نیکو کاروں اور اپنے ہم مرتبہ افراد کا بھی قاتل ہے۔ وہ ایک لشکر جرار کے ساتھ تمہاری سمت بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کو ''منبج'' کے پل (جسر منبج) سے ایک رات کی مسافت پر دیکھا گیا ہے۔ سو اس کے خلاف لڑنا اور جنگ کی تیاری کرنا، آپس میں لڑ کر اپنی طاقت کو ضائع کر دینے سے زیادہ مناسب اور درست ہے۔ تم لوگ آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو قتل کرو اور خون بہاؤ اور جب کل یہ دشمن تم پر چڑھ آئے تو تم کم زور ہو چکے ہو اور اس کے مقابلہ کے قابل نہ رہو۔ اللہ کی قسم تمہارے دشمنوں کی یہی دلی آرزو ہے''۔ (الطبری، ۲:۵۱۰۔۵:۶۶۲، ۶۶۱)۔

اس طور سے شیعوں کے لیے عبیداللہ بن زیاد کے خلاف فوجی تیاریاں اور جہاد کا انتظام کرنا آسان ہو گیا اور انہوں نے علانیہ ایسا کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ یکم ربیع الثانی ۶۵ ھ مطابق ۱۵ نومبر ۶۸۴ء کو کوفہ کے قریب ''نخیلہ'' کے لشکر گاہ میں اکٹھا ہونے کا انہوں نے فیصلہ کر لیا اور ''مدائن'' و ''بصرہ'' کے اپنے ہم خیال لوگوں کو بھی وہاں پہنچنے کی اطلاع کر دی۔ شیعوں کے اس یک طرفہ فیصلہ کی وجہ سے ان کے اور گورنر کے درمیان، اس کی اس تجویز پر کہ شیعہ، وہ خود اور کوفہ کے قبائلی سردار اہل شام کے خلاف متحدہ محاذ بنالیں اور سب مل کر متفقہ طور پر دشمن کا مقابلہ کریں، کوئی اتفاق نہ ہو سکا۔

marfat.com

ہر چند کہ سولہ ہزار (۱۶،۰۰۰) آدمیوں نے اس جہاد پر جانے کا عہد کیا تھا، مگر ان میں سے صرف چار ہزار (۴،۰۰۰) آدمی ''نخیلہ'' کے مقام پر اکٹھا ہو پائے۔ لیکن جنگ کے لیے یہ تعداد بھی کافی تھی۔ ان میں عرب کے بھی قبائل کے افراد شامل تھے اور بہت سے قُرّاء (قاری قرآن، حافظ قرآن، اہل تقویٰ) بھی تھے۔ مگر موالی (غیر عرب) میں سے کوئی شخص بھی نہ تھا۔ اگر چہ ان میں مالی اعتبار سے کمزور اور نادار اشخاص بھی تھے، لیکن وہ سب کے سب گھوڑوں پر سوار اور بہترین اسلحہ سے لیس تھے۔

(نخیلہ سے) وہ لوگ ۵ ربیع الثانی ۶۵ھ بروز جمعہ (مطابق شب ہفتہ(۶) ۱۹ نومبر ۶۸۴ء) کو ''کربلاء'' گئے۔ وہاں (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی قبر پر ایک شبانہ روز مقیم رہے۔ انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور رو رو کر اپنی جانیں قربان کرنے کا عہد کیا۔ اس قبر پر لوگوں کا جس قدر ہجوم تھا وہ مکہ میں حجر اسود کے گرد ہجوم سے کہیں زیادہ تھا(۷)۔ پھر ان لوگوں نے چل کر دریائے ''فرات'' کو پار کیا۔ پہلے 'مَصَاصہ'' پھر ''انبار'' کا راستہ اختیار کیا۔ وہاں سے 'صدود' (صندوداء) کا راستہ لیا۔ یہاں سے ''قرارہ'' اور ''ہیت'' گئے۔ یہ لوگ ''ہیت'' سے چل کر ''قرقیسیا'' پہونچے وہاں بنی قیس (قیسی قبائل) کا سردار زُفر بن حارث کلابی موجود تھا۔ زُفر بن بنی امیہ کے اقتدار کا مخالف اور ان سے برسر جنگ تھا۔ (اس نے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا) اور ان کی سہولت کی خاطر ''بازار'' لگوایا۔ جہاں انہوں نے خریداری کی۔ زُفر بن حارث نے انہیں عبیداللہ بن زیاد کی نقل وحرکت سے آگاہ کیا، جو اس وقت ''رَقّہ'' میں خیمہ زن تھا۔ اس نے ان (شیعوں، توابون) کو ان الفاظ میں نصیحت کی:

''میں ان لوگوں (عبیداللہ بن زیاد اور بالعموم بنی امیہ) کا دشمن ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں شکست و بربادی سے دوچار کرے۔ میں تم لوگوں کا دوست ہوں اور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سلامتی و عافیت سے تمہیں بہرہ مند کرے۔ دشمن ''رَقّہ'' سے چل پڑا ہے۔ اس لیے اس سے پہلے ''عین الوردۃ'' پہنچ کر اس پر قبضہ کرلو۔ شہر کو اپنی پشت پر رکھنا، اس کے دیہات (رستاق)، پانی اور چارہ پر قبضہ کرلینا، میرے شہر ''قرقیسیا'' اور تمہارے شہر ''عین الوردۃ'' کا سارا درمیانی علاقہ تمہارے لیے دارالامن ہے (۸)۔

marfat.com

(الطبری، ۲: ۵۵۴ـ۵: ۵۹۵)۔ توابون نے زُفربن حارث کے مشورہ پر عمل کیا اور ''عین الوردۃ'' پہنچ کر اس کے مغربی حصہ میں اتر کر، مورچہ بندی کی اور آرام کیا۔ شہر ان کی پشت پر ان کی پشت پناہ تھا۔ یہ لوگ یہاں پانچ روز تک مقیم رہے۔ اس کے بعد شام کی سپاہ کے پانچ دستوں میں سے دو دستوں کا ان سے مقابلہ ہوا۔ بدھ، ۲۲ جمادی الاولیٰ ۶۵ ھ (مطابق ۴ جنوری ۶۸۵ء) کو لڑائی کا آغاز ہو۔ اور جمعہ (یعنی تین دنوں) تک جاری رہی (۹)۔ شیعوں نے بڑی بہادری سے شیروں کی طرح قتال کیا۔ لیکن دشمن کی تیر اندازی سے انہیں سخت نقصان پہنچا اور انہیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان میں سے بہت تھوڑے آدمی زندہ بچ سکے۔ اس بات پر کہ وہ لوگ اپنا ہدف نہ حاصل کر سکے، ان کے ضمیر نے انہیں سرزنش اور ملامت کی۔ دورانِ فرار کسی نے ان کا تعاقب نہ کیا۔ راستہ میں ان کے ''بصرہ'' اور ''مدائن'' کے ساتھی، جو بروقت میدانِ جنگ میں نہ پہنچ سکے تھے، اُن سے ملے۔ اب مسلح جدوجہد کا وقت گزر چکا تھا، اس لیے انہوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ پھر وہ سب مل کر روئے اور واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

ان توابون کو انتقام سے زیادہ، اپنے گناہ کا احساس تھا اور اسی نے ان کو جنگ اور موت کی طرف ڈھکیل دیا تھا (اس وجہ سے انہوں نے نہ تو کوفہ کے گورنر کی حمایت کی پیش کش پر کوئی توجہ دی اور نہ روسائے قبائل کے عملی تعاون کو درخور اعتناء سمجھا۔ اسی طرح قرقیسیا کے قیسی سردار زُفربن حارث کلابی جیسے تجربہ کار کے فوجی تعاون کو نہ قبول کیا۔ حتیٰ کہ اپنے ''بصرہ'' اور ''مدائن'' کے ساتھیوں کی آمد تک کا انہوں نے انتظار نہ کیا۔ اگر ''توابون'' جوش کے مقابلہ میں ہوش سے کام لیتے تو ''جنگ عین الوردۃ'' تاریخ کی چند فیصلہ کن جنگوں میں سے ایک ہوتی اور بنو امیہ کے اقتدار کا سفینہ شام کے اس چشمہ آب (عین) میں غرق ہو جاتا اور تاریخ کو ۱۳۲ھ تک ''معرکہء زاب'' کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔ لیکن ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور تاریخ کے سفر کو مزید ۶۷ سال تک اموی خلافت کی آب و تاب اور درخشاں و نمایاں فتوحات کے ساتھ جاری رہنا تھا)۔

اگر ان شیعوں نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کی زندگی میں اس سرفروشی وجاں نثاری کا نصف بھی سرانجام دیا ہوتا، جس کا انہوں نے ان کی شہادت کے بعد مظاہرہ

marfat.com

کیا، تو شاید تاریخ کے دھارے کا رخ بدل جاتا اور حالات کچھ اور ہی ہوتے۔

''تو ابون'' کی خبروں کا راوی ابو مخنف ہی ہے۔ اس نے خاص کر حمید بن مسلم ازدی سے روایت کی ہے۔ یہ شخص (سیدنا) حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل میں شریک تھا، بعد میں وہ ان کے بہادر ترین حامیوں میں ہو گیا اور ابو مخنف کے نزدیک جو شاعر ان واقعات کا مشاہد ہے، وہ اعشیٰ ہمدان ہے (الطبری ۲:۲-۵۷۲-۵:۶۰۸)۔ یہاں خطبات نے بہت جگہ گھیر رکھی ہے، وہ گھڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اصل ہیں اور نقل ہو کر ہم تک پہنچے ہیں۔ ایک مقام پر ابو مخنف ذکر کرتا ہے کہ سلیمانؓ بن صرد کے ایک خطبہ کے ابتدائی الفاظ راوی کو یاد نہ رہے۔ دو مقامات پر وہ کہتا ہے کہ راوی نے شیعی داعی کے خطبہ کو بار بار سن کر زبانی یاد کر لیا تھا۔ اسی طرح ایک روایت کا متن ایک ایسے شخص کی یاد داشت سے منقول ہے جس نے اصل کو خلیفہ سلیمان کے عہد میں پڑھا تھا اور اسے محفوظ کر لیا تھا۔

marfat.com

حواشی۔ باب سوم

ا۔ مگر یہ بات کہ ان کا نام سلیمان'' تھا' اس کی دلیل ہے کہ وہ صحابی نہ تھے (ولہاؤزن کو یہاں شبہ ہوا ہے۔ حضرت سلیمانؓ بن صرد' صحابی تھے۔ ان کا نام ''یسار'' تھا۔ قبول اسلام کے بعد جناب رسول کریم ﷺ نے بدل کر ''سلیمان'' کردیا تھا۔ وہ کوفہ کی آبادی کے ساتھ ہی وہاں بس گئے تھے۔ نہایت متدین تھے' جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ جنگ راس العین / عین الوروہ میں ۹۳ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ ان سے متعدد روایتیں بھی مروی ہیں۔ دیکھئے اسد الغابہ لابن اثیر جزری جلد۲' ص ۳۵۱' مطبوعہ مصر ۱۲۸۵ء۔

۲۔ ان رؤساء قبائل میں کوئی حقیقی یمنی قبیلہ یعنی ہمدان' مذحج اور کندہ سے تعلق نہ رکھتا تھا۔

۳۔ شیعوں کے نزدیک خلافت آل علی کا موروثی حق ہے' یہاں ''میراث'' سے ''منصب خلافت وامامت'' مراد ہے۔

۴۔ یہیں سے شیعی داعیوں (داعی' دعاۃ) کی ایک نمایاں وممتاز حیثیت ہوگئی۔

۵۔ ولہاؤزن نے اس فقرہ کو مختصر کردیا تھا مگر متن کی علامت قائم کردی تھی۔ ہم نے مکمل فقرہ کا ترجمہ درج کیا ہے۔

۶۔ گزشتہ روز (یعنی جمعہ) کی شام سے اس روز (یعنی سنیچر) کا آغاز ہوتا ہے۔

۷۔ یوں شہداء کی تقدیس وتعظیم کا عقیدہ عربی الاصل ہے۔ اس کی کوئی فارسی وایرانی بنیاد نہیں معلوم ہوتی۔

۸۔ شام سے عراق کا بڑی رستہ منبج یا رقہ سے ہوتا ہوا دریائے فرات سے پار اتر کر راس العین (عین الوردۃ) سے گزر کر دجلہ سے مل جاتا ہے۔ (الطبری ۲:۵۵۴۔ ۵: ۲،۵۹۵: ۷۸۳۔ ۶: ۱۴۰) مگر دریائی راستہ انبار سے نہر ملکہ سے گزر کر مدائن تک ممتد ہے۔

marfat.com

۹۔ الطبری ۲:۵۷۶۔۵:۶۱۰، میں مذکور ہے کہ ''عین الوردۃ'' کا معرکہ ربیع الثانی میں پیش آیا۔ مختار ثقفی کی ایک گفتگو سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، دیکھئے الطبری ۲:۵۷۹۔۵: ۶۱۲۔ اس روایت کی رو سے یہ معرکہ دس دن سے زیادہ اور ایک ماہ سے کم وقت تک جاری رہا اور جناب سلیمان بن صرد خزاعی (رضی اللہ عنہ) کی شکست کے ساتھ ختم ہوا۔ لیکن وہ تاریخیں جنہیں ابو مخنف وقتِ نظر سے پیش کرتا ہے، ترجیح کی مستحق ہیں۔ کیونکہ شیعوں نے اپنے شہداء کے ایام کو بڑی احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔

(مولف کے پیش نظر تاریخ طبری کا لائیڈن ایڈیشن ہے جو اب کم یاب ہے، مترجم نے دارالمعارف، مصر کے ایڈیشن سے اس کی تطبیق کر دی ہے۔)

marfat.com

باب چہارم

''مختار ثقفی کی بغاوت''

''عین الوردہ'' کی جنگ میں (حضرت) سلیمان بن صرد خزاعی (رضی اللہ عنہ) اوران کی جماعت کا خاتمہ شیعوں کی داخلی تاریخ میں واضح وقطعی تبدیلی کا نقطہ آغاز تھا۔ اس تبدیلی کا کریڈٹ مختار بن ابی عبید ثقفی کو جاتا ہے۔ یہ شخص بھی (حضرت) مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہ) زیاد، عبید اللہ بن زیاد اور حجاج بن یوسف کی طرح (طائف کے قبیلہ) ''بنوثقیف'' سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اپنی حیثیت میں کسی طرح ان لوگوں سے کم بھی نہ تھا۔ اگرچہ وہ ان سبھوں کے مزاج اور فطرت کے بالکل برعکس ایک دوسرے مزاج وفطرت کا مالک تھا(۱)۔ وہ ایک معزز گھرانے کا فرد تھا۔ اس کے والد ابوعبید (بن مسعود ثقفی) نے (سیدنا عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ۱۳ھ) ایرانیوں کے خلاف (نخیلہ کے نزدیک) ''البویب'' کی جنگ میں (کہ جنگ جسر کہلاتی ہے) اسلامی لشکر کی قیادت کی تھی اور اسی افسوس ناک معرکہ میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ اس کی بہن (صفیہ) کی شادی (حضرت) عمر (فاروقؓ) کے صاحب زادہ (حضرت) عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے ہوئی تھی، جو (اسلامی معاشرہ میں) ایک ممتاز وقابل رشک حیثیت کے حامل تھے۔ اسی طرح اس نے (حضرت) نعمان بن بشیر انصاری (رضی اللہ عنہما) کی دختر (عمرۃ) سے شادی کی تھی۔ یہ نعمانؓ بھی ابن عمرؓ کی طرح اعلیٰ مقام کے مالک تھے۔ (مختار کا چچا سعد بن مسعود ثقفی حضرت علیؓ کی جانب سے ''مدائن'' کا گورنر تھا۔) مختار کی ''کوفہ'' میں حویلی تھی۔ اور اسی کے قریب (''خطرنیہ'' میں) اس کی جاگیر تھی۔ مگر اس کے ماضی پر گم نامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔(۲) (صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ''حجاز کے شہر طائف'' میں ہجرت نبوی ﷺ کے پہلے سال میں پیدا ہوا تھا (۵) وہ عوامی اسٹیج پر ساٹھ (۶۰) سال کی عمر سے پہلے نمودار نہ

marfat.com

ہو سکا۔ وہ ایک غیرت مند شیعہ تھا۔ جب (حضرت) معاویہؓ کی وفات کے بعد (کوفہ) میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوئی تو مختار "خطرنیہ" میں اپنی جاگیر سے اپنے موالی (غلاموں) کے ہمراہ کوفہ آ گیا۔ اس نے اپنے ہاں مسلم بن عقیل کو پناہ دی۔ اور اس سرگرمیوں میں شریک رہا۔ (۳) (اس جرم میں کوفہ کے گورنر عبیداللہ بن زیاد) نے اس کو پکڑوا کر چھڑی سے مار کر اس کی آنکھ زخمی کر دی اور قید کر دیا۔ اسے اپنے کچھ مخلص دوستوں کی سفارش سے (یزید بن معاویہ کے حکم پر) اس قید سے رہائی ملی' لیکن کوفہ سے بہر کیف اسے نکال باہر کیا گیا۔ (حضرت عبداللہ ابن عمر کے سفارشی خط پر وہ رہا ہوا تھا) (۴) چنانچہ مختار کوفہ سے حجاز چلا گیا۔ راستہ میں اس کی ملاقات (بنو ثقیف کے مولی) ابن العرق سے ہوئی۔ اس نے ابن العرق (۵) کو یہ بتایا کہ عبیداللہ بن زیاد نے کیسے چھڑی مار کر اس کی آنکھ کو سخت زخمی کر دیا اور کہا: "مجھ پر اللہ کی مار ہو اگر میں ابن زیاد کی انگلیوں' اس کے ہاتھ پاؤں کی نسوں اور اس کے ایک ایک عضو کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دوں .... اے ابن العرق! فتنہ کا بادل گرج چمک رہا ہے' ایسا لگتا ہے کہ وہ تیزی سے ظاہر ہو رہا ہے اور اس کی راہ ہموار ہو رہی ہے سو جب تم یہ دیکھنا اور سننا کہ کسی مقام پر اس کا ظہور ہوا ہے تو لوگوں سے کہہ دینا کہ مختار اپنے گروہ اہل اسلام کے ساتھ شہید مظلوم' مقتول "طف" (کربلاء) سردار مسلمین اور پسر سردار مسلمین حسین بن علیؓ کے خون کے انتقام کے لئے لڑ رہا ہے۔ تیرے رب کی قسم میں ان کے خون کے عوض اتنے لوگوں کو قتل کروں گا جتنے (حضرت) یحیٰ بن زکریا (علیہما السلام) کے انتقام میں قتل کئے گئے تھے"۔ (یہ سن کر ابن العرق نے مختار سے) کہا: "سبحان اللہ! پہلے حادثہ (تمہاری آنکھ کے مجروح ہونے اور جلاء وطن کئے جانے) کے باوجود (تمہاری یہ بڑک) ایک عجوبہ (تعجب خیز بات) ہے۔" یہ سن کر مختار بولا: "ہاں میں تم سے یہی کہہ رہا ہوں۔ میری اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنا' تم اس کا مصداق (عملی شکل اور اُسے عملی جامہ پہنتے ہوئے) جلد دیکھ لو گے۔" پھر اس نے اپنی سواری کے جانور کو ایڑ لگائی اور چلا گیا (الطبری ۲: ۵۲۴=۵: ۵۷۲) بعد میں مختار نے (حضرت) عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق اس سے دریافت کیا۔ اسے معلوم ہوا کہ انہوں نے ابھی تک اپنی بیعت کا علانیہ اظہار نہیں کیا ہے۔ مگر انہیں جیسے ہی اس امر کا یقین ہو جائے گا

marfat.com

کہ کافی طاقت حاصل ہوگئی ہے تو وہ ایسا ضرور کریں گے۔ یہ سن کر مختار (حضرت) ابن زبیرؓ کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ علی الاعلان لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت لیں۔ اور اس نے انہیں اپنی حمایت کی پیش کش کی۔ لیکن اس نے یہ بات اونچی آواز میں تمام لوگوں کے سامنے کہی' اس لئے (حضرت) ابن زبیرؓ نے اس پر دھیان نہ دیا اور اسے جانے دیا۔ کیونکہ وہ اس بات سے ناراض ہوگئے کہ مسجد میں اونچی آواز میں اس طرح کی بات سے راز فاش ہو جائے گا۔ ایسی بات صرف اس صورت میں کرنی چاہئے جب کہ تنہائی ہو پردے گرے ہوں اور دروازے بند کردیئے گئے ہوں (الطبری ۲:۵۲۷= ۵:۵۷۵)۔ چنانچہ مختار مسجد سے نکل کر چلا گیا۔ اسے مکہ میں کسی قسم کی حمایت حاصل نہ ہوسکی (۶) (وہاں سے وہ اپنے آبائی شہر ''طائف'' گیا وہاں بھی اس کی کوئی پذیرائی نہ ہوئی اور وہ پھر مکہ لوٹ آیا) وہ مکہ میں اچانک آیا اور مسجد (حرام) میں داخل ہوکر (حضرت) عبداللہ بن زبیرؓ سے ملا۔ اب وہ اہم و نمایاں شخص تھا۔ اس لئے ابن زبیرؓ نے اس سے اچھا سلوک کیا۔ (اور اس نے یزید کی افواج کے محاصرہ مکہ کے دوران میں ابن زبیرؓ کی حمایت میں بڑی مردانگی و پامردی سے شامی افواج سے لڑائی کی) اسی طرح اس نے ۶۴ھ کے اوائل میں ''یمامہ'' (عرب) کے ''خوارج'' کی صفوں میں شامل ہوکر شامی افواج سے شجاعانہ جنگ کی۔ لیکن اسے مکہ میں اپنے مقصد کے حصول میں کسی کامیابی کی امید نہ تھی اس لئے (یزید کی موت کے بعد) عبیداللہ بن زیاد کو ''کوفہ'' سے بھگا دینے کے بعد' اس کی نگاہیں ''کوفہ'' پر لگ گئیں۔ چنانچہ ''کوفہ'' سے جو شخص بھی آتا' اس سے وہ لوگوں کے حالات و واقعات کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ ابن زبیرؓ کے حامی و ہمدرد ہیں۔ مگر وہاں لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جسے اہل شہر کی حمایت بھی حاصل ہے (اور وہ ابن زبیرؓ کا ہم خیال و ہمدرد بھی نہیں ہے) اگر ان لوگوں کو ایسا شخص مل جائے جو انہیں ان کی رائے کے مطابق اکٹھا کر سکے' تو ایسا آدمی ان لوگوں سے مل کر ایک عرصہ تک اقتدار کی نعمت سے متمتع ہوسکتا ہے اور ''عراق'' پر اس کا قبضہ ہوسکتا ہے۔ یہ سن کر مختار (خوشی سے) چلایا: ''میں ابو اسحاق ہوں' اللہ کی قسم! میں ہی ان کا آدمی ہوں' میں ان کو ''حق'' پر جمع کروں گا' ان کی مدد سے ''باطل'' کے سواروں کو بھگا

marfat.com

دونگا' اوران کے ذریعہ سے ہر سرکش ظالم کو موت کے گھاٹ اُتار دونگا۔'' (الطبری ۲:۵۳۱=۵:۵۷۷۔۵۷۸)۔ اور جن لوگوں نے اسے لوگوں کے درمیان خانہ جنگی برپا کرنے اور روز قیامت کے عذاب سے ڈرایا' اس نے ان کی ذرا بھی پروانہ کی کیونکہ اپنی کامیابی کا اُسے یقین کامل تھا۔ چنانچہ یزید کی موت کے پانچ ماہ چند روز بعد (صحیح چھ ماہ بعد یعنی ۱۴ ربیع الاول تا ۱۳ رمضان) مختار (مکہ سے) کوفہ روانہ ہوا۔ (شہر کے قریب) ''بحر الحیرہ'' پر اترا۔ یہاں اس نے غسل کیا' تھوڑی سی خوشبو لگائی' عمدہ کپڑے پہنے' عمامہ باندھا اور تلوار گردن میں حمائل کی۔ پھر سوار ہو کر شہر میں داخل ہوا۔ پہلے ''بنو سکون'' کی مسجد اور ''جبانہ کندہ'' پہونچا۔ وہ جس مجلس سے بھی گزرتا' وہاں موجود لوگوں کو سلام کرتا اور کہتا: ''فتح ونصرت کی بشارت ہو' تمھیں جس شخص کی تلاش تھی وہ آ گیا۔'' (الطبری ۲:۵۳۲=۵:۵۷۸)۔ اسی طرح وہ ''کوفہ'' کی شاہراہوں اور مساجد میں پھر کر یہی بات دہراتا رہا: ''بشارت ہو' نصرت کی' سہولت وآرام کی اور کامیابی کی'' بنو کندہ کے دو آدمی اس کے ہمراہ تھے۔ یہ جمعہ ۱۵ رمضان ۶۴ھ (مطابق ۶ مئی ۶۸۴ء) کا دن تھا۔ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا تو اس نے جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی' بعد ازاں مسجد کے ایک ستون کے ساتھ علیحدہ بیٹھ کر جمعہ وعصر کے درمیان نمازیں (نوافل) پڑھتا رہا۔ نماز عصر جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔ مختار کی دلی خواہش تھی کہ اُسے تمام شیعوں کی ''لیڈری'' حاصل ہو جائے' مگر (حضرت) سلیمان بن صرد خزاعیؓ کی موجودگی میں اسے اپنی کچھ کامیابی کے باوجود یہ ''لیڈری'' نہیں مل سکتی تھی' لیکن اہل شام کے خلاف اس افسوس ناک حادثہ کے سبب جو (جناب) سلیمانؓ بن صرد خزاعی کو پیش آیا' مختار کو ان سے جلد ہی چھٹکارا مل گیا اور وہ شیعوں کا لیڈر بن گیا اور اس پر اس کا ضمیر مطمئن ہو گیا۔ کیونکہ وہ ان کی غلط روش سے لوگوں کو ڈراتا تھا اور اس کے انجام بد کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی۔ وہ اپنی تقریروں میں اس کی ناکامی کا بار بار ذکر بھی کرتا رہتا تھا۔ شیعوں کی قیادت سنبھالنے کے بعد اس نے معاملات کو مضبوط ہاتھوں میں لے لیا اور فیصلہ کیا کہ اپنی تحریک کا آغاز ''کوفہ'' پر قبضہ سے کرے۔ چنانچہ شیعوں کو اس بات پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ ان حالات میں شہر کے معززین (اشراف) کو خطرہ کا احساس ہوا اور انہوں نے

marfat.com

گورنر عبداللہ بن یزید انصاری کو اس خطرناک آدمی (یعنی مختار) کے خطرہ سے آگاہ کیا۔ چنانچہ مختار کو قید کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ''معرکہء عین الوردہ'' سے پہلے کا ہے (خیال ہے کہ مختار نے سلیمانؓ بن صرد خزاعی سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے انھیں غلط مشورے دے کر کوفہ سے روانہ کر دیا اور خود اس لئے گرفتار ہو گیا کہ ان کا ساتھ چھوڑنے کا اس پر الزام نہ لگ سکے)۔ اس معرکہ میں زندہ بچ جانے والوں کو مختار نے قید خانے سے لکھا: ''سلیمان واقعی حقیقی لیڈر نہ تھے' بلکہ حقیقی لیڈر میں اور صرف میں ہوں''۔ اس کے حامیوں نے اسے قید سے چھڑانے کی کوشش کرنی چاہی' لیکن اس نے ان لوگوں کو کہلا بھیجا کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ وہ جلد ہی قید خانے سے باہر نکل آئے گا۔'' صحیح بات یہ تھی کہ اس نے اپنی رہائی اپنے بہنوئی (برادر نسبتی) (حضرت) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کی بدولت حاصل کی اور وہ بھی اس شرط پر کہ اس نے (گورنر) عبداللہ بن یزید انصاری اور (اس کے معاون) ابراہیم بن محمد بن طلحہ تیمی قرشی کے سامنے یہ حلف اُٹھایا کہ وہ کوئی سازش نہیں کرے گا اور جب تک ان دونوں کی حکومت ہے وہ ان کے خلاف کسی بغاوت میں حصہ نہیں لے گا اور اگر وہ اس حلف کی خلاف ورزی کرے گا تو اسے خانہ کعبہ کے بڑے دروازہ پر ایک ہزار اونٹوں کی قربانی دینی ہوگی۔ اس کے سارے غلام اور تمام باندیاں آزاد متصور ہوں گی۔ اس رہائی کے بعد وہ اپنے گھر آیا۔ (الطبری ۲:۶۰۰=۶:۸) مختار جلد ہی اس حلف وقسم کا مذاق اڑانے لگا' کیوں کہ اس کا کفارہ ادا کرنا اس کے لیے آسان تھا۔ اوز وہ یوں کہ اقتدار کی کوشش سے دست بردار ہونے کے مقابلہ میں اپنی ساری املاک کو قربان کر دینا اس کے لئے زیادہ سہل وآسان تھا اور اس کے نزدیک حصول اقتدار کے لئے جدوجہدُ کو ہر چیز پر ترجیح حاصل تھی۔ لیکن مختار کو اپنے اس ''حلف'' کو توڑنے اور اس کے ''کفارہ'' کی ادائیگی کی ضرورت نہ پیش آئی۔ کیونکہ جمعرات ۲۴ رمضان ۶۵ھ (مطابق ۱۴ مئی ۶۸۵ء) کو (حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی جانب سے کوفہ میں) نیا گورنر آ گیا۔ یہ عبداللہ بن مطیع (عدوی) قرشی تھا' جو جناب ابن زبیرؓ کا زبردست حامی تھا (الاغانی' ۱۳:۱۶۸)۔ (چونکہ مختار کا حلف عبداللہ بن یزید اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ کی مخالفت نہ کرنے کے متعلق تھا۔ اس لئے ان کے اقتدار سے ہٹ جانے کے بعد وہ غیر موثر

marfat.com

ہو گیا اور اس کی پابندی نہ رہی)۔

اس نئے گورنر کے ذمہ یہ فرض عائد کیا گیا تھا کہ اپنے نرم پیش رو کے مقابلہ میں اہل کوفہ کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور انہیں لگام دے۔ چنانچہ اس نے پہلی فرصت میں مسجد کوفہ کے منبر سے اپنے جس سیاسی پروگرام کا اعلان کیا وہ یہ تھا: ''امیر المومنین' عبداللہ بن زبیرؓ نے مجھ کو تمھارے شہر اور سرحدوں کا حاکم بنا کر بھیجا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ محاصل وصول کروں اور فیٔ (ہر وہ مال جو مجاہدین کو کفار سے کسی قتال اور جدوجہد کے بغیر صلح سے حاصل ہو) کی رقوم کو تم میں تقسیم کروں اور جو رقم بچ رہے اسے تمھاری رضا مندی سے (مرکزی بیت المال میں) بھیج دوں۔ ایسا (حضرت) عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کی اس وصیت کے مطابق جو انھوں نے اپنی وفات کے وقت کی تھی اور (حضرت) عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے کروں گا۔ (یعنی فیٔ کے اموال کو تم میں تقسیم کروں گا اور جو بچ رہے گا اسے تمھاری مرضی سے سیرت فاروقیؓ وعثمانیؓ پر عمل کرتے ہوئے مکہ کے مرکزی بیت المال میں جمع کرادونگا)۔ سو اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور سیدھا راستہ اختیار کرو۔ اپنے بے وقوفوں (شرپسندوں) کو قابو میں رکھو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اپنے آپ کو ملامت کرنا مجھے ملامت نہ کرنا۔ (یعنی خلاف ورزی کی صورت میں میری سختی پر مجھے برا بھلا نہ کہنا' بلکہ خود اپنے ہی کو سرزنش کرنا) کیونکہ اللہ کی قسم! میں گناہ گار گم کردہ راہ سے سختی سے پیش آؤں گا اور غرور سے اپنے رخسار کو ٹیڑھا کرنے والے مشکوک کی ٹیڑھ کو سیدھا کردونگا۔'' (الطبری' ۲:۶۰۳=۶:۱۰)۔ لیکن اسی نئے گورنر (عبداللہ بن مطیع) نے یہ کہہ کر ان کی دکھتی رگ کو چھیڑ دیا اس لئے کہ کوفہ کے تمام لوگ اس بات پر راضی نہ تھے کہ فیٔ کا بچا ہوا مال مرکز کو بھیج دیا جائے۔ ان سب کی یہی خواہش تھی کہ اسے انہیں کے مابین تقسیم کردیا جائے۔ انھوں نے گورنر سے مطالبہ کیا کہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے اسوہ پر عمل کیا جائے' جن کے عہد میں ''کوفہ'' ملک کا دارالخلافت تھا۔ اور مرکزی بیت المال بھی وہیں تھا۔ سو یہاں کے فیٔ کا باقی ماندہ حصہ (مرکز کو نہ بھیجا جائے) اور انہیں میں تقسیم کردیا جائے۔ اس سلسلہ میں (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) یا کم از کم (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے وضع کردہ طریقے پر عمل نہ کیا جائے۔ چنانچہ

marfat.com

مسجد ہی میں ایک شیعہ (سائب بن مالک اشعری) نے کھڑے ہوکر گورنر پر اعتراض کیا۔ اس نے موقع کو غنیمت جان کر عہد علویؑ میں کوفہ کی عظمت کا ذکر کیا۔ اس سے گورنر کو سخت خفت ہوئی اور اس نے کہا: ''ہم ہر اس طریقے اور روش کو جسے تم لوگ پسند کروگے اور جو تمھاری مرضی کے مطابق ہوگی' اختیار کرینگے'' یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر گیا۔ (الطبری ۲: ۶۰۴ = ۶:۱۱)۔

اس واقعہ کے بعد شرطہ (پولیس) کا افسر اعلیٰ (ایاس بن مضارب) جو شہر کے حالات سے باخبر تھا' گورنر (عبداللہ بن مطیع) کے پاس آیا اسے حادثہ کے مضمرات سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ''جس شخص نے آپ پر اعتراض کیا ہے' وہ مختار کے طرفداروں کا سرغنہ ہے اور مجھے مختار کی جانب سے اطمینان نہیں ہے۔ آپ کسی کو بھیج کر اسے بلوائیں اور وہ جیسے ہی آپ کے پاس آئے' اسے گرفتار کرلیں' اور اس وقت تک قید رکھیں جب تک حالات معمول پر نہ آجائیں۔ کیونکہ مجھے میرے جاسوسوں نے یہ اطلاع دی ہے کہ مختار کے منصوبے مکمل ہوگئے ہیں اور وہ جلد ہی شہر میں بغاوت کرنے والا ہے'' (بحوالہ سابق)۔ (اس مشورہ کے مطابق گورنر عبداللہ بن مطیع نے دو آدمیوں کو مختار کو بلانے کے لئے اس کے گھر بھیجا) لیکن ان دو آدمیوں میں سے ایک مختار ہی کے شہر کا رہنے والا تھا (جس کا نام زائدہ بن قدامہ تھا) اس نے مختار کو (سورہ الانفال کی تیسویں آیت پڑھ کر) یہ اشارہ دے دیا کہ گورنر کے روبرو جاکر مختار کو کن بُرے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ مختار اس اشارہ کو سمجھ گیا اس نے گورنر کے ہاں جانے کی غرض سے جو کپڑے پہنے تھے' انہیں اتار دیا۔ اور ایک موٹی سی کھیس اوڑھ کر لیٹ گیا اور یہ بہانہ کیا کہ اسے بخار چڑھ گیا ہے اور سخت لرزہ طاری ہے۔ اس حالت میں اس کا گورنر کے ہاں جانا ممکن نہیں ہے۔ (اس کے بعد خطرہ کا احساس کرکے اس نے اپنے حامیوں کو اپنے گھر کے چاروں طرف اکٹھا کرلیا۔ حکومت کے خلاف خروج کی منصوبہ بندی کرنی شروع کی اور یہ فیصلہ کیا کہ) حکومت کے خلاف نئے سال کے آغاز (یعنی محرم ۶۶ ھ) پر ''کوفہ'' میں بغاوت کردی جائے۔ مگر اس نے جس سرعت کے ساتھ حالات کے مفید مطلب ہونے کا اندازہ لگایا تھا وہ درست ثابت نہ ہوا۔ (اور اس کے لئے اس قدر جلد خروج کرنا اُس لئے ممکن نہ ہوسکا

marfat.com

کہ ''کوفہ'' کے کچھ شیعوں کو اس کے بارے میں شبہ تھا کہ مختار امام (محمد بن حنفیہ) کا ''امین'' اور اجازت یافتہ'' ہے بھی یا نہیں۔ اس لئے ان کا مدینہ جا کر خود محمد بن حنفیہ سے اس بات کی تصدیق کرنا ضروری ہوگیا۔ اور اس طرح مختار کے ''خروج'' میں تاخیر ہو گئی)۔

''مدینہ'' میں (حضرت) علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے ایک بیٹے جن کا نام محمد تھا رہتے تھے۔ وہ (جناب) رسول (ﷺ) کی صاحب زادی (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے نہ تھے۔ بلکہ ان کی ماں بنو حنیفہ کی ایک عورت تھی۔ (۷) اسی لئے ان کو محمد بن الحنفیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مختار انھیں محمد ابن الحنفیہ کی امامت کی دعوت دیتا تھا۔ اور انہیں ''المہدی'' کہتا تھا۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ وہ ان محمد بن الحنفیہ کا ''امین'' اور وزیر'' ہے۔ (جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے) کچھ شیعوں کو مختار کے اس دعویٰ کی صحت پر شبہ تھا۔ چنانچہ وہ لوگ اس دعویٰ کی تصدیق کی غرض سے ''مدینہ'' گئے (اور ابن الحنفیہ سے اس کی تصدیق چاہی) انھوں نے کہا: ''تم لوگ جو بیان کر رہے ہو کہ ''کوئی'' تم کو ہمارے خون کے انتقام کی دعوت دے رہا ہے' تو اللہ کی قسم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ ہمارے دشمنوں کو مغلوب کرے اور ان سے ہمارے خون کا انتقام لے' خواہ ہمارے لئے یہ جدوجہد ''کوئی بھی شخص کرے۔'' (۸) (الطبری' ۲: ۶۰۷ =۶: ۱۳' ۱۴)۔ اس عام اور مجمل جواب پر وہ زود اعتقاد و ایمان لوگ مطمئن ہوگئے اور ان کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ چنانچہ وہ لوگ ایک ماہ بعد ''مدینہ'' سے کوفہ لوٹ کر آئے اور مختار کو ابن الحنفیہ کے جواب کی اطلاع دی۔ اس سے مختار کو ایک بوجھل فکر سے نجات مل گئی۔ اور اس نے فوراً شیعوں کا ایک اجتماع منعقد کیا۔ اس میں اس نے اپنے مخالفوں پر حملے کئے' بڑی جولانی کا مظاہرہ کیا اور جن لوگوں نے اس بارے میں شک وشبہ ظاہر کیا تھا کہ وہ ابن الحنفیہ کا نمائندہ ہے بھی' ان کا بڑی بے رحمی سے مذاق اڑایا۔

لیکن ابھی اس کے لئے یہ کام باقی تھا کہ وہ خود ''کوفہ'' میں رہنے والے ایک اور شخص کی حمایت حاصل کر لے' جس کے بغیر گورنر اور معززین (اشراف) کے خلاف شیعی سرداروں کے لئے کامیابی ممکن نہ تھی۔ یہ شخص ابراہیم بن اشتر تھا کہ ''بنو ہمدان'' کی شاخ

marfat.com

''قبیلہء نخع'' کی سیادت اس کو حاصل تھی ۔ وہ ایک ماہر' دوراندیش' صاحب سیاست و باعزم آدمی تھا۔ اس کے ساتھ ہی (حضرت) علیؑ کا اپنے باپ (مالک اشتر) کی طرح مخلص بھی تھا۔ ابن الحنفیہ سے اس کا یک گونہ رابطہ بھی تھا۔ لیکن اس عہد میں شیعیت نے جو صورت اختیار کر لی تھی' ابراہیم ویسا شیعہ نہ تھا۔ چنانچہ وہ (جناب) سلیمان بن صرد خزاعی کے ساتھ شامل نہ ہوا اور نہ مختار بن ابی عبید ہی سے کوئی سروکار رکھا۔ اور اسے اپنا ہم خیال بنالینے کی مختار کی کوششیں کامیاب نہ ہوئیں ۔ مگر بعد میں اس کے پاس خود ابن الحنفیہ کا خط آیا' جس میں اسے مختار بن ابی عبید سے تعاون کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس خط میں ابن الحنفیہ نے خود کو ''المہدی'' کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ یہ ایسی بات تھی جو ان کی جانب سے کبھی نہ کہی گئی تھی اور ابراہیم کے علم میں نہ تھی' اس لئے اس کو اس خط کی صحت پر شک وشبہ ہوا اور ایک طرح کا اس کے دل میں انقباض پیدا ہوا۔ لیکن جو لوگ یہ خط لے کر آئے تھے' انھوں نے اور خود مختار بن ابی عبید نے اس کی صحت پر اصرار کیا۔ مگر ان میں سے دو اشخاص یعنی واقعہ کے راوی' فقیہ و محدث کبیر عامر بن شراحیل الشعبی اور اس کے باپ شراحیل خاموش رہے' اس سے ابراہیم کی توجہ ان کی جانب مبذول ہوئی اور اس نے عامر کو لوگوں سے علیحدہ لے جا کر دریافت کیا کہ کیا وہ گواہوں کی ثقاہت پر' جنھوں نے اس خط کی صحت کی گواہی دی ہے' کوئی شک کرتا ہے؟ اس کے جواب میں عامر شعبی نے کہا: ''معاذ اللہ! یہ لوگ قاریان قرآن کے سردار اور شہر کے مشائخ (رو داروں اور بزرگوں میں) ہیں و نیز شہ سواران عرب میں شمار ہوتے ہیں ۔ میری رائے میں ایسے اشخاص صرف سچ بولتے اور حق بات ہی کہتے ہیں۔'' (الطبری ۲: ۶۱۲=۶: ۱۷) یہ سن کر ابراہیم بن اشتر نے عامر شعبی سے کہا کہ وہ گواہوں کے نام لکھے اور امر واقعہ کے بارے میں ایک محضر تیار کرے ۔ اس سے ابراہیم کو اطمینان ہو گیا اور خط کے مضمون پر عمل کرنے اور مختار کی حمایت کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ (۹) (ب)

اُس وقت سے ابراہیم بن اشتر ان اجتماعات میں جو مختار کے گھر میں مشورہ کی غرض سے شام کو ہوتے تھے' پابندی سے شریک ہونے لگا۔ بعد ازاں (مختار اور اس کے حامیوں میں) اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ جمعرات' ۱۴ ربیع الاول ۶۶ ھ کو عملی کاروائی

marfat.com

شروع کردی جائے۔ گورنر (عبداللہ بن مطیع) کو اس بات کا علم ہوگیا۔ مگر وقت مقررہ کا اسے بہر کیف' بخوبی علم نہ ہوسکا (صرف خروج کی خبر ہوگئی تھی) چنانچہ پیر (۱۱ ربیع الاول) کو "شرطہ" نے شہر کے میدانوں (جبانہ) اور "مسجد جامع" کے قریب بازار (سوق) کو چاروں طرف سے گھیر لیا یوں ان میں سپاہیوں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی۔ "شرطہ" کا افسر اعلیٰ ایاس بن مضارب تھا۔ اسی طرح "بنوتیم" کے لوگ شبث بن ربعی کی کمان "الجوابہ" کے بالمقابل سنجہ (صحرائی نرم اور شورزمین جو فرات کے کنارے سے کوفہ تک پھیلی ہے) میں جمع ہوگئے۔ گورنر نے ہر جبانہ" کے قریب آباد قبیلہ کی نگرانی کے لئے اس قبیلہ کے ایک آدمی کو اس ہدایت کے ساتھ مقرر کیا کہ وہ اپنے آدمیوں کی حرکات وسکنات کا ذمہ دار ہوگا۔ اور وہ یہ احتیاط رکھے گا کہ سامنے سے اس پر حملہ نہ کیا جاسکے اور جس سمت اس کو متعین کیا گیا ہے' اس پر اس کا حکم چلے گا اور اس کا استحکام' اس کی ذمہ داری ہوگا۔ (۱۰) (الطبری ۲: ۶۱۴=۶: ۱۸) (ادھر) منگل کی شام (۱۲ ربیع الاول) کو ابراہیم بن اشتر نخعی سو (۱۰۰) آدمیوں کے ہمراہ (جو صرف تلواروں سے اور وہ بھی ان کی زرہوں میں چھپی ہوئی تھیں) مسلح تھے' مختار بن ابی عبید کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے "شرطہ" سے بچ کر نکل جانے کے بجائے عمداً وہ راستہ اختیار کیا' جس سے ان سے اس کا تصادم یقینی تھا چنانچہ وہ بازار (سوق) والے راستہ سے گیا۔ "افسر شرطہ" ایاس بن مضارب سے اس کی مدبھیڑ ہوگئی۔ ابراہیم نے اسے قتل کرکے اس کا سر اپنے ساتھ لے لیا۔ اس طرح وقت مقررہ سے پہلے ہی بغاوت (خروج) کا سگنل (اشارہ) دے دیا گیا۔ ابراہیم نے افسر شرطہ کا سر اس لئے مختار کو دکھانا ضروری سمجھا تاکہ اسے معلوم ہوجائے کہ اب "خروج" میں تاخیر کرنا ممکن نہیں ہے۔ مگر اپنے حامیوں کو رات میں اطلاع دینی اور انہیں ان میدانوں (جبانہ) میں اکٹھا کرنا' جہاں پہلے ہی سے حکومت کے حامی' جمع تھے۔ نہایت مشکل ودشوار کام تھا۔ لیکن کسی واقعی قتال کے بغیر ہی یہ سارے امور انجام پاگئے۔ اور ابراہیم بن اشتر نے وہ سب کچھ جو اس کی طاقت میں تھا کر دکھایا۔ چنانچہ بدھ ۱۳ ربیع الاول (۶۶ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۶۸۵ء) کی صبح میں مختار نے اپنے پیروکاروں کو منظم کیا اور "دیرہند" کے عقب میں' جو "بستان زائدہ (زائدہ کا باغ) سے متصل تھا' پڑاؤ کیا۔ وہیں

marfat.com

اس نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ''نماز فجر'' ادا کی۔ اس جگہ کوئی ایسا ''امام صلوٰۃ'' نہ تھا جو اس جیسی خوبی سے وعظ کہہ سکتا۔ اس کے لشکر میں ''موالی'' (غیر عرب مسلمان' غلام و آزاد کردہ) کی تعداد بہت زیادہ تھی' جو سب کے سب اس کے مخلص و بہی خواہ تھے ''کوفہ'' کے گورنر نے بھی رات ہی کے وقت اپنے آدمیوں کو اکٹھا کرلیا' 'سبخہ' کی سمت شبث بن ربعی سر عسکر تھا اور اس کے ساتھ یزید بن رُویم (اس کے نائب کے طور پر) تھا۔ اس نے اس چھوٹے سے دستہ کو جسے مختار نے لڑنے کے لئے بھیجا تھا' شکست دے دی۔ بعد ازاں اس نے مختار کی جانب پیش قدمی کی۔ مگر شروع میں اس کے لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں ناکامی ہوئی اور لوگ پسپا ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر شبث بن ربعی طیش میں آ گیا اور یہ کہہ کر اپنے آدمیوں کو للکارا: ''اے برائی کے حامیوں' تم لوگ حقائق وصداقت کے کیسے برے سوار ہو' کیا اپنے غلاموں سے شکست کھا کر بھاگ رہے ہو؟''

(الطبری' ۲:۶۲۳ = ۶:۲۵) اس بات سے اس کے ساتھی بہت متاثر ہوئے' ان کے جذبہ شرف نے جوش مارا۔ اور ان ''موالی'' کے خلاف جو ان سے مختار کی صفوں میں شامل ہو کر لڑ رہے تھے' اُن میں اپنے دفاع وحفاظت کے جذبات بھڑک اٹھے۔ (ان لوگوں نے اپنی جاں سپاری سے جنگ کو ایک نیا رخ دیدیا اور مختار کے حامیوں کو گھیر لیا) چنانچہ جب کوئی ''مولیٰ'' ان کے حملوں کی زد میں آتا اور وہ پکڑ جاتا تو یہ لوگ اسے فوراً قتل کر دیتے تھے۔ (۱۱) لیکن اگر کوئی عرب دشمن ان کے ہتھے چڑھتا' اور گرفتار کرلیا جاتا (تو پوچھ گچھ کے بعد) اُسے چھوڑ دیتے تھے اور وہ وہاں سے بھاگ جاتا تھا۔ الغرض مختار کا لشکر جس کے رسالہ کا کماندار یزید بن انس اسدی تھا' دشمن کی برتری کے مقابلہ میں سخت خسارے میں تھا اور نقصان اٹھا رہا تھا۔ اگر ابراہیم بن اشتر نخعی اس کی مدد کو نہ پہنچتا تو اپنے دفاع میں مرجانے کے عزم کے باوجود مختار کو شکست فاش سے دوچار ہونا پڑتا۔ یہ شخص (یعنی ابراہیم بن اشتر نخعی) ''شہر'' (کوفہ) میں دشمن کے دستوں میں سے دو دستوں سے قتال میں مشغول تھا' اس نے ان دونوں کو شکست دے دی اور نہایت سرعت کے ساتھ مختار کی مدد کو پہنچ گیا۔ ابراہیم کے ''میدان جنگ'' میں پہنچتے ہی شبث بن ربعی کی سپاہ نے راہ فرار اختیار کی اور اپنے دشمن کے لئے میدان خالی چھوڑ گئی۔ لیکن یہ منہزمین ''شہر''

marfat.com

خصوصاً ''کناسہ'' میں دوبارہ اکٹھے ہونے لگے اور باقی دوسرے لوگ بھی آ آ کر ان میں شامل ہونے لگے۔ مگر ابراہیم نخعی نے' جو کچھ بھی کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا تھا' ان سبھوں کو منتشر کر دیا۔ اب معززین (اشراف کوفہ) اور گورنر عبداللہ بن مطیع نے بھاگ کر ''قصر امارت'' میں پناہ لی چنانچہ ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اس کامیابی سے شیعوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ تین دنوں کے بعد گورنر عبداللہ بن مطیع چپکے سے ''قصر امارت'' سے بھاگ کر روپوش ہو گیا۔ مگر معززین (اشراف) نے مختار کی اطاعت قبول کر لی اور اس کی بیعت کر لی۔ (مختار ''قصر امارت'' میں داخل ہو گیا)۔ اگلے دن کی صبح وہ ''قصر امارات'' سے وہاں رات گزارنے کے بعد باہر آیا۔ اس نے وہاں (موجود) معززین (اشراف کوفہ) اور دوسرے لوگوں سے بیعت لی۔ (اس کی بیعت کے الفاظ یہ تھے): ''تم لوگ میری بیعت کر رہے ہو: اللہ کی کتاب پر' اس کے نبی کی سنت پر' ''اہل بیت'' کے خون کے انتقام کے مطالبہ پر' حرام کو حلال کرنے والوں کے خلاف جہاد پر' کمزوروں (ضعفاء موالی) کی حمایت پر' جو ہم سے جنگ کرے گا اس کے خلاف قتال پر' جو ہم سے صلح کرے اس سے صلح پر اور ہماری بیعت کی حفاظت اور اس سے وفاداری پر۔ ہم نہ تم کو اپنی بیعت فسخ کرنے کی اجازت دیں گے اور نہ تم سے اسے فسخ کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ (الطبری' ۲:۶۳۳=۳۲:۶)۔

بعد ازاں مختار نے بیت المال کا جائزہ لیا۔ اس میں نو ملین (نوے لاکھ درہم) تھے۔ اس رقم کو اس نے اپنے لشکریوں میں یوں تقسیم کیا کہ وہ لوگ جنھوں نے اس کے ساتھ گورنر ابن مطیع کے ''قصر امارت'' میں محصور ہونے تک قتال کیا تھا' اور انہیں نے جنگ کی شدت و سختی برداشت کی تھی اور ان لوگوں کی تعداد تین ہزار آٹھ سو (۳٬۸۰۰) تھی' ان میں سے ہر شخص کو پانچ پانچ سو درم عطاء کیے۔ اس کے وہ ساتھی' جو چھ ہزار (۶۰۰۰) تھے اور ''قصر امارت'' کے محاصرہ کے بعد اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے' اور شب وغاد بعد کے تین دنوں تک اس کے ساتھ رہے تھے' ان کو دو دو سو درم فی کس بطور انعام دیئے۔

اس طرح بہت زیادہ خوں ریزی کے بغیر ''کوفہ'' پر مختار کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے یہ کوشش شروع کی کہ انصاف' رحم دلی' طمانیت قلب اور مختلف گروہوں میں مصالحت پیدا

marfat.com

کی جائے۔ اس مقصد کے حصول کی غرض سے اس نے ''منصب قضاء'' کی ذمہ داریاں خود سنبھالیں اور اس فریضہ کو بڑی مہارت وجرات سے انجام دیا۔ لیکن (دوسری مصروفیات کے سبب سے) جلد ہی اس کی انجام دہی اس کے بس کی بات نہ رہی' چنانچہ اس نے متعدد ''قاضی'' مقرر کیے۔ (۱۲) (ج) اسی طرح (سابق گورنر) عبداللہ بن مطیع عدوی قرشی کو سلامتی کے ساتھ ''کوفہ'' سے چلے جانے دیا اور اخراجات سفر کے طور پر اس کو بھاری رقم بھی دی۔

اگر چہ مختار کی ''دعوت'' ''خون حسینؓ'' کے انتقام کے مطالبہ پر قائم ہوئی تھی' مگر اس نے اپنے حامیوں کو قتل وظلم کے ارتکاب سے روک دیا (اور وہ لوگ اس مرحلہ پر صرف چند آدمیوں ہی کو قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے) (۱۳) اس نے اپنے اس دشمن کو جس نے اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا' معاف کر دیا۔ اس درگزر کا اسے یہ صلہ ملا کہ اس کے دشمن نے شکریہ کے طور پر اس کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ اور اس نے معززین (اشراف کوفہ) کو ''امان'' دینے کا جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کیا' بلکہ اس نے یہ بھی چاہا کہ اشراف جس طرح سابق گورنروں کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور انہیں مشورے دیتے تھے' اسی طرح اس کے شریک مجلس ہوں اور اپنے مشوروں سے اس کی بھی مدد کریں' جو لوگ ''کوفہ'' کے حقیقی بہی خواہ تھے انہیں یہ جان کر مسرت ہوئی کہ مختار ایک مرتبہ پھر اس شہر کو اسلامی خلافت کا مرکز بنانے کی فکر میں ہے۔ اس نے عرب جنگی سورماؤں کے اعلیٰ طبقہ سے فوجی قائدوں اور سرکاری اہل کاروں کو مقرر کیا۔ لیکن اس کے باوجود ''مستضعفین'' کی اصلاح احوال اور ان پر عنایت' اس کے ''پروگرام'' کا اہم نقطہ تھا۔ اس سادہ لفظ سے جو مذہبی اور روحانی زبان میں بکثرت استعمال ہوتا ہے' مختار کا مقصد غیر عرب مسلمانوں یعنی ''موالی'' سے تھا۔ ''کوفہ'' کی نصف سے زیادہ آبادی انہیں ''موالی'' پر مشتمل تھی۔ ان کے پاس دست کاری' محنت مزدوری اور تجارت کے پیشے تھے۔ اور عربوں نے جو (حکومت کی جانب سے) جنگ وقتال میں مصروف رہتے تھے' ان موالی کے لئے ''شہری زندگی'' کے یہ منفعت بخش کام چھوڑ دیئے تھے۔ (۱۴) اپنی اصل اور زبان کے لحاظ سے ان لوگوں کی اکثریت فارسی نژاد'' تھی۔ (د) یہ لوگ ''جنگی قیدی'' بنا کر

marfat.com

''کوفہ'' لائے گئے تھے اور وہاں انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ بعد میں ان کے آقاؤں نے انہیں آزاد کردیا اور یہ لوگ اپنے آقاؤں کے عربی قبائل سے ''موالی'' کی حیثیت سے منسوب ہوگئے۔ (ان قبائل میں) ان کا مقام ''ہجین'' (یعنی غلام زادوں) کا تھا۔ یوں یہ لوگ اپنے آقاؤں کی ''ولاء'' (دوستی) اور حمایت کے محتاج رہے' ہر چند کہ انہیں دوبارہ غلام نہ بنایا گیا' (مگر اپنے سابق آقاؤں کے ساتھ ہی انہیں نتھی کردیا گیا) اپنے آقاؤں کے قبیلے کی خدمت گزاری ان پر لازم تھی۔ وہ صلح و جنگ میں انہیں کے حاشیہ بردار ہوتے تھے۔ ان کے عرب سابق آقاؤں نے انہیں جس قدر حقوق عطاء کیے تھے' اسلام ان سے کہیں زیادہ حقوق و مراعات انہیں دیتا تھا (اس لئے وہ اسلام کے عطاء کردہ حقوق کی بحالی کے خواہش مند تھے) اب انہیں نئے سرے سے یہ امید ہوئی کہ انہیں ''ولاء'' سے نجات مل جائے گی اور اسلامی حکومت کے معاملات میں مکمل شراکت اور برابری کا موقع ملے گا۔ مختار نے ان میں اس امید کو بیدار کیا۔ اور انہیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ یوں اس کے مخصوص و مخلص ''موالی'' کی تعداد میں کافی اضافہ ہوگیا۔ انہیں پر اسے بڑا اعتماد تھا اور یہی لوگ اس سے نہایت قریب تھے۔ (۱۵) انہیں ''موالی'' میں سے اس نے اپنا ''حرس'' (باڈی گارڈ' ذاتی محافظ) منتخب کیا اور ان کی قیادت بھی ایک ''مولی'' ہی کو دی۔ لیکن ابتداء میں اس نے اہم مراکز پر صرف عربوں کو مقرر کیا کیونکہ یہی عرب شیعوں کے لشکر کا غالب حصہ تھے۔ اور یہ ''سوار'' تھے جبکہ ''موالی'' قریب قریب سبھی پیادہ تھے۔ یہ معمول تھا کہ ''موالی'' تلوار نہ باندھتے تھے' بلکہ ان کا واحد ہتھیار ''لکڑی کے ڈنڈے'' ہوتے تھے۔ (۱۶) (ہ) (بعد میں ان ڈنڈوں کو ''کافر کوب'' کہا گیا) پہلی بغاوت کے وقت (مختار کے ساتھی) موالی کی تعداد پانچ سو سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے بعد بڑی تیزی سے ان میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ لیکن وہ عرب جو ''اشراف'' سے تھے اور مختار کی مخالفت کررہے تھے' ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ ساری صورت حال کا یہ نقشہ پیش کریں جیسے وہ اپنے غلاموں سے برسر جنگ ہوں' جو اپنی آزادی پر قناعت نہ کرکے یہ چاہتے ہوں کہ خراج اور حکومت کے رواں عطایا و وظائف پر قبضہ کے لئے اپنے ہاتھ بڑھائیں اور ان پر قبضہ کرلیں۔ (۱۷) اس ترکیب سے انھوں (اشراف) نے عربوں کے دلوں میں یہ خوف

marfat.com

پیدا کردیا کہ وہ ''موالی'' سے اپنے مصالح ومفاد کے لئے نہ کہ اپنے سرداروں کے لئے جنگ کریں۔ (اس پروپیگنڈے کا یہ اثر ہوا کہ) نفرت نے عربوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اسی وقت سے شیعوں کی ''تحریک جدید'' کی یہ امتیازی علامت بن گئی۔ ابتداء میں یہ بات کبھی بھی واضح ونمایاں نہ تھی (یعنی اشراف نے عربوں میں یہ غلط فہمی پیدا کی کہ مختار کی تحریک شیعوں کی تحریک نہیں ہے' بلکہ موالی کی تحریک ہے جو عربوں سے ان کے ذرائع معیشت چھین لینا چاہتے ہیں اور یہ کہ شیعوں کی تحریک عربوں کے خلاف اور ''موالی'' کے مفاد میں ہے) (اشراف' معززین نے) عربوں اور ''موالی'' کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکانے اور ان میں نفرت پختہ کرنے کی غرض سے دیواروں پر ''شیطان'' کی تصویریں بنانی شروع کیں۔ (جیسے ''موالی'' ''شیطان'' ہوں)۔ مختار اس ''تنگ نائے'' کو عبور نہ کرسکا (یعنی اشراف نے اپنے تحفظ کی غرض سے عربوں اور ''موالی'' کے مابین جو آتش عناد بھڑکائی تھی' مختار اسے بجھانے میں کامیاب نہ ہوسکا)۔ اور یوں گروہ عرب کی حمایت اور تائید حاصل کرنے میں وہ ناکام ہوگیا۔ اسے اس بات کا سخت خطرہ تھا کہ کہیں ''موالی'' میں بے چینی نہ پھیل جائے۔ اس نے ان لوگوں کو ''قاتلین حسینؓ'' سے کہ ''اشراف کوفہ تھے' انتقام لینے سے روک دیا تھا۔ مختار کی ''اشراف'' (معززین) کو راضی کرنے اور دونوں فریقوں کو مطمئن کرنے کی حکمت عملی سے ''موالی'' ایک طرح کی تنگ دلی محسوس کرنے لگے تھے۔ چنانچہ اس کے ''حرس'' (باڈی گارڈ) کے دستے کا قائد ابوعمرہ کیسان' کہ بنوعرینہ'' کا مولی (آزاد کردہ غلام) تھا' اس قسم کی خبریں لے کر آیا۔ اب مختار کے لئے ضروری ہوگیا کہ ان موالی کو مطمئن کرے۔ اس نے ان لوگوں (موالی) سے ایسی مشکل اور لچھے دار گفتگو کی جس سے وہ اپنے حسب دل خواہ مطلب نکال سکتے تھے اور وہ انہیں مطمئن کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ (یعنی مختار نے ذومعنی اور غیر واضح بات چیت کرکے ''موالی'' کو طفل تسلیوں سے مطمئن کردیا)۔ مگر یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مختار اسلام کی کوٹھالی'' (وہ مٹی کا برتن جس میں سنار سونے اور چاندی کو آگ پر دم دے کر ایک کردیتے ہیں۔ فارسی میں اسے ''بوتہ'' کہتے ہیں اور اس کا معرب ''بوتقہ'' ہے۔ اردو/ ہندی میں اسے کوٹھالی/ کٹھالی کہتے ہیں) میں ''عربوں'' اور ''موالی'' کو مدغم اور خلط ملط

marfat.com

کرنے کی غرض سے موافقت اور مصالحت کی اس روش میں' جو اس نے اختیار کر رکھی تھی' خلوص کے ساتھ کوشاں نہ تھا۔ اس نے اس روش و حکمت عملی کو اپنی مرضی اور خوشی سے ترک نہ کیا۔ بلکہ حالات کے جبر نے اس سے کنارہ کشی پر مجبور کیا۔ اس لیے اس نے اپنی حمایت و تائید کی غرض سے ایسے لوگوں پر مشتمل' جو اس کے لئے قابل اعتماد تھے اور جو کامیابی کے بعد فوج در فوج اس کے ساتھ آ کر مل گئے تھے' ایک ''سرکاری پارٹی'' (حزب حکومی) کو مرتب و منظم کیا۔ (ظاہر تھا کہ اس ''سرکاری پارٹی'' کی غالب اکثریت ''موالی'' سے تعلق رکھتی تھی اور یوں ''عرب'' خصوصاً ''اشراف'' اس سے دور ہو گئے)۔

خارجی وقائع نے ابتداء میں مختار کے ''مرکز'' کو تقویت پہونچائی (یعنی اسے ''کوفہ'' کے باہر کامیابیاں نصیب ہوئیں)۔ چنانچہ اس نے ''کوفہ'' کے ماتحت علاقوں میں جو ''عمال'' (افسران) بھیجے' انہیں کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ صرف ایک سرکش مگر پاکباز شخص نے اس کی مخالفت کی۔ اس کا نام عبیداللہ بن حُر جعفی تھا۔ یہ ''مدائن'' اور سرزمین ''جوخیٰ'' (ارض جوخیٰ) میں قلعہ بند ہو گیا اور مختار کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن دوسری جانب ''بصرہ'' کے شیعوں نے اس کی مدد کے لئے جو تحریک چلائی تھی' وہ ناکام ہو گئی۔ (۱۸)

ان معرکہ آرائیوں کے برخلاف جو مختار نے (حضرت) عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت کے خلاف عراق میں کی تھیں (اور کوفہ کے گورنر عبداللہ بن مطیع کو نکال باہر کیا تھا) اور اس کے بعد جو نیا گورنر خارج البلد کئے ہوئے گورنر ابن مطیع کے بجائے مقرر کیا گیا 'اسے اسلحہ کے زور پر ''کوفہ'' میں داخل ہونے سے روک دیا تھا' مختار کا یہ خیال تھا کہ اس کے اور ابن زبیرؓ کے مابین جو واضح دشمنی اور عداوت ہے' وہ اسے ختم کر سکتا ہے۔ اس مقصد سے مختار نے ابن زبیرؓ کو یہ پیش کش کی کہ وہ دونوں (مختار و ابن زبیرؓ) مشترکہ دشمن یعنی اہل شام کے خلاف آپس میں تعاون کریں۔ ان ''شامیوں'' نے ۶۶ ھ میں ''جزیرۃ العرب'' پر دھاوا بول دیا تھا اور (حجاز کے شہر) ''وادی القریٰ'' تک پہونچ گئے تھے۔ (حضرت) عبداللہ بن زبیرؓ نے مختار کی اس پیش کش کو قبول کیا۔ چنانچہ مختار نے شُرحبیل بن ورس ہمدانی کی کمان میں تین ہزار (۳،۰۰۰) سپاہ پر مشتمل لشکر' کہ سب کے سب ''موالی''

marfat.com

تھے مدینہ روانہ کر دیا۔ اس کی ذمہ داری تھی کہ ابن زبیرؓ کے اس لشکر کے ساتھ مل کر کام کرے جو دو ہزار (۲،۰۰۰) فوجیوں پر مشتمل تھا اور ''مکہ'' سے افواج ''شام'' سے جنگ کے لئے عیاش بن سہل انصاری کی قیادت میں بھیجا گیا تھا۔ (۱۹) لیکن عیاش نے اپنے ان پر جوش حلیفوں سے کہ سارے کے سارے ''موالی'' تھے' دھوکہ اور فریب کیا اور نہایت بزدلی سے انہیں قتل کروا کے ان سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ اس میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ عیاش نے یہ مذموم فعل اپنے آقا (ابن زبیرؓ) کے واضح وصریح حکم پر کیا۔ یہ ابن زبیر سنگ دلی اور فریب دہی میں اپنی مثال آپ تھے۔ (یہاں ولہاؤزن نے واقعات کی صحیح تصویر نہیں پیش کی ہے۔ اس کے بیان سے مختار ایک پر خلوص انسان نظر پڑتا ہے' جبکہ ابن زبیرؓ مکر وفریب کی تصویر دکھائی دیتے ہیں' حالانکہ امر واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم طبری ہی سے کہ وہی ولہاؤزن کا بھی ماخذ ہے' اصل صورت حال کو ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ مختار کو یہ اطلاع ملی کہ ایک شامی لشکر حجاز میں داخل ہو کر حجاز وشام کے سرحدی شہر ''وادی القریٰ'' پر قابض ہو گیا ہے اور ''مدینہ'' اس کی زد پر ہے۔ ابن زبیرؓ کا مرکز ''مکہ'' میں تھا اور ''مدینہ'' میں ان کی فوجیں نہ تھیں۔ اس لئے مختار نے یہ پیش کش کی کہ وہ ''مدینہ'' کے دفاع کے لئے ''کوفہ'' سے فوجیں بھیجنا چاہتا ہے۔ اس کے جواب میں ابن زبیرؓ نے اسے لکھا کہ وہ یہ افواج اس شرط پر بھیج سکتا ہے' کہ وہ اس کی مطیع فرمان ہوں، ان کی بیعت کریں اور ان کے حکم پر عمل کریں۔ اس جواب کے بعد مختار نے شرحبیل بن ورس ہمدانی کی سرکردگی میں تین ہزار (۳،۰۰۰) سپاہ کو ''مدینہ'' روانہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ سبھی ''موالی'' نہ تھے' بلکہ ان میں سات سو (۷۰۰) عرب بھی تھے۔ مختار نے شرحبیل کو یہ ہدایت کہ وہ ایک نیا ''قائد'' کوفہ سے مدینہ بھیج دے گا' جو شہر کا انتظام سنبھال لے گا اور اس کے بعد شرحبیل بن ورس ہمدانی اپنی سپاہ کے ہمراہ مکہ جا کر ابن زبیر کا ''مکہ'' میں محاصرہ کر کے ان سے جنگ شروع کر دے گا۔ مختار کی اس چال کی بھنک ابن زبیرؓ کو لگی تو انہوں نے بڑی عجلت میں عیاش (یا عباس) بن سہل انصاری کی کمان میں دو ہزار (۲،۰۰۰) افواج ''مدینہ'' روانہ کر دیں اور یہ ہدایت دی کہ اگر مختار کی نیت میں فتور نظر آئے تو ''مدینہ'' کے دفاع کے لئے ضروری تدبیر کرے۔ ''مکہ'' سے مدینہ کا فاصلہ ''کوفہ''

marfat.com

سے مدینہ کے مقابلے میں بہت کم تھا اس لئے عیاش مختار کی افواج سے پہلے ''مدینہ'' پہونچ گیا۔ جب مختار کی فوجیں ''مدینہ'' کے قریب پہونچیں تو انہیں ابن زبیرؓ کی فوجوں کی شہر میں موجودگی کا پتا چل گیا۔ چنانچہ وہ ''الرقیم'' کے مقام پر خیمہ زن ہو گئیں۔ عیاش اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ''الرقیم'' آیا اور شرحبیل سے ''وادی الرقیم'' میں سپاہ شام کے خلاف صف آرا ہونے کا مطالبہ کیا۔ اس نے ایسا کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ مختار کے احکام کا پابند ہے اور ابن زبیرؓ کے احکام کی بجا آوری کا اسے کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اسے ''مدینہ' میں قیام کا حکم دیا گیا ہے اور یہاں سے کہیں اور نہیں جائے گا۔ اس صورت حال میں عیاش کے لئے دو ہی راستے تھے' یا تو اگلے روز کھلے میدان میں کوفہ کی افواج سے نبرد آزما ہوتا' یا پھر اپنے دشمنوں پر غفلت کی حالت میں حملہ کر کے' انہیں منتشر کر دیتا۔ عیاش نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور مقابلہ میں مختار کے سپاہی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ کوفہ کی جانب چل پڑے جب یہ لوگ ''کوفہ'' پہونچے تو مختار نے مسجد جامع کے منبر پر یہ خطبہ دیا: ''مجھے اطلاع ملی ہے کہ بدکاروں (فجار) اور شرپسندوں (اشرار) نے نیکوکاروں (ابرار) اور خیر پسندوں (اخیار) کو قتل کر دیا ہے بہرکیف یہی قضاء الٰہی تھی'' اس کے بعد اس نے محمد بن حنفیہ کو اس مضمون کا مکتوب تحریر کیا: ''میں نے آپ کے ہاں ایک فوج اس لئے بھیجی تھی کہ وہ آپ کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کرے اور آپ کے لئے شہروں کو حاصل کرے۔ لیکن وہ فوج وہاں پہونچی تو ملحد (ابن زبیرؓ) کے لشکریوں نے اسے دھوکہ سے مار ڈالا۔ اگر آپ کی مرضی ہو اور آپ اپنے قاصد کے ہاتھ ''مدینہ'' افواج بھیجنے کا مراسلہ تحریر کریں تو آل زبیرؓ سے کہ ملحد ظالم ہیں۔ جنگ کی غرض سے ایک لشکر جرار روانہ کر دوں۔'' اس کے جواب میں ابن الحنفیہ نے' کہ انہیں بھی مختار کی نیت کا بخوبی علم تھا' لشکر کشی سے اس کو روک دیا (دیکھئے الطبری' جلد دوم' صفحہ ۶۹۲۔ ۶۸۸' طبع لائیڈن وجلد ششم صفحہ ۷۵-۷۲' طبع دار المعارف مصر) [ہمارے فاضل مستشرق نے یہ بیان کر کے کہ مختار کے فرستادہ فوجی سب کے سب ''موالی'' تھے اور ان سبھوں کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا تھا' شاید یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ نسلی تعصب کی بناء پر ابن زبیرؓ کے سر عسکر نے ان کو مروا دیا تھا' حالانکہ واقعات سے اس کی نفی ہوتی ہے کہ ان

marfat.com

میں سات سو عرب بھی تھے۔ پھر سب کہاں مارے گئے تھے' ان میں سے بہت سے بھاگ کر ''کوفہ'' پہونچے تھے اور انہیں کی زبانی مختار کو اس حادثہ کا علم ہوا تھا۔ مختار نے ایک طرف ابن زبیرؓ کو یہ باور کرانا چاہا کہ وہ جو افواج ''مدینہ'' بھیج رہا ہے' وہ ان کی اطاعت پذیر ہونگی اور خود وہ ان کی بیعت کو عام کرنے کے لئے ممالک فتح کریگا'' تو دوسری طرف ابن الحنفیہ کو اس بات کی ضمانت فراہم کرنے کی کوشش کی کہ وہ ان کے لئے فتوحات کرنے میں مشغول ہے لیکن یہ دونوں حضرات اس کی ''بدنیتی'' کو بھانپ گئے' مگر بیچارہ ولہاؤزن اُسے ''نیک نیت'' اور مخلص ہی سمجھتا رہا۔ پھر مختار، ابن الزبیرؓ کو ملحد (کافر' خارج از اسلام) کہتا ہے اور ان کے حامیوں کو ''فجار'' (فاجر' بدکار) و ''اشرار'' (شریر' فسادی) کہہ کر پکارتا ہے' مگر بقول ولہاوزن' اس نے ان کی جانب ''دست تعاون'' نہایت ''خلوص'' سے بڑھایا تھا اور اس کے اس ''جذبہء خیر سگالی'' کی ابن زبیرؓ نے نہ صرف یہ کہ پزیرائی نہ کی' بلکہ ''سنگدلی (قسوۃ) اور فریب دہی (غدر) کی بدترین مثال قائم کرکے تین ہزار ''موالی'' کو تہ تیغ کرادیا' 'بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست'' اگر ابن زبیرؓ مختار کے لشکریوں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرتے جو انھوں نے کیا' تو ہمارا افاضل مستشرق ان کے دعویٰ خلافت کے بارے میں بھی چمک کر یہی لکھتا کہ ''ایک بھولے بچے کی طرح چاند کے حسن سے خوش ہو کر اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھا دیئے تھے) بہر کیف یہ ایسا تعلق تھا جو قریب قریب یک طرفہ تھا۔ (اس واقعہ کے بعد) مختار نے ابن الحنفیہ سے اپنے تعلقات کی تجدید کرنی چاہی اور اس شرط پر کہ وہ اس کی صاف وصریح الفاظ میں تائید وحمایت کریں۔ انہیں یہ پیش کش کی کہ وہ ابن الزبیرؓ کے خلاف جنگ کرنے کی غرض سے ''مدینہ'' فوج بھیجنے کو تیار ہے۔ لیکن ابن الحنفیہ کی ذاتی مصلحتوں کے سبب مختار کو اس کا سلبی جواب ملا۔ اور وہ مدینہ فوج نہ بھیج سکا۔ بعد میں حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ابن الحنفیہ کو نہ صرف مختار کی تائید وحمایت کرنی پڑی' بلکہ اسے اپنی مدد کیلئے بھی بلانا پڑا۔ ہوا یہ کہ ۶۶ھ کے حج کے موقع پر ابن الحنفیہ ''مدینہ'' سے ''مکہ'' آئے۔ (۲۰) وہاں ابن الزبیرؓ نے ان کو اپنی بیعت پر مجبور کیا اور ان کے انکار پر انہیں اور ان کے ساتھیوں کو ''حرم'' کے اندر گھیر لیا اور یہ دھمکی دی کہ اگر مقررہ وقت میں انہوں نے ان کی بیعت نہ کی تو وہ انہیں جان سے

marfat.com

مار ڈالیں گے۔اس پر ابن الحنفیہ نے مختار سے رجوع کیا اور کسی طرح اسے ایک خط میں اپنے حالات لکھ کر مدد کی درخواست کی۔ مختار نے اس خط کو لوگوں کے سامنے پڑھا اور نہایت خوش ہوا۔اور فوراً ''رضا کاروں'' کے دستے (''مدینہ'') روانہ کر دیئے (صحیح مکہ) ابتدا میں ان رضا کاروں کی تعداد ایک سو پچاس (۱۵۰) تھی جو ابن الحنفیہ کو رہا کرانے کے لئے کافی تھی (پہلا دستہ ستر افراد پر مشتمل تھا' دوسرے دستہ میں چالیس آدمی تھے اور تیسرے میں بھی چالیس ہی افراد تھے۔ یہ سب مکہ کے باہر مقام ''ذات العرق'' میں جمع ہوئے اور ایک ساتھ یہ (۱۵۰) افراد مسجد حرام میں داخل ہو گئے)۔(۲۱) ان لوگوں نے جب ابن الحنفیہ سے ابن زبیرؓ سے انتقام لینے کی اجازت مانگی' تو انہوں نے ان کو ایسا نہ کرنے دیا (ان کے سردار عرب مگر سپاہی ''موالی'' تھے اور ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے جنھیں یہ لوگ ''کافر کوب'' (جمع کافر کوبات' یعنی کافروں کو کوٹنے والی مونگری کہتے تھے)۔شروع میں ان کے سامنے ابن زبیر شیخی مارنے لگے اور اونچی آواز میں ان سے باتیں کرنے لگے' لیکن بعد میں ان کو مجبوراً اپنی آواز دھیمی کرنی پڑی اور وہ ڈر گئے۔ ہوا یہ کہ مختار کے یہ دستے یکے بعد دیگرے لگا تار ''مکہ'' پہونچتے رہے اور ان کی مجموعی تعداد چار ہزار (۴،۰۰۰) تک پہونچ گئی (طبری کے مطابق دو' دو' سو کے دو دستے آئے اور یوں پانچ سو پچاس (۵۵۰) آدمی اکٹھا ہو گئے۔ چار ہزار کی تعداد ان لوگوں کی تھی جن میں ابن الحنفیہ نے رہائی کے بعد مختار کی فرستادہ رقم تقسیم کی تھی۔ظاہر ہے کہ یہ سب لوگ کوفہ سے نہ آئے تھے بلکہ مقامی اور دیگر مقامات کے حامیان ابن الحنفیہ بھی ان میں شامل تھے)۔ یہ لوگ جو مال اپنے ساتھ لائے تھے' ابن الحنفیہ نے اسے انہیں میں بانٹ دیا۔اور یوں جہاں سے آئے تھے یہ لوگ وہیں واپس چلے گئے۔

مختار اہل شام کے خلاف جنگ کے موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے اس کی کوشش بلاد عرب میں کی (فاضل مستشرق کا اشارہ اس فوجی مہم کے جانب ہے' جو اس نے مدینہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے روانہ کی تھی' لیکن اس کا مقصد وادی القریٰ میں مقیم شامی افواج سے لڑنا نہیں تھا' بلکہ دھوکہ سے ''مدینہ'' اور بعد ازاں ''مکہ'' پر قبضہ جمالینا تھا)۔ لیکن غیر متوقع طور پر اسے اس قسم کا موقع ''عراق'' میں مل گیا۔ کیونکہ ۶۶ھ کے اختتام

marfat.com

کے قریب شامی افواج نے طویل انتظار اور پوری تیاری کے بعد عبیداللہ بن زیاد کی کمان میں ''دجلہ'' کے علاقے میں پیش قدمی کی۔ مختار نے ان کے مقابلہ کی غرض سے یزید بن انس اسدی کی سرکردگی میں تین ہزار (۳،۰۰۰) سواروں کو روانہ کیا۔ (۲۲) دونوں فوجوں میں ۹ ذوالحجہ ۶۶ھ (مطابق ۷ جولائی ۶۸۶ء) کو فجر کے وقت مقابلہ ہوا۔ مختار کے لشکر کے مقابلہ میں شامی فوج کی تعداد دوگنی تھی۔ مسلسل دو دنوں تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی اور تعداد کی کمی کے باوجود مختار کے لشکر کو فتح نصیب ہوئی۔ یزید بن انس اسدی جب جنگ کے لئے روانہ ہوا تھا' بیمار تھا۔ اس کے مرض میں اضافہ ہوتا گیا اور جب معرکہ بپا ہوا تو وہ قریب الموت تھا۔ اس کے ساتھی اسے ایک گدھے پر یوں سوار کر کے میدان جنگ میں لائے تھے کہ (سات) آدمی دائیں جانب اور (سات ہی) آدمی بائیں جانب سے اس کی ران' بازو اور دونوں پہلوؤں کو پکڑے ہوئے تھے شام کے وقت فتح کی بشارت سنتے ہی اس سورما نے جان جاں آفریں کو سونپ دی۔۔ اس کی موت سے اس کے ساتھیوں میں کھل بلی مچ گئی کیونکہ اس سے ان کے دل ٹوٹ گئے تھے۔ اصل شامی افواج سے جو قریب ہی آٹھ ہزار (۸،۰۰۰) کی تعداد میں خیمہ زن تھی' ان لوگوں کو لڑنے کی جرات نہ ہوئی اور ان کے کمانداروں نے واپس چلے جانے کا فیصلہ کیا۔

لیکن ''کوفہ'' میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ شامی افواج نے ''شیعوں'' کو شکست دیدی ہے۔ اس لیے مختار نے سات ہزار (۷،۰۰۰) افواج کے ہمراہ ابراہیم بن اشتر نخعی کو میدان میں ہر ممکن سرعت سے پہونچنے کا حکم دیا۔ اس صورت حال میں ''اشراف'' (معززین) کی کہ ''حزب عصبیتِ عربیہ'' کے قائد تھے' مختار کے خلاف جرات بڑھ گئی۔ یہ لوگ علانیہ مختار کو برا بھلا کہنے لگے :'' کہ وہ ان کی مرضی کے خلاف اور ابن الحنفیہ کی اجازت کے بغیر ان کا حاکم بن بیٹھا ہے۔ وہ اور اس کے پیروسبائی' اسلام میں بدعات ایجاد کر کے' اپنے نیکوکار اسلاف سے اظہار ''برائت'' کر رہے ہیں: اُس نے ان ''موالی'' (آزاد کردہ غلاموں) کو اپنے مقربین میں شامل کر لیا ہے: انہیں ''سواریوں'' پر سوار کرایا ہے: انہیں سرکاری خزانہ سے ''عطیے'' (عطایا) دیئے ہیں: ان کے ''فئی'' میں سے انہیں بھی حصہ دیا ہے (مال فئی انہیں بھی کھلایا ہے)۔ یوں اس نے ان (عربوں) کے حقوق

marfat.com

سلب کر لئے ہیں' کیونکہ انھوں نے اپنے غلاموں کو اس امید پر آزاد کیا تھا کہ اللہ کے ہاں اجر نیک وثواب ملے گا اور ''موالی'' اس پر ان کے شکر گزار ہوں گے: اس نے ان غلاموں کو اتنے حقوق دینے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ ان کو عربوں کے ''فئی'' میں سہیم (حصہ دار) اور شریک بنا لیا ہے اور عربوں کے یتیموں اور بیواؤں سے (جوان غلاموں کی خدمت گزاری اور اعانت کے سب سے زیادہ حق دار تھے) یوں جنگ کی ہے''۔ (۲۳) ان عربی عصبیت رکھنے والوں کا ترجمان مرد پیر شبث بن ربعی تیمی تھا' چنانچہ ان معاملات کے سلسلہ میں وہ مختار سے بات چیت کرنے کی غرض سے اس کے پاس گیا۔ مختار نے اس معاملہ پر غور کرنے اور ہر ممکن طریقہ سے عربوں کو راضی کرنے کا وعدہ کیا۔ بعد ازاں اس نے شبث بن ربعی سے دریافت کیا: ''اگر میں تم لوگوں کی خاطر تمھارے ''موالی'' سے ترک تعلق کر لوں اور تمھارے ''فئی'' کو صرف تم سب کے لئے مخصوص کر دوں' تو کیا تم میرے ساتھ ہو کر بنوامیہ اور ابن الزبیرؓ سے جنگ کرو گے۔ اور اس وعدہ کو وفا کرنے پر اللہ کا عہد و پیمان دو گے اور ایسی قسم کھاؤ گے جس سے میں مطمئن ہو جاؤں؟'' (الطبری ۲: ۶۵۰ = ۶: ۴۴)۔ اشراف'' نے اس کا اقرار نہ کیا (بلکہ بہانہ کر کے مختار کے پاس سے اٹھ آئے)۔ اور حکومت کے غاصب (مختار) پر کاری ضرب لگانے کے لئے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اگر چہ ایسا کر کے وہ اہل شام کے مفاد میں ''عراق'' کے ''مصالح'' سے بددیانتی اور خیانت کا ارتکاب کر رہے تھے (مگر مختار کی دشمنی میں وہ اندھے ہو رہے تھے) ان کے اس فیصلہ سے صرف عبدالرحمٰن بن مخنف نے' کہ راوی ابو مخنف کا قربت دار اور معاملہ فہم و محتاط شخص تھا' اختلاف کیا۔ اس نے ''اشراف'' (معززین) کی رائے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے کہا: ''مختار کے ساتھ صرف ''غلام'' (عبید) اور ''موالی'' (آزاد کردہ غلام/عجمی) ہی نہیں ہیں' بلکہ عرب کے بہادر اور شہ سوار بھی ہیں۔ اور وہ سب یک زبان و یک دل ہیں۔ یہ سب تم لوگوں سے عربوں کی شجاعت اور عجمیوں کی عداوت (کینہ پروری) کے ساتھ مختار کی قیادت میں جنگ کریں گے۔ اگر تمھیں کچھ مہلت مل گئی تو ''اہل شام'' یا ''اہل بصرہ'' کی آمد سے ان (مختار کے ہمراہیوں) پر قابو پا سکو گے یوں تمھارا رعب داب باقی نہ رہیگا۔'' (الطبری' ۲: ۶۵۱ = ۶: ۴۴' ۴۵)۔ مگر وہ اپنی رائے سے دوسروں کو مطمئن نہ کر سکا اور مجبوراً

marfat.com

جماعت کی رائے کے آگے جھک گیا۔ چنانچہ جب ابراہیم بن اشتر نخعی ''اہل شام'' سے جنگ کی غرض سے گیا' تو ''اشراف''، ''کوفہ'' کے اہم مقامات پر قابض ہو گئے اور ''قصر امارت'' ''ومسجد جامع'' میں مختار کو گھیر لیا۔ اور اس کا بیرونی دنیا سے رابطہ وتعلق منقطع کر دیا۔ مختار نے ان ''اشراف'' کی تدبیر کو ناکام بنانے کی غرض سے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ لوگ اپنی جانب سے ابن الحنفیہ کے پاس ایک وفد بھیجیں اور وہ (یعنی مختار) اپنا ایک علحدہ وفد ان کی خدمت میں روانہ کرے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے مواجہہ میں ابن الحنفیہ سے یہ دریافت کریں کہ وہ (مختار) کی تائید وحمایت کرتے ہیں یا نہیں؟ مگر مختار کو اپنی اس چال میں کامیابی نہ ہوئی (اور ''اشراف'' نے اسے تسلیم نہ کیا)۔

لیکن یہ ضرور ہوا کہ مختار نے ابراہیم بن اشتر کو ''کوفہ'' کے حالات سے آگاہ کرنے کی سبیل نکال لی اور اسے فوراً واپس آنے کا حکم بھیجا۔ مختار کے قاصد کو ''دریائے دجلہ'' پر واقع مقام ''ساباط'' تک پہونچنے اور ابراہیم بن اشتر کو حالات سے مطلع کرنے میں، صرف ایک دن لگا۔ چنانچہ اگلی شام کو ابراہیم اور اس کا لشکر ''کوفہ'' پہونچ گیا۔ اور رات ہی کو اپنی سپاہ کے ساتھ ''مسجد جامع'' کے قریب اس نے پڑاؤ ڈال دیا۔

اگلی صبح کہ بدھ کا دن اور ۲۴' ذوالحجہ ۶۶ھ کی تاریخ تھی' وہ لڑائی دوبارہ چھڑ گئی' جو اس سے پہلے موسم بہار (ماہ ربیع) میں شروع ہوئی تھی۔ (۲۴) اس جنگ کے دوران میں عربوں کے مختلف گروہوں میں تضاد نمایاں ہوگیا۔ چنانچہ بہت سے شیعہ عرب جو اس وقت مختار کی صف میں تھے۔ اس سے علیحدہ ہو کر ''اشراف'' کی صفوں میں شامل ہو گئے یہاں ہم خاص طور سے ''مشہور قاری'' رفاعہ بن شداد قتبانی کا ذکر کریں گے جو جناب سلیمان بن صرد خزاعی کا پرانا دوست تھا (اور مختار کی فوج میں امامت کے فرائض انجام دیتا تھا مگر قبائلی عصبیت کی وجہ سے ''اشراف'' سے مل گیا تھا) جب اس نے ''اشراف'' کا یہ نعرہ ''یالثارات عثمانؓ'' (دہائی ہے انتقام عثمان کی) سنا' جو شیعوں کے نعرے ''یالثارات حسینؓ'' کے مقابلہ میں دوسری جانب بلند ہوا تھا' تو اسے حد درجہ اضطراب ہوا۔ (پھر بھی قبائلی تعصب کی وجہ سے ''اشراف'' کے ساتھ ہی رہا اور ان کی طرف سے لڑ کر) موت کے گڑھے میں جا گرا۔ اسی طرح عبداللہ بن قراد خثعمی کو اپنے خاندان والوں کا خون بہانے

marfat.com

میں سخت تکلیف ہوئی مگر پھر بھی وہ مختار کا وفادار رہا۔ اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ شبث بن ربعی یربوعی تمیمی کا بیٹا اپنے باپ کے خلاف بڑی بہادری سے لڑا۔ ''اشراف'' اور ان کے قبائل نے ''کوفہ'' کے تین مقامات پر اپنے مراکز قائم کیے۔ مضر کے قبائل ''کناسہ'' میں تعینات کیے گئے' یمنی قبائل ''سبخہ'' سے متصل 'جبانہ سبیع'' میں متعین تھے اور ربیعہ کے قبائل ''سبخہ'' کے قریب باہر مورچہ سنبھالے ہوئے تھے۔ ''جبانہ سبیع'' میں جہاں مختار بنفس نفیس یمنی قبائل سے مصروف جنگ تھا' خاص طور سے گھمسان کا رن پڑا۔ یہ یمنی قبائل بیشتر ''قبیلہء ہمدان'' سے تعلق رکھتے تھے کیونکہ (دوسرا قبیلہ) مذحج جس سے ابراہیم بن اشتر کا بھی تعلق تھا' جنگ سے کنارہ کش ہوگیا تھا۔ (اشراف پر) کاری وار اس وقت لگا جب ''بنو شبام'' نے اپنے ہم قبیلہ اور ''قرابت دار'' بنو ہمدان'' پر عقب سے زوردار حملہ کر دیا۔ اسی طرح ابراہیم بن اشتر نخعی' جو اہل یمن سے (کہ اس کے ہم نسل تھے) لڑنا نہ چاہتا تھا' مضر کے قبائل کا شیرازہ بکھیرنے اور انہیں منتشر کرنے میں کسی دقت کے بغیر کامیاب ہوگیا۔ جہاں تک ''ربیعہ'' کا تعلق ہے تو وہ تلوار بلند ہونے سے پہلے ہی تتر بتر ہوگئے (یعنی بغیر لڑے بھڑے بھاگ کھڑے ہوئے)۔ یمنی قبائل دونوں فریقوں کے ساتھ تھے۔ ایک فریق عربی عصبیت والے گروہ کے اور دوسرا فریق شیعوں کے ساتھ تھا۔ انہیں یمنی قبائل نے جنگ میں بڑی بے جگری سے حصہ لیا۔ اور ''کوفہ'' میں تعداد و قوت کے اعتبار سے یہی سب سے زیادہ مضبوط و قوی بھی تھے۔

فتح کے بعد مختار کے منادی نے یہ اعلان کیا کہ جو ''شخص اپنا دروازہ بند کر لے اسے امان دی جائے گی' الا یہ کہ وہ ''آل محمد ﷺ کے قتل میں شریک رہا ہو''۔ یوں مختار نے ان لوگوں کو جو حضرت حسینؓ کے قتل میں شریک تھے' امان سے مستثنیٰ کر دیا۔ اور شیعوں کو ''قاتلین حسینؓ'' سے انتقام لینے کی کھلی چھٹی دیدی' حالانکہ اس نے پہلے ان لوگوں کو انتقام لینے سے روک دیا تھا۔ چنانچہ پہلے اسیران جنگ کو پے در پے قتل کیا گیا۔ بعد ازاں ان لوگوں کو قتل کیا گیا جو ''المیہء کربلاء'' کے اصل ذمہ دار اور بڑے مجرم تھے۔ سو ان لوگوں کو ان کے گھروں سے کھینچ کھینچ کر نکالا گیا اور اس دعوے کے ساتھ کہ مدینہ میں خانہ نشین پیر مرد محمد بن الحنفیہ کے حکم سے ایسا کیا جا رہا ہے' انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا (ابن الحنفیہ

marfat.com

۱۶ھ میں پیدا ہوئے تھے اس واقعہ کے وقت وہ پچاس سال سے زائد نہ تھے اور بوڑھے ہرگز نہ تھے)۔ اور ''غلام'' و''موالی'' ''پولیس کے کتوں'' (الکلاب البولیسیۃ) کی طرح اپنے قدیم آقاؤں کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ بیویاں اپنے شوہروں کے ٹھکانے آآ کر بتاتی اور انہیں قتل کرواتی تھیں۔ اس طرح شمر بن ذی الجوشن اور عمر بن سعد اور ''قبیلہ قریش'' کے بہت سے لوگ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ''اشراف'' میں سے جو لوگ بھاگنے میں کامیاب ہوئے وہ بھاگ کر مصعب بن زبیرؓ کے ہاں ''بصرہ'' چلے گئے۔ (۲۵) ان لوگوں کے ''کوفہ'' کے گھروں کو مسمار کر دیا گیا' لیکن ان کی عورتیں' بچے اور حرم جو ''کوفہ'' میں رہ گئے تھے' مختار نے ان کی حفاظت کی ضمانت دی (الطبری' ۲:۱۹۷ =۶:۹۴)۔ ان لوگوں (قاتلین حسینؓ) کو سزا دینے میں خود مختار کو اتنا اہتمام نہ تھا اور بہت سے لوگ اس کے علم کے بغیر اور اس کے حکم کے برخلاف مارے گئے۔ سُراقہ بن مرداس بارقی کو اس نے صرف اس لئے چھوڑ دیا کہ اس نے اس مضمون کے اشعار پڑھے کہ مختار کے دشمنوں نے فرشتوں کو مختار کی طرف سے جنگ کرتے دیکھا اور اس کے مخالفین کو انہیں فرشتوں نے شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ بعد میں مختار نے سراقہ کو مجبور کیا کہ وہ ان جھوٹے اشعار کو مسجد کے منبر سے لوگوں کو سنائے اور اس نے جو کچھ مشاہدہ کیا تھا اس کے سچ ہونے کی قسم کھائے (جب سراُقہ یہ سب کر چکا تو) اسے مختار نے شہر کوفہ سے نکال دیا۔

اس آتش فتنہ کے فرو ہونے کے دو دن بعد مختار نے ابراہیم بن اشتر نخعی کو ''اہل شام'' کے مقابلہ پر روانہ کیا (۲۲' ذوالحجہ ۶۶ھ) اور اسے حکم دیا کہ شامیوں کو دیکھتے ہی ان پر ٹوٹ پڑے۔ وہ خود اس لشکر کے ہمراہ ''فرات'' کے ساحل تک گیا اور ان کو فتح کی خوش خبری سنائی اور کامیابی کی پیشین گوئی کی۔ فریقین میں' ''دریائے خازر'' کے پاس جہاں وہ ''زاب کبیر'' کے درمیان سے ''دجلہ'' میں آ کر گرتا ہے' جنگ ہوئی۔ یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ روایتوں میں اس لڑائی کی تاریخ مذکور نہیں ہے۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ جنگ ۶۷ھ کے پہلے مہینہ (محرم) میں لڑی گئی۔ (یعنی اگست ۶۸۶ء میں)۔ (۲۶) اپنے قائد (ابراہیم) کی فوجی مہارت کے سبب سے اور خود شیعوں کی بہادری کے نتیجے میں' شیعوں کو اپنے دشمنوں پر' جوان سے تعداد میں دس گناہ زیادہ تھے' کامیابی و فتح

marfat.com

حاصل ہوئی۔(اس فتح کا سبب) نہ تو وہ ''سفید کبوتر'' تھے جو فضاء میں پرواز کرتے دیکھے گئے (۲۷) (یعنی فرشتوں کی مدد سے یہ فتح نہ ہوئی) اور نہ شامیوں کے لشکر میں موجود ''قیسی'' قبائل کی غداری، اگر کوئی غداری کی بات درست بھی مان لی جائے' اس کامیابی کا سبب تھی۔ یہ غداری جنگ کے انجام کے متعین ہونے کے بعد ہوئی (الطبری' ۲:۱۲۷=۶: ۸۹ وبعد) عبیداللہ بن زیاد' حصین بن نمیر سکونی اور شرحبیل بن ذی الکلاع حمیری' حضرت حسینؓ' مدینہ و مکہ کے مقدس شہروں اور مالک اشتر نخعی کے انتقام میں مارے گئے۔ شامی فوج کے بھگوڑوں کی بڑی تعداد دریا میں ڈوب کر موت کے گھاٹ اتر گئی۔ ان کے خیمہ وخرگاہ کو لوٹ لیا گیا۔ مختار نے اہل شام کے مقابلہ پر جو پہلا لشکر یزید بن انس اسدی کی قیادت میں روانہ کیا تھا' وہ سواروں (عربوں) پر مشتمل تھا۔ جبکہ دوسرے لشکر میں سواروں کی تعداد بہت تھوڑی تھی (الطبری' ۲: ۷۰۹=۶: ۸۷: ۲: ۷۲۱۔ ۶: ۹۶) یعنی یہ لشکر موالی سے ترتیب دیا گیا تھا۔ یہ موالی ان خودوں اور زرہوں پر جو شامی سپاہی پہنے ہوئے تھے' اپنے لکڑی کے گرزوں سے ضرب لگاتے تھے۔ ایک قدیم راوی کا (جو اس معرکہ میں شریک تھا) بیان ہے کہ اس سے ایسی آوازیں نکلتی تھیں جیسی ''ولید بن عقبہ بن ابی معیط کی حویلی'' کے پاس کپڑا دھونے والے دھوبیوں کی موگریوں سے نکلتی ہیں۔ عربی روایتیں ان سورماؤں کے نام کے ذکر سے ندامت محسوس کرتی ہیں (یہ موالی گم نام تھے اس لئے روایتوں میں ان کے نام مذکور نہیں ہیں۔ اس میں کسی شرمندگی کا شائبہ نہیں ہے)۔ (اس فتح کے بعد) ابراہیم بن اشتر موصل میں رک کر اہل شام کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا' جبکہ اس کا مامات (اخیافی) بھائی نصیبین' دارا و سنجار کی تسخیر میں مصروف تھا۔ (۲۸)

اب مختار اپنے عروج کی انتہائی بلندی پر پہنچ چکا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ''سردار دوزخیاں'' بھی تھا' کیونکہ قدیم شیعہ اس پر اعتماد نہ کرتے تھے اور انھوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اس کے ساتھ صرف ''کٹر عرب شیعہ'' اور ''موالی'' ہی رہ گئے تھے۔ چنانچہ وہ عربی عصبیت کے ان مخالفوں کا حامی وطرف دار ہو گیا۔ یہ کٹر عرب شیعہ اور موالی مختار کی ذات اور اس کے شعور کی قوت سے جو اس کی ذات پر غالب تھا' بہت متاثر تھے۔ اور اسے پسند کرتے تھے۔ (۲۹) ہم ایک نہایت پر جوش منظر کے بارے میں راویوں کا

marfat.com

بیان سنتے ہیں۔ یہ اس وقت دیکھنے میں آیا جب مختار' ابراہیم بن اشتر کے لشکر کے ہمراہ فرات تک گیا۔ جب اس نے پل پار کرنا چاہا تو غالی شیعوں نے اتنا ہجوم کیا اور ان میں اس قدر جوش وخروش تھا کہ بھیڑ کی وجہ سے وہ وہاں سے پار نہ ہوسکا اور اسے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ ان لوگوں نے مختار کے لئے ایک ''مقدس کرسی'' فراہم کی تھی جو ایک خچر پر بار کر کے اس کے آگے روانہ کی جاتی تھی' اس کرسی کی پرستش کی جاتی تھی اور اس کی دیکھ بھال پر ایک پروہت مامور تھا۔ اس کرسی کے چاروں طرف لوگ ناچتے اور مجنونانہ اچھلتے کودتے تھے۔ اور اس کی برکت سے مختار کی کامیابی کی دعائیں کرتے تھے۔ ان غالی شیعوں کا جوش وخروش سمجھ میں آتا ہے کیونکہ انہیں جو خطرہ تھا وہ نہایت قریب تھا اور اس کے تدارک کے لئے یہ ضروری بھی تھا' ہر چند کہ سمجھدار آدمی اسے حماقت ہی سمجھے گا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس دیوانگی اور جوش وخروش کے لئے مختار خود جواب دہ نہ تھا۔ مگر اس نے ان لوگوں کی اس آسودگی اور لذت میں خلل ڈالنا پسند نہ کیا' کیونکہ اس کے لئے ان لوگوں سے مستغنی ہونا ممکن نہ تھا' جو اس کے لئے آگ میں کود سکتے اور اپنی جانیں قربان کرسکتے تھے۔

بہر کیف اہل شام کی اس شکست سے' ان کے بازو کئی سالوں کے لئے شل ہوگئے۔ لیکن اب جو خطرہ پیدا ہوا' وہ اہل بصرہ کی جانب سے تھا جہاں مصعب بن زبیر اپنے بڑے بھائی (حضرت) عبداللہ بن زبیرؓ کی جانب سے' کہ مکہ میں ''خلیفہ'' تھے ۶۶ھ کے اواخر یا ۶۷ھ کے اوائل میں' حاکم وامیر ہوکر آیا تھا۔ (۳۰) کوفہ کے مفرور اشراف خصوصاً شبث بن ربعی تمیمی اور محمد بن اشعث کندی' مصعب کو مختار کے خلاف اکسا رہے تھے۔ اس زمانے میں بصرہ کا لشکر خارجیوں کے خلاف برسرپیکار تھا اور اس کا سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ ازدی اس کے لئے بالکل آمادہ نہ تھا' کہ خوارج کے بجائے کوفہ کے موالی سے جنگ میں الجھ جائے۔ اخیر اخیر مہلب اس لشکر کشی پر راضی ہوگیا اور ایک بڑا لشکر ۶۷ھ کے وسط میں مہلب کی کمان میں بصرہ سے روانہ ہوا۔ اس لشکر میں (حضرت) علیؓ کا عبداللہ نامی ایک بیٹا بھی مہلب کے ساتھ تھا۔ مختار نے اس کے مقابلہ پر کوفہ سے ایک لشکر روانہ کیا جو دریائے ''دجلہ'' کے کنارے مقام ''مذار'' میں آکر خیمہ زن ہوا۔

marfat.com

(۳۱) اور دشمن کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ مختار کی پیشین گوئی کے بموجب اس لشکر کو کامیابی سے ہم کنار ہونا تھا' لیکن ان لوگوں کو شکست فاش سے دوچار ہونا پڑا۔ فاتحین نے کسی رحم کا مظاہرہ نہ کیا' ان میں سب سے زیادہ سنگ دل وہ لوگ تھے جو کوفہ سے بھاگ کر بصرہ چلے گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے ہی شہریوں کے خلاف حد درجہ سختی کا ارتکاب کر رہے تھے۔ اور خصوصاً موالی کو بڑی بے دردی سے تہ تیغ کر رہے تھے۔ اگر چہ موالی نے بڑی بہادری سے جنگ کی' مگر ان کے عرب سردار' کہ "بجیلہ" اور "خثعم" کے قبائل سے تعلق رکھتے تھے' بڑی بے شرمی اور انتہائی معیوب طریقہ سے جنگ سے دست کش ہو گئے۔ اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے' جبکہ موالی جو پیادہ تھے اور سوار نہ تھے بھاگ نہ سکے۔ اور صرف تھوڑے سے سوار ہی بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو سکے۔

اس شکست کے اہل کوفہ پر نہایت دور رس اثرات پڑے۔ مختار کے اقتدار کو اس سے سخت دھچکا لگا اس کی پیشین گوئی غلط نکلی۔ موالی کہنے لگے کہ اس مرتبہ وہ جھوٹ بولا ہے۔ مختار کو جب اس بدترین ہزیمت کی اطلاع ملی تو اس نے کہا: "اللہ کی قسم" غلام "اس بری طرح قتل کیے گئے کہ اس سے پہلے میں نے ایسا قتل کبھی نہ سنا"۔ (الطبری' ۲: ۷۲۳ = ۶: ۹۸) جہاں تک مختار کا تعلق ہے تو اس نے ذرا بھی حوصلہ نہ ہارا اور اس کی ہمت پست نہ ہوئی بلکہ اس میں ایک نیا عزم و ولولہ پیدا ہو گیا۔ وہ کوفہ سے نکل کر "نہر سیلحین" تک گیا (۳۲) اور "مجمع الانہار" (نہروں کے سنگم) یعنی "نہر حیرہ"' "نہر سیلحین" "نہر قادسیہ" و "نہر یوسف" (نہر یوسف) کا معاینہ کیا۔ (بصرہ کی افواج کی پیش قدمی روکنے کی غرض سے) اس نے یہاں "دریائے فرات" پر بند بندھوا دیا جس سے "فرات" کا تمام پانی ان نہروں میں چلا گیا اور بصرہ کی فوجیوں کی کشتیاں کیچڑ میں پھنس کر ناکارہ ہو گئیں۔ جب بصریوں نے یہ دیکھا تو کشتیوں سے اتر پڑے اور پیدل چلنے لگے۔ ان کے سوار جو خشکی کی راہ سے روانہ کیے گئے تھے' وہاں پہنچ گئے اور فرات کے بند تک پہنچ کر اسے توڑ دیا۔ بعد ازاں یہ لوگ کوفہ کے قصد سے چل پڑے۔ (الطبری' ۲: ۷۲۵ = ۶: ۹۹) اور مصعب نے "انبار" سے کوفہ پر دھاوا بولا۔ مختار اور اس کے ساتھیوں نے (کوفہ کے قریب) "حروراء" کے مقام پر ان (بصریوں) کا مقابلہ کیا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا

marfat.com

اہل بصرہ کے لشکر میں کوفیوں کا قائد محمد بن اشعث کندی اپنے ساتھیوں سمیت جنگ کی بھٹی کی نذر ہوا' اسی طرح عبیداللہ بن علی ان لوگوں کی تلواروں سے مارا گیا' جو اس کے گھرانے کی الوہیت کے قائل تھے۔ لیکن مہلب بنظر احتیاط ''ازد'' اور تمیم کے اپنے بہادروں کے ساتھ اپنی جگہ پر جما رہا اور جب مصعب نے اسے اس بارے میں مشورہ کی غرض سے بلایا' تو اس کے پاس نہ گیا اور نہ حملہ کرنے میں عجلت سے کام لیا جب اس کے خیال میں دھاوا بولنے کا مناسب وقت آ گیا' تو وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ میدان میں اترا۔اس کا یہ حملہ فیصلہ کن ثابت ہوا۔ میدان جنگ خاص کر کوفہ کے بڑے بڑے شیعہ سورماؤں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ مختار پا پیادہ رات بھر لڑتا رہا' اس کے ساتھی ایک ایک کر کے مرتے گئے اور وہ قریب قریب یکہ وتنہا رہ گیا۔ وہ تھوڑے سے لوگ جو اس کے چاروں طرف لڑ رہے تھے' اسے میدان سے ہٹ جانے پر آمادہ کر رہے تھے' اس نے مجبوراً ان کا مشورہ قبول کر لیا اور ''قصر امارت'' میں واپس آ گیا۔ (۳۳)

ابرہیم بن اشتر اس عرصہ مین موصل ہی میں ٹھہرا رہا۔ حالانکہ شامیوں کے خلاف اسے وہاں رہنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ ممکن ہے کہ مختار کے پاس ابراہیم کو کوفہ نہ بلانے کی کوئی معقول وجہ ہو اور یہ کہ وہ مختار کا مخلص اور وفادار نہ ہو۔ لیکن اگر ابراہیم اس جنگ میں شریک ہوتا' تو حالات نہایت آسانی سے دوسرا رخ اختیار کر سکتے تھے۔ کیونکہ شیعوں کا لشکر اہل بصرہ کے لشکر کا ہم پلہ و ہم سر تھا اور فریقین مساوی و برابر کے تھے۔ مگر ان کے مابین فرق قائد کا تھا' اور ابراہیم' یقیناً مہلب پر غالب آ جاتا (مولف کا یہ مفروضہ ہے۔ بلا شبہ ابراہیم ایک لائق سپہ سالار تھا' مگر فوجی داؤں پیچ میں مہلب سے لگا نہ کھاتا تھا۔ پھر خوارج واہل عجم سے طویل معرکہ آرائیوں نے اسے حرب وضرب کا وسیع تجربہ عطاء کیا تھا جو ابراہیم کو حاصل نہ تھا۔ اس لئے اپنی تمام جنگی مہارت کے باوجود ابراہیم کو مہلب پر فوقیت حاصل نہ تھی۔ اس کے علاوہ مصعب بھی کارآزمودہ و بہادر سپاہی اور سالار تھا' اشراف کوفہ بھی' کہ جنگ وقتال کے گرگ باراں دیدہ تھے' شجاعت وعداوت کے جذبات سے پر ہو کر مختار اور اس کے موالی سے لڑے تھے)۔ بہر کیف (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) ابراہیم نے مختار کے بجائے مصعب بن زبیرؓ سے مفاہمت و مصالحت کر لی تھی اور وہ تا

marfat.com

حیات اس کا مخلص ووفا دار رہا اور اسی کے ساتھ (معرکہء دجیل میں) جان دیدی۔ (ابراہیم ایک بہادر اور باضمیر سپاہی وسپہ سالار تھا' مختار جیسے سیاسی مصلحت اندیش کے ساتھ اس کا تعلق تادیر قائم نہیں رہ سکتا تھا۔' سو اس کا موصل میں ٹھہرنا مختار کے مصالح کے عین مطابق تھا' اسی لئے اس نے اس کو کوفہ بلایا ہی نہیں۔ اس کی عدم شرکت کی ذمہ داری مختار پر عائید ہوتی ہے اور ابراہیم کا دامن کسی ''بے وفائی'' سے پاک وصاف ہے)۔

قصہ مختصر لڑائی کے دوسرے دن صبح کے وقت بصرہ کا لشکر دھاوا بول کر ''سبخہ'' کے مرکزی راستہ سے کوفہ کے ''مشارف'' (بلند مقامات) میں داخل ہوگیا۔ بعد ازاں آہستہ آہستہ اس نے مختار کے گرد دائرہ تنگ کرنا شروع کر دیا اور اس کی رسد (کھانے پینے کا سامان) کاٹ دی۔ (۳۴) مگر اب بھی مختار ''قصر امارت' ' اور شہر کے اندورونی حصہ پر قابض تھا اور اس کے ساتھ کئی ہزار ''موالی'' اور چند سو ''عرب'' تھے۔ عربوں کی اکثریت چپکے سے اپنے کنبوں کی طرف کھسک گئی مگر عورتیں اب بھی مختار کے ہاں پانی پہونچاتی تھیں۔ لیکن اس کے رعب داب پر زوال آ گیا تھا اور جب وہ راستوں میں پیدل پھرتا تو اس پر گندا پانی پھینکا جاتا تھا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ وہ قصر امارت میں محصور ہوکر رہ گیا' جہاں نہ کھانے کا سامان تھا اور نہ پینے کے لئے پانی ہی مہیا تھا۔ محاصرہ کے چار ماہ تک جاری رہنے کے بعد (۳۵) یہاں محاصرہ سے مراد سڑکوں اور گلیوں میں جھڑپوں اور لڑائیوں سے ہے مختار نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ طاقت کے بل پر دشمن کا گھیرا توڑ کر شہر سے نکل جانا چاہیے۔ مگر اس کے ساتھیوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خود کو دشمن کی رحم دلی یا سنگدلی کے حوالہ کر دینے کو ترجیح دی۔ اپنے ساتھیوں سے مایوس ہوکر مختار انیس (۱۹) جاں نثاروں کی مختصر ٹولی کے ساتھ ''قصر امارت'' سے باہر نکلا۔ یہ لوگ دشمن کی بھاری جمعیت سے بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ انہیں مقتولین میں مختار بھی تھا۔ یہ ۱۴' رمضان ۶۷ھ (مطابق ۳' اپریل ۶۸۷ء) کا واقعہ ہے۔ قتل کے وقت مختار بن ابی عبید ثقفی کی عمر سرسٹھ (۶۷) سال تھی۔ وہ تمام لوگ جنھوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور خود کو اہل بصرہ کے حوالہ کر دیا تھا' مصعب بن زبیرؓ نے ان سب کو قتل کروادیا۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ان مقتولین کی تعداد چھ (۶) سے آٹھ

marfat.com

(۸) ہزار کے درمیان تھی، اس نے کوفہ کے ''اشراف'' (معززین) کی جنھوں نے اپنے باپ دادا اور قرابت داروں کے خون کا موالی سے انتقام لینا چاہا، لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور اس وجہ سے جزار (قصائی) کا لقب پایا۔ روایتوں میں ہے کہ مصعب کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔ مصعب نے انہیں سلام کیا (مگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کوئی توجہ نہ دی) تو مصعب نے کہا: ''میں آپ کے بھائی (حضرت زبیرؓ) کا بیٹا مصعب ہوں'': اس پر جناب ابن عمرؓ نے فرمایا: ''ہاں! تمھیں نے ایک صبح میں سات ہزار (۷،۰۰۰) اہل قبلہ (مسلمانوں) کو قتل کرا دیا تھا۔ جب تک جی سکو جیو۔'' مصعب نے اس کے جواب میں کہا: ''وہ لوگ کافر اور جادوگر تھے'' (حضرت) ابن عمرؓ نے اس کا یہ جواب دیا: ''اللہ کی قسم! اگر تم اپنے باپ کی میراث سے بھیڑ بکریوں کی اتنی تعداد کو قتل کر ڈالتے تو یہ بھی بڑی زیادتی اور نادانی کی بات ہوتی!'' (الطبری ۲: ۷۴۵=۶: ۱۱۳)۔ لیکن سب سے زیادہ ''ذلیل کام'' جو مصعب نے کیا اور جس پر لوگ سخت خفا ہوئے، وہ یہ تھا کہ اس نے مختار کی بیوی عمرہ بنت نعمان بن بشیر انصاری کو قتل کرا دیا۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر (مختار) کو نبی مانتی تھی اور اس کی نبوت سے انکار پر راضی نہ تھی (سچ یہ ہے کہ مصعب نے عمرہ کو قید کر دیا تھا اور حضرت ابن زبیرؓ کو یہ لکھ بھیجا تھا کہ وہ مختار کی نبوت کی قائل ہے اور اس سے انکار پر آمادہ نہیں ہے، چنانچہ ابن زبیرؓ نے مصعب کے پاس حکم بھیجا کہ عمرہ کو قتل کرا دو۔ وہ رات کے وقت کوفہ اور حیرہ کے درمیان قتل کی گئی۔ یوں عمرہ کے قتل میں مصعب کی کوئی خطاء نہ تھی اور نہ جناب ابن زبیرؓ کی غلطی تھی۔ وہ مرتد تھی اور اس کی سزا قتل ہے۔ دیکھئے طبری، جلد ششم، صفحہ ۱۱۱۔۱۱۳)۔ بعد ازاں مصعب کے حکم سے مختار کی ہتھیلیاں کاٹ کر ''مسجد جامع'' کی دیوار میں لوہے کی میخوں سے ٹھونک دی گئیں (۳۶) (جب عبدالملک کے دور خلافت میں حجاج، عراق کا گورنر ہو کر آیا، تو اس نے مختار کی ان ہتھیلیوں کو وہاں سے ہٹوا دیا۔ دیکھئے طبری جلد ۶: صفحہ ۱۱۰)۔

مختار کے حالات میں طبری نے قریب قریب صرف ابومخنف کی روایت پر اعتماد کیا ہے (۳۷) اور ابومخنف اکثر دوسرے راوی سے روایت کرتا ہے۔ زیادہ تر وہ واقعات کو کسی چشم دید گواہ (عینی شاہد) کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ ہمارے لئے سب سے اہم

marfat.com

راوی حُمید بن مسلم ازدی ہے، جس کا پہلے بھی ابو مخنف نے متعدد بار ذکر کیا ہے (الطبری ۲:۵۳۶ و بعد:۶۵۹=۵:۵۸۱:۶:۵۰، ۵۱)۔ دوسرا اہم راوی شعبی ہے (الطبری، ۲:۶۰۹ و بعد:۶۸۴:۱۵،۷ و بعد ۶:۱۵ و بعد:۶۹:۹۱ و بعد)۔ تیسرا اہم راوی عبدالرحمان بن عبید ابو لکنود ہے (الطبری ۲: ۶۶۳=۶:۵۳) یہ تینوں ہی مختار کی صف میں تھے۔ بعد میں یہ اس سے علیحدہ ہو گئے۔ فی الجملہ سبھی ابتدائی راوی قریب قریب انہیں علحدہ ہو جانے والوں اور ایک گروہ سے نکل کر دوسرے گروہ میں شامل ہو جانے والوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان راویوں میں ایک شخص کو چھوڑ کر کوئی موالی سے نہ تھا۔ (الطبری ۲: ۶۲۱=۶:۲۳، ۲۴)۔ چنانچہ ان سبھوں کی روایتیں عربوں کے نقطہ نگاہ سے ڈھالی گئی ہیں۔ اور موالی گم نام اور ناموں سے خالی ایک بھیڑ کی صورت میں دکھائے گئے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف عربوں کے ناموں کی ان روایتوں میں بھرمار ہے۔ جہاں تک شیعوں کا تعلق ہے تو ان کا جھکاؤ ان کی طرف تھا اور انہوں نے اس سلسلہ میں جو آلام و مصائب جھیلے تھے ان کے بیان میں بڑے مبالغہ سے کام لیا گیا ہے ان کے ایک قائد (یزید بن انس اسدی) نے ایک بلیغ تقریر میں اس کی بڑی موثر تصویر پیش کی ہے۔ (الطبری ۲:۶۲۴=۶:۲۶) (یزید بن انس اسدی مختار کی اشراف کوفہ اور ابن مطیع کے خلاف جنگ میں، افسر رسالہ تھا۔ اس نے شیعوں کو جوش دلانے کی غرض سے ان پر جن مظالم کا ذکر کیا ہے، وہ فرضی ہیں۔ ۶۶ھ میں کی جانے والی اس تقریر میں کہا گیا ہے کہ "اہل بیت نبی کی محبت میں شیعوں کو قتل کیا جاتا تھا، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے، آنکھیں پھوڑی جاتیں تھیں اور انہیں سولی پر لٹکایا جاتا تھا" کسی مستند تاریخ کی رو سے اس سن تک شیعوں پر ان مظالم کا عشر عشیر بھی نہیں کیا گیا۔ یہ تقریر فرضی اور ابو مخنف کے ذہن کی اختراع ہے۔ یہ دراصل یہود پر زمانہ قدیم میں غیر یہود اقوام کے مظالم کی صدائے بازگشت کے سوا کچھ نہیں ہے) اس کے علاوہ ابو مخنف کے بیان میں واقعات بالعموم باہم خلط ملط نہیں ہوئے ہیں۔ بعض تاریخی بیانات اور تمام جغرافیائی بیانات میں بڑی باریک بینی اور دقت نظر سے کام لیا گیا ہے۔ ان بیانات کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لئے قدیم کوفہ کے "نقشہ" سے مستغنی و بے پروا نہیں ہوا جا سکتا۔ (۳۸) جہاں تک موالی کے اقوال کا تعلق ہے، تو وہ ان کی اصل زبان یعنی فارسی میں مذکور ہوئے

marfat.com

ہیں (مثلا اہل بصرہ سے مِختار کی شکست پر انہوں نے کہا: ''ایں بار دروغ گفت'') یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ''انجیل مرقص'' میں (جناب) یسوع مسیح (علیہ السلام کے بعض اقوال اصل'' آرمی'' زبان میں وارد ہوئے ہیں (ابومخنف) نے جن شعراء کا ذکر کیا ہے' ان میں عبداللہ بن ہمام (طبری۲:۶۳۶=۶:۳۴'۶۴۰_۳۷) سراقہ بن مرداس (طبری۲:۶۶۴'۱۶_۱۷=۶:۵۴_۹۲) مسکین بن عامر بن اُنیف بن شریح بن عمرو بن عدس (۶۸۵_۷۰)' متوکل لیثی (۶۸۶_۶۹،۷۰:۷۰۵_۸۴) عمر بن ابی ربیعہ (۷۴۴_۱۱۲) سعید بن عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت (۷۴۵_۱۱۳) عقبہ اسدی (۷۵۰_۱۱۶) اور خصوصاً اعشیٰ ہمدان (۶۷۰'۶۷۴'۷۰۴'۷۲۳'۷۲۹_۵۹'۶۱'۶۱'۸۳'۹۷'۱۰۱'۱۰۲) نمایاں ہیں۔

marfat.com

حواشی۔ باب چہارم

ا۔ مختار کے متعلق ''فان خلدر'' VANGELDER نے ایک مفصل اور عمدہ رسالہ تحریر کیا ہے۔ یہ ۱۸۸۸ء میں Brill لیڈن سے شائع ہوا ہے۔

۲۔ طبری ۲: ۲۰ '۵۲۰=۵: ۱۵۸ '۵۶۹ میں مذکور ہے کہ مختار نے جو اس وقت ایک نوخیز جوان (غلام شاب) تھا اپنے چچا (سعد بن مسعود) کو جو مدائن کا گورنر تھا' یہ مشورہ دیا تھا کہ (حضرت) حسن (رضی اللہ عنہ) کو (۴۱ھ میں) گرفتار کر کے حضرت معاویہؓ کے حوالہ کر کے ان سے پروانہ امن حاصل کر لے (اس وقت مختار کی عمر ۴۱ سال تھی اور وہ نوخیز جوان نہ تھا)۔ لیکن ہم (ولہاؤزن) دیکھتے ہیں کہ جب زیاد نے حجر بن عدی کے ''شکایت نامہ'' (محضر) پر اس کے دستخط حاصل کرنے کی کوشش کی' تو اس نے حیلہ بہانہ سے ایسا نہ کیا اور ٹال مٹول سے کام لیا (دیکھئے طبری ۲: ۱۳۴=۵: ۳۵۲) اور طبری ۲: ۶۴۷۔ ۶۴۸=۶: ۱۱۴' ۱۱۵ میں جو روایت بیان کی گئی ہے' وہ کسی تردید کی بھی مستحق نہیں ہے (اس روایت میں ایک شیعہ کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ مختار نے اس سے یہ کہا تھا کہ حضرت علیؓ اس کے نزدیک نہایت مبغوض و ناپسندیدہ شخص ہیں)۔

۳۔ الطبری ۲: ۲۷۲ '۵۲۰ وبعد۔ ۵: ۳۸۱ '۵۶۹۔ بعد۔

۴۔ الطبری ۲: ۵۲۲ '۵۳۶ '۶۰۰=۵: ۵۷۰ '۵۸۱ '۶: ۸ '۹۔

۵۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ابن العرق کوئی مشہور آدمی تھا۔ لیکن مجھے (ولہاؤزن) اس کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں (یہ شخص بنو ثقیف کا مولیٰ یعنی آزاد کردہ غلام تھا اور ابو مخنف کا ایک راوی۔ کوئی مشہور شخص نہ تھا۔ رجال کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا)۔

۶۔ مختار'' طائف'' کے شہر میں کہ اس کا آبائی شہر تھا' ایک اجنبی کی صورت میں آیا (طبری ۲: ۵۲۶=۵: ۵۷۳) فان خلدر (ص ۲۹) کا یہ مفروضہ ہے کہ اس زمانہ میں وہ مدینہ میں

marfat.com

مقیم ابن الحنفیہ سے رابطہ رکھتا تھا۔ (یہ مفروضہ بے اصل ہے)۔

۷۔ اس خاتون کا نام ''خولہ'' تھا (الاغانی ۷:۴) (حضرت) حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) نے بھی ''بنی فزارہ'' کی ایک عورت سے شادی کی تھی۔ اس کا نام بھی خولہ تھا۔ (الاغانی ۱۱:۵۶)

۸۔ اس بناء پر ''فان خلدر'' کا وہ مفروضہ جس کی جانب ہم نے ابھی (حاشیہ ۶ میں) اشارہ کیا (ص ۱۹۹ حاشیہ ۱) ہے ایسا مفروضہ ہے جس کا بہت ہی کم احتمال ہے اور وہ بے اصل ہے (یعنی مختار کا پہلے سے ابن الحنفیہ سے کوئی رابطہ نہ تھا)۔

۹۔ عامر شعبی ایسا ہی بیان کرتا ہے (یہ شعبی یمنی قبیلہ ہمدان کی شاخ شعبان سے تعلق رکھتا ہے۔) بحوالہ ابومخنف۔

۱۰۔ ''سَبَخَہ'' وہ صحرائی نرم اور شور زمین جو ''فرات'' کی جانب سے ''کوفہ'' کے سامنے تک وسیع قطعہ اراضی کو گھیرے ہوئے تھی ''مسجد جامع'' سے متصل بازار (سوق) ''کناسہ'' (گھورا' افتادہ زمین جس پر گھروں کے کوڑے کرکٹ پھینکے جائیں) تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے پہلو میں مختلف قبائل اور محلوں کے چھوٹے چھوٹے میدان تھے ان چھوٹے میدانوں کو فارسی میں ''چہارسوج'' (چہارسو) (عربی میں ''مربع'' اور اردو میں ''چوک'') کہتے تھے۔ (طبری ۲:۳۳۷=۶:۱۰۴) اس کو عربی میں ''جبّانہ'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ جبانات (جبانہ) ان قبائل کے نام سے موسوم کر دیئے گئے تھے جو ان کے ارد گرد اور قریب رہتے تھے۔ غالباً یہ میدان (جبانات) قبائل کی مساجد کے پاس واقع تھے۔ ان قبائلی مساجد کو ''جامع مسجد'' سے وہی نسبت تھی جو چھوٹے ''گرجاؤں'' کو ''کیتھیڈرل'' سے ہوتی ہے۔ یہ میدان (جبانہ: جبانات) 'کنائس (کناسہ' کھورا' افتادہ زمین) کے میدانوں کے برابر اور بالمقابل تھے۔ یہ بنیادی طور سے مردوں کو دفن کرنے کی جگہ یعنی گورستان تھے۔ بعد میں یہ میدان (جبانہ) ان تمام ممکنہ کاموں کے لئے استعمال کئے جانے لگے' جن کے لئے تنگ اور پیچدار گلیاں موزوں نہ تھیں۔ (جبانہ کے معنی ہیں بلند' ہموار اور بے درخت زمین' چونکہ یہاں مردے دفن کئے جاتے تھے اس لئے کتب لغات میں اس کے معنی قبرستان اور گورستان بھی بتائے گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کوفہ کا شہر جندیا

marfat.com

فوجی چھاؤنی کے طور پر بسایا گیا تھا اور ہر قبیلہ کو ایک علیحدہ محلہ (حَی ۔قبیلہ) میں آباد کیا گیا تھا' ان محلوں میں مسجد قبیلہ' سوق حَیّ (بازار قبیلہ)' کناسے یعنی گھورا (افتادہ زمین) اور ہموار بلند میدان'' (جبانہ) بنائے گئے تھے یہ ''جَبّانہ'' اس مفہوم میں ''جہار سوج'' کہے جاسکتے ہیں کہ ان کے چاروں کناروں سے شہر کو راستے جاتے تھے' اسی طرح ان معنوں میں کہ یہ قبائل کے اجتماع اور عام سرگرمیوں کے مرکز بھی تھے' پارک کے نام سے موسوم کئے جاسکتے ہیں اور چونکہ یہیں مردے گاڑے جاتے تھے اسے قبیلہ کی ہڑا دڑا اور گورستان بھی کہا جانے لگا تھا' لیکن یہ جبانہ اصلاً فوجی مشقوں (پریڈ) کے میدان تھے' اس لئے ان میں درخت وغیرہ نہیں لگائے گئے تھے۔ مختصر یہ کہ تنگ اور بند گلیوں کے شہر کوفہ میں یہ جبانہ مرکزی اہمیت کے مالک تھے۔

۱۱۔ ایک مولیٰ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا گیا: اے ذلیل بازاری عورت کے بیٹے ! تو نے ''کناسہ'' میں چھوٹی نمک لگی ہوئی مچھلیاں بیچنا چھوڑ دیا اور جس نے تجھے آزاد کیا تھا' اس کے احسان کا یہ بدلہ دیا کہ اس پر تلوار لے کر چڑھ دوڑا اور اسی کا گلہ کاٹنے لگا۔ (الطبری ۲: ۶۲۳=۶: ۲۵)۔

۱۲۔ مصلحت عامہ کا یہ تقاضا تھا کہ قاضی گورنر کا نائب ہوتا کہ بوقت ضرورت اس کا دفاع کرسکے۔

۱۳۔ تاریخی مواد کے اختصار سے' جیسا کہ ''فیل'' *Well* نے کیا ہے' جو خطرات پیدا ہوتے ہیں' اس کی دلیل:

۱۔ *A-Muller* کی یہ رائے ہے کہ: ''مختار کے نزدیک قاتلین حسینؓ کی گرفتاری اور قتل سے بڑھ کر کوئی دوسری عجلت کی بات نہ تھی'' (ج ۱' ص ۳۸۰)۔ یہ رائے حقیقت کے بالکل برعکس اور خلاف ہے۔

۱۴۔ اسی طرح موالی کوفہ کے قرب وجوار کی جاگیروں میں کام کرتے تھے' مثلاً مختار کی ''جاگیر'' جہاں سے وہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ آیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ (ایرانی) موالی وہاں کے آرامی کسانوں کے ساتھ خلط ملط ہوگئے تھے۔ اس لئے عبداللہ بن زبیر (درالاغانی ۱۳: ۳۷) اپنے شعر میں ان کو'' مجوس قریٰ'' (دیہاتی بت پرست اور

marfat.com

''یہود قریٰ'' (دیہاتی یہودی) کے ناموں سے موسوم کرتا ہے مگر موالی کی یہ حقارت آمیز تعبیر قابل وثوق نہیں ہے۔ اسی طرح جو عرب قتال و جہاد کے لئے مختص تھے' وہ بالعموم کوفہ اور بصرہ کے شہروں میں رہتے تھے۔ اور غیر عرب ان کی طرف منسوب نہیں کئے جاتے تھے۔ لیکن جو بات مختار کے لئے اہم تھی اور جس کے لئے وہ کوشاں بھی تھا' وہ موالی کی اجتماعی حیثیت تھی ان کی قومیت نہ تھی۔ ایرانیوں کی حمایت اور ان کے دفاع کی کوئی خواہش اس کے دل میں نہ تھی۔ ہر چند کہ موالی کی غالب اکثریت ایرانی تھی اور ان کے حقوق کی بحالی سے بحیثیت مجموعی ایرانیوں کو زیادہ فائدہ پہونچتا' لیکن مختار کو موالی سے ہمدردی تھی' ان کی قومیت سے نہیں۔

۱۵۔ یہ کوئی شاذ و نادر واقعہ نہ تھا بلکہ عربوں کی عام روش اور ان کا معروف طریقہ تھا۔

۱۶۔ اعشیٰ ہمدان نے ان بصریوں سے جنھوں نے کوفیوں کی مختار کے خلاف مدد کرنے پر شیخی ماری تھی کہا: ''اس میں آخر فخر کی کونسی بات ہے' انہوں نے ایسے لوگوں پر فتح پائی ہے جو نہتے تھے (الطبری ۲: ۶۸۴=۶: ۶۹) موالی کو ''خشبیہ یا خشبین'' کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ نسبت لکڑی کے ڈنڈوں کی جانب ہے' جس سے وہ لڑتے تھے۔ (الطبری ۲: ۶۸۴' ۶۹۳' ۱۷۹۸' ۱۸۰۴=۶: ۶۹' ۷۵: ۷: ۲۴۵' ۲۴۹: الاغانی' ۵: ۱۵۵: ۸: ۳۳' ۱۱: ۴۷: ۱۳: ۱۶۶) موالی کے اس ''اسلحہ'' کا نام ''کافر کوبات'' (واحد کافر کوب یعنی کافروں کو کوٹنے اور فنا کردینے والا ہتھیار) پڑ گیا۔ (الطبری' ۲: ۶۹۴=۶: ۷۶' ۷۷) ۔اسی نام کا اطلاق ابو مسلم خراسانی کے حامیوں پر بھی کیا گیا ہے۔

۱۷۔ الطبری' ۲: ۶۳۱=۶: ۳۱۔

۱۸۔ دیکھئے (بصرہ کے رئیس بنی تمیم) احنف بن قیس کے نام مختار کا مکتوب در الطبری ۲: ۶۸۵=۶: ۲۱۸' ۲۱۹۔

۱۹۔اس کے برعکس طبری کا بیان ملاحظہ فرمایئے (جلد ۲' صفحہ ۶۸۹۔ ۶: ۳' ۴=۲: ۵۷۹=۵: ۶۱۲) (اس پر قوسین میں میری (مترجم اردو کی) توضیح و تصحیح تعلیق موجود ہے۔ حیرت ہے کہ علم کے باوجود مولف نے غلط بات لکھ کر مداہنت کا ثبوت دیا)۔

۲۰۔ (مکہ میں ابن الحنفیہ کی آمد کی) یہی ایک معقول اور ممکن توجیہہ ہوسکتی ہے' جس کے

marfat.com

بارے میں روایات میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

۲۱۔ رضا کاروں کے یہ دستے موالی پر مشتمل تھے، لیکن ان کے سردار عرب تھے۔ اور ان کے نام تھے (طبری ۲:۶۹۴=۶:۲۷، الاغانی: ۸:۳۲) ابو عبداللہ جد لی (یکے از جدیل ازد) دیکھئے طبری ۲:۶۵۶=۶:۴۸۔ اور (الاغانی، ۱۳:۱۶۷) ابو طفیل (مگر طبری ۲: ۱۰۶۵-۱۰۶۷۔ ۶: ۳۴۴ میں یہ نام ہے طفیل بن عامر بن واثلہ لیثی) مختار کے جتھوں کی مکہ پر یورش معرکہ ء خازر کے بعد ۶۷ھ کے اوائل میں ہوئی۔ دیکھئے واقدی کا بیان در طبری ۲:۷۴۸=۶:۱۱۴، ۱۱۵۔

۲۲۔ چونکہ وہ لوگ ''سوار'' تھے اس لئے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ ''عرب'' ہوں گے، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ان میں ''موالی'' بھی تھے۔ (طبری، ۲:۶۴۷=۶:۴۲) (متن کے ساتھ برے توضیحی نوٹ کو بھی دیکھئے)۔

۲۳۔ ان یتیموں اور بیواؤں کو غلاموں کی سب سے زیادہ ضرورت تھی کیونکہ یہ لوگ طاقت کے ذریعہ اپنی حفاظت کرنے سے سب سے زیادہ عاجز تھے۔

۲۴۔ الطبری، ۲:۶۶۷=۶:۵۶، ۵۷ یہاں جس دن کا ذکر ہے (یعنی ۲۲، جولائی ۶۸۶ء) وہ بدھ کا نہیں بلکہ اتوار کا دن تھا۔

۲۵۔ اسماء بن خارجہ فزاری، کہ عبیداللہ بن زیاد کا خسر تھا، شام بھاگ گیا۔ دیکھئے الاغانی ۱۳:۳۷س ۲۱ یہاں ''عبیدھا'' (ان کا غلام) پڑھئے۔

۲۶۔ حسب روایت طبری (۲:۶۶۷۔۶:۵۶، ۵۷) کوفہ میں ''فتنہ'' کا خاتمہ ۲۴، ذوالحجہ ۶۶ھ کو ہوا۔ اور طبری ہی کے مطابق (۲:۷۰۱=۶:۸۱) ابراہیم اس کے دو دن بعد ہی یعنی ۲۶، ذوالحجہ ۶۶ھ کو اپنی فوج لے کر گیا۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ نئے سال (۶۷ھ) کے آغاز سے پہلے وہ موصل پہونچا ہو۔ لیکن طبری (۲:۷۰۰=۶:۸۱) میں مذکور ہے کہ ابراہیم ۲۲، ذوالحجہ ۶۶ھ کو کوفہ سے موصل کے لیے روانہ ہوا۔ یوں جو واقعات کوفہ میں پیش آئے (یعنی اشراف کی بغاوت، ابراہیم کی آمد اور اشراف کی شکست) اور جو حوادث موصل کے ۹، ذوالحجہ ۶۶ھ کے معرکہ ء کے بعد رونما ہوئے (جس میں مختار کی فوج کو فتح ہوئی لیکن اس کا سپہ سالار یزید بن انس اسدی مارا گیا اور یہ مشہور ہوگیا کہ مختار کی افواج کو شکست

marfat.com

ہوگئی ہے اور ایک دوسری فوج موصل روانہ کی گئی) یہ سب واقعات معمول سے بھی کم وقت میں ظہور پذیر ہوئے اور بڑی سرعت سے ان کا اختتام ہوگیا۔

۲۷۔ یہ خرافاتی داستان الکامل صفحہ ۵۹۸ میں مذکور ہے۔ کبوتروں کی صورت میں فرشتوں کا مختار کی صفوں میں آ کر اس کی حمایت میں جنگ کرنا' غالباً سراقہ کے واقعہ کا پرتو ہے جس کا ہم کچھ ہی پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

۲۸۔ خشبیہ (ڈنڈے بازوں) نے ابو قارب کی قیادت میں نصیبین میں اس سے زیادہ طویل مدت تک قیام کیا۔

۲۹۔ اہل شام کے خلاف ابراہیم کے لشکر کو روانہ کرنے کے بعد مختار نے اس سے راستہ میں ملاقات کی۔ جب وہ ساباط سے گزرا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے پیشین گوئی کی اور کہا: "بیشک اللہ کی سپاہ (ابراہیم بن اشتر کے لشکر) نے شامیوں کو ایک دن اور رات تک شمشیر زنی کے بعد نصیبین' یا نزد نصیبین اور ان کے گھروں کے قریب شکست دیدی ہے' مگر ان کی اکثریت نصیبین میں محصور ہے" (الطبری' ۲: ۷۱۵=۶: ۹۲) جب وہ مدائن پہونچا تو اس کے پاس ابراہیم کا پہلا قاصد (فتح کی خبر لے کر) آیا۔ وہ اس وقت خطبہ دے رہا تھا۔ اس نے منبر ہی سے لوگوں سے یوں خطاب کیا: "اے اللہ کے سپاہیوں! کیا میں نے اس فتح کے وقوع سے پہلے تمہیں اس کی خوش خبری نہ سنائی تھی؟" حاضرین نے کہا: "ہاں اللہ کی قسم! آپ نے ایسا ہی کہا تھا۔" (الطبری ۲: ۷۱۵' ۷۱۶=۶: ۹۲)۔ اس پر (راوی عامر) شعبی سے اس کے ایک ساتھی نے دریافت کیا: "کیا تم اب بھی اس بات پر ایمان نہ لاؤ گے کہ مختار کو "غیب" کا علم حاصل ہے؟" شعبی نے جواب دیا: "میں اب بھی اس پر ایمان نہ لاؤں گا۔ مختار نے ہم سے کہا تھا کہ سرزمین "الجزیرہ" کے مقام نصیبین میں انہیں شکست ہوگی' جبکہ اسے "موصل" کے علاقہ "خازر" میں فتح حاصل ہوئی ہے۔" (اس پر اس پوچھنے والے نے کہا: "اے شعبی! اللہ کی قسم' تم اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک کہ دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوگے) (الطبری ۲: ۷۱۶=۶: ۹۲) مگر سائل نے اس دقیق بات کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ (مولف نے اس واقعہ کو مختار سے موالی کی عقیدت کی واضح مثال کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ بات اس وقت درست ہوتی' جب شعبی

marfat.com

سے پوچھنے والا اور مختار کے ''عالم غیب'' ہونے پر ایمان لانے والا شخص کوئی مولیٰ ہوتا۔ جبکہ یہ شخص قبیلہء ہمدان کی شاخ ''ثوریون'' سے تعلق رکھتا تھا اور کوفہ میں شعبی کا پڑوسی تھا۔ اس کا نام ''سلمان بن حمیر ثوری'' تھا۔ اس نے جنگ ''حروراء'' میں لڑ کر مختار پر ''ایمان'' کا حق ادا کر دیا اور مارا گیا۔ (دیکھئے الطبری ۶:۹۲ و بعد)

۳۰۔ دیکھئے الطبری ۲:۶۸۸=۶:۲۷، ۲:۶۶۵=۶:۵۵، ۲:۶۱۶=۷۱۷، ۶:۹۲، ۹۳)۔

۳۱۔ بصرہ سے کوفہ کی جانب افواج کا راستہ صحراء کے درمیان سے فرات کے مغربی کناروں پر پھیلا ہوا نہ تھا۔ بلکہ یہ راستہ دجلہ کی جانب چھوٹی چھوٹی نہروں سے ہوتا ہوا مدائن کے قریب تک چلا جاتا تھا، وہاں سے از سر نو نہروں سے گزرتا ہوا فرات کی جانب انبار کے قریب تک پھیلا ہوا تھا۔ ''پیادے'' کشتیوں کے ذریعہ اور ''سوار'' ان کے قریب قریب چلتے تھے۔ رجوع کیجئے واقدی کے بیان کی طرف در طبری ۲:۷۴۸=۶:۱۱۴، ۱۱۵۔ بضمن پیشین گوئی مختار۔

۳۲۔ اس ضمن میں طبری ۲:۹۲۱=۶:۲۴۳ سے رجوع کیجئے۔

۳۳۔ یہ معرکہ کس تاریخ کو پیش آیا، اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ الاغانی ۱۳:۳۸، ۱۶۷ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس سے کوئی نتیجہ نکالنے کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس واقعہ کی تاریخ کا تعین یوں کیا جا سکتا ہے کہ مختار کو چار ماہ کے محاصرہ کے بعد (۱۴) رمضان ۶۷ھ کو قتل کیا گیا۔ اس بناء پر اس معرکہ (جنگ حروراء) کی تاریخ نصف (۱۵) جمادی الاولیٰ (۶۷ھ) ہونی چاہئے (یعنی اوائل دسمبر ۶۸۶ء)۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس شب چاند روشن تھا۔ واقدی کی روایت میں جسے طبری نے نقل کیا ہے (۲:۷۴۸=۶:۱۱۴، ۱۱۵) مذکور ہے کہ قتال طلوع و تابانی ماہ تاب کے ساتھ شروع ہوا۔ بصرہ والوں کو مختار کے ساتھیوں نے پس پا کر کے ان کے خیموں تک ڈھکیل دیا۔ اس کے بعد انہوں نے بڑی بہادری سے اپنا دفاع کیا اور مختار کے ساتھی ایک ایک کر کے اس کا ساتھ چھوڑتے گئے اور جب صبح ہوئی تو اس نے اپنے کو یکہ و تنہا پایا۔

۳۴۔ کوفہ کا شہر کھلا ہوا تھا (اس کے گرد کوئی حصار نہ تھا) اور وہ کوئی مضبوط قلعہ بند شہر نہ تھا۔ لیکن شہر کی تنگ و بند گلیوں کی وجہ سے اس کا دفاع نسبتاً آسان ہو گیا تھا۔

marfat.com

۳۵۔ دیکھیے روایت واقدی در طبری ۲: ۷۴۹ = ۶: ۱۱۵۔

۳۶۔ بعد میں ایک طویل عرصہ تک مختار کی نسل کے لوگ کوفہ میں قیام پذیر رہے۔ دیکھیے طبری: ۳: ۴۶۸ = ۸: ۱۲۲ و بلاذری (فتوح البلدان) صفحہ ۳۰۸ و صفحہ ۳۶۶۔

۳۷۔ (ابومخنف کی روایتوں کے) ساتھ (مختار کے متعلق) یہ روایتیں بھی ہیں مثلاً:۔
مدائنی کی روایت در طبری۔ جلد دوم، صفحہ ۶۸۰، ۷۱۷، ۷۴۹۔ (جلد ششم، صفحہ ۶۶، ۹۳، ۱۱۵، ۱۱۶) واقدی کی روایت در طبری۔ جلد دوم، صفحہ ۷۴۸ (جلد ششم، صفحہ ۱۱۴، ۱۱۵)۔
اور دوسری روایات در طبری۔ جلد دوم، صفحہ ۶۵۱، ۶۶۵، ۶۸۴، ۷۰۲، ۷۱۴، ۷۳۱، ۷۴۶۔
(جلد ششم، صفحہ ۴۴، ۴۵، ۵۵، ۶۹، ۸۲، ۹۰، ۱۰۳، ۱۱۳)۔

۳۸۔ (مستشرق لوئی ماسینیوں نے قدیم کوفہ کا نہایت محقق نقشہ تیار کیا ہے۔ اس کا مطالعہ مفید ہوگا)۔

marfat.com

باب پنجم

مختار ثقفی کے عقائد وافکار

(جیسا کہ باب چہارم کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہوگا' مختار ثقفی کی شخصیت ہماری تاریخ میں متنازعہ فیہ رہی ہے۔ مورخین نے اس کی ذات پر نفرین و ملامت کے ان گنت تیر برسائے ہیں۔ اس کی ذات سے ایسے اعمال واحوال منسوب کردیئے ہیں جو اس سے کبھی سرزد نہ ہوئے۔ ایسے عقائد وافکار کے اسلام میں ادخال کے لئے اسے مطعون کیا گیا ہے' جو یہودیت' نصرانیت' صائبیت' مجوسیت اور بدھ مت کے براہ راست یا بالواسطہ اثرات کے بطور سرزمین بابل میں پہلے سے موجود تھے۔ یا پھر ایران' خراسان وسجستان کے ایران جنگ کے عراق میں در آنے کے باعث شائع وضائع ہوئے یا پھر یمن کی یہودیت کے ذریعہ عراق میں نو آباد عربوں میں پھیلے۔ اس ضمن میں ''عقاید'' پر لکھنے والوں نے انہیں مورخین کی تقلید کی اور متاخرین کے ایزادات کو مختار سے نسبت دے کر مزید غلط فہمی کے مواقع فراہم کئے۔ بات اتنی سی ہے کہ مختار نہ مفکر تھا' نہ متنبی تھا اور نہ بانی' مذہب' وہ ایک طالع آزما تھا اور یزید اول کی موت سے عبدالملک کی خلافت تک کے درمیانی عرصہ میں دنیائے اسلام کی پراگندگی اور عراق کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر جن لوگوں نے حصول اقتدار کی کشمکش میں حصہ لیا انہیں میں وہ بھی تھا۔ یہ بحث کہ وہ مخلص تھا یا نہیں' چنداں اہم نہیں' اگر اسے کامیابی حاصل ہوجاتی تو تاریخ اس کے سر پر تاج سجا دیتی ناکام کو تو بھی سنگ سار کرتے ہیں)۔

لوگ مختار (بن ابی عبیدہ بن مسعود ثقفی) کو جادوگر (ساحر) کہتے تھے۔ (الطبری ۲:۷۳۰=۶:۱۰۳) اسے ''دجال'' کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا (الطبری ۲:۶۸۶=۶:۷۰)۔ اور اس کو عموماً کذاب'' کی بُری صفت سے متصف کیا جاتا تھا۔ اس صفت سے

marfat.com

اسے اس لئے متصف نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ خود کو محمد بن حنفیہ کی جانب سے جھوٹ ''مکلف'' (ذمہ دار) ٹھہراتا تھا' بلکہ اس لئے کہ اس نے اپنے کو ''نبی'' ظاہر کیا تھا۔ سچ یہ ہے کہ مختار نے اپنے کو کبھی بھی ''نبی'' کے لقب سے ملقب نہیں کیا مگر اس سے ایسے اعمال وافعال ضرور سرزد ہوئے' جن سے یہ تاثر قائم ہوتا تھا کہ وہ نبی ہے۔ وہ خود کلامی کے انداز میں یوں کلام کرتا تھا' کہ جیسے بارگاہ خداوندی میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے ''غیب'' کی باتیں جاننے کے دعوی کئے۔ وہ بڑی روانی ومہارت کے ساتھ ''کاہنوں کی طرح'' ''سجع'' (مقفیٰ و مسجع) میں گفتگو کرتا تھا اور عمداً وارادتاً اپنی شخصیت کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مختار کو اپنی ان چالبازیوں میں یک گونہ کامیابی بھی حاصل ہوئی' ہر چند کہ اس کی یہ کامیابی خواص وعقلاء میں جہلاء کے مقابلے میں نہایت معمولی تھی۔ جب تک فتح وظفر اس کی حلیف وہم عنان رہی' اس پر ''ایمان لانے والوں'' کے دائرے وسیع ہوتے گئے' لیکن جب شکست وناکامی کی آزمائشوں نے اسے آ گھیرا تو دنیا اس سے برگشتہ ہوگئی۔ اس کی موت کے بعد روایتیں اس کی یاد پر ملامت ونفرت کے تیر برساتی رہیں۔ ابتداء میں یہ روایتیں اس کی صورت کو مسخ کئے بغیر اس کی مذمت کرتی رہیں' لیکن بعد ازاں آخری مراحل میں اس کو ایسے اوصاف سے متصف کرنے لگیں' جن میں کینہ اور عداوت کے جذبات نمایاں تھے۔ ان اوصاف بد سے جو صورت ابھرتی ہے اور اس کی جو تصویر منعکس ہوتی ہے' وہ بعد میں آنے والی نسلوں کی وضعی روایات پر مبنی ہے ڈوزی نے اپنی کتاب ''مقالہ بر تاریخ اسلام'' (۱) میں مختار کی جو تصویر پیش کی ہے اس میں ان متاخر روایات کے سوا کوئی اور روایت نہیں کی گئی ہے (یعنی ڈوزی نے مختار کی تصویر کشی کے لئے جو مصالحہ استعمال کیا ہے' وہ انہیں بعد کی مبنی بر عداوت وکینہ روایات سے حاصل کیا گیا ہے)۔ چنانچہ وہ مختار کے بارے میں کہتا ہے کہ: ''جنگ کے دوران وہ خود سفید کبوتروں'' کو چھوڑنے کا حکم دیتا تھا'' وہ خارجی'' تھا بعد ازاں ''زبیری'' ہوگیا' پھر ''شیعہ'' بن گیا۔ اور اس نے اللہ کے خلاف ''بداء'' کا عقیدہ گھڑا' (۲) تاکہ ایک بات سے دوسری بات کی جانب پلٹ جانا اس کے لئے آسانی سے ممکن ہوجائے۔ (۳) لیکن ڈوزی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ مختار کی اصلیت جاننے کی کوشش میں اس کی ہنسی اڑائے اور اسے ملامت کا نشانہ

marfat.com

بنائے۔ خوش قسمتی سے تاریخ طبری کی اشاعت (لائیڈن ۱۸۷۹ء تا ۱۸۹۲ء) نے اس شخص کی اس طرح کی تصویر کشی پر ایک حد لگا دینے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

اگر اس سوال کا جواب دینا ضروری ہی ہے کہ: "کیا مختار نبی صادق تھا یا وہ جھوٹا نبی (متنبی) تھا؟" تو اس سوال کی اس تعدیل (تبدیلی) سے کوئی مفر نہ ہوگا کہ: "کیا مختار مخلص تھا' یا مخلص نہیں تھا؟" مختار پر یہ الزام لگا کر اس گرفت کی جاتی ہے کہ اس نے حکومت واقتدار تک پہونچنے میں دعویٰ نبوت سے مدد حاصل کی۔ ڈوزی کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے تھا کہ اسلام ایک "سیاسی دین" ہے اور جو بھی "مسلمان نبی" ہوگا اس کے لئے اقتدار کے حصول کی کوشش کرنا ضروری ہوگا (جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے آخری نبی و رسول ہیں' اسلام میں آپؐ کے بعد کسی کے نبی ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اس لئے ولہاؤزن کو یہاں "مسلمان نبی" کے بجائے "مسلمان سربراہ حکومت" کہنا چاہیے تھا۔ اقتدار کے حصول کے لئے نبوت کا دعویٰ اسلام کی نفی اور اللہ ورسول سے کھلی بغاوت ہے اور ہر "مدعی نبوت" دائرہ اسلام سے خارج ہے)۔ مگر مختار پر اس گرفت سے بڑھ کر جو بات سخت قابل مواخذہ ہے اور اس پر جو بڑا وزنی الزام ہے' وہ یہ ہے کہ اس نے ایک ہیولے اور تصویر خیالی کے پیچھے اپنی ذات کو مستور کر لیا تھا۔ یہ تصویر خیالی محمد بن حنفیہ کی تھی۔ انہیں مختار کی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی علم نہ تھا اور نہ وہ اس کے متعلق کچھ جاننا ہی چاہتے تھے۔ اس لئے اس جانب سے اس کا ضمیر پاک صاف نہ تھا۔ لیکن یہ بھی ہے کہ اس وقت کے حالات نے مسلمان اور شیعہ ہونے کے ناطے اس کو اپنے نام سے ظاہر ہونے کی اجازت نہ دی اور اس کے لئے یہ لازم وضروری ہو گیا کہ اپنی ذات کے لئے "مہدی مستتر" کے "امین" (نمائندہ نائب) کا "مرکزی عہدہ" وضع کر کے اس کے پس پردہ رہے۔ ایسا کر کے اس نے ایک "مثال" قائم کر دی' جسے آپ مستقبل میں پھلتے پھولتے دیکھیں گے۔ ایسی جنّی (خفیہ' پوشیدہ) طبیعت والے افراد' ہمیشہ ابہام' اسرار اور اشتباہ سے معمور ہوتے ہیں اور ان میں وضوح (کھلاپن) کوئی خاص قابل تعریف صفت متصور نہیں ہوتی۔ (یوں مختار کا اپنی ذات کو محمد بن حنفیہ کے پردہ میں مستور کر لینا' اس کے مزاج کے عین مطابق تھا اور اس نے آنے والوں کے لئے ایک ایسی مثال قائم کر دی جس

marfat.com

کی بعد کے ادوار میں بڑی کامیابی سے تقلید کی گئی' مثلاً دعوت عباسیہ" کے دوران کہ امام کا نام مستور رکھا گیا)۔ اب رہا مختار کے خلوص کا مسئلہ۔ تو یہ توُ اس سوال سے آگے نہیں بڑھتا کہ: ''اُسے اپنی ذات پر اعتماد و یقین تھا؟'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں معاملہ یہی تھا (یعنی اس کو اپنی ذات پر یقین و اعتماد تھا)۔ بعد ازاں اس میں بڑھاپے میں اعلیٰ شعور بیدار ہوا۔ یوں اس میں یہ خود پسندی' دینی اعتماد و یقین کے ساتھ خلط ملط ہو کر اس مضبوط ٹیلے کی طرح ہوگئی جس کی جڑیں زمین میں مستحکم اور گہری ہوں۔ چنانچہ جس زمانے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی اور وہ کچھ بھی نہ تھا' اپنے کو بڑے بڑے خطرات و مشکلات میں ڈالنے لگا۔ اور اپنی ذات پر فاتحانہ اعتماد' اور اپنے مقاصد کو متعین کرنے کے واضح و نمایاں اوصاف کی وجہ سے' وہ دنیا کو حیرت و استعجاب میں مبتلا کرنے لگا یہ فرض کرنا درست نہیں کہ یہ باتیں صرف ایک ڈرامے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ بلکہ زیادہ مناسب یہی ہے کہ ہم اس کے بارے میں یہ کہیں کہ اسے اپنی ذات پر حد درجہ اعتماد و یقین تھا۔ اور اس طرح سے اس نے دوسروں کے دلوں میں بھی اپنے (مختار) پر ایمان و اعتماد پیدا کر دیا۔ اور عوام کو سرگرم و متحرک بنا دیا۔ یہ سچ ہے کہ بعد میں عوام میں آگ بھڑکانے کی غرض سے وہ راکھ میں پھونک مارنے پر مجبور ہوا۔ مگر اس وقت تک اس نے اپنی فکر کی تکوین و تشکیل کر لی تھی اور اپنے کو خطروں میں ڈالنے اور جان جوکھم کے کام سرانجام دینے لگا تھا۔ اس کے اندھے پیروؤں نے اسے ڈھکیل کر وہاں پہونچا دیا' جو اس کے منشاء و ارادہ کی حدود سے متجاوز تھا اور جہاں تک وہ جانا نہ چاہتا تھا۔ اسے ان لوگوں (اپنے حامیوں) کی حمایت کی ضرورت تھی اور ان کی منہ زوری کو لگام دینا اس کے بس میں نہ تھا۔ اور معاملہ اس حد تک پہونچ چکا تھا کہ اگر وہ اپنے پیروؤں کو روکنا بھی چاہتا تو روک نہیں سکتا تھا حتمی بات یہ ہے کہ ہر تحریک میں اصل اہمیت اس بات کی ہوتی ہے جس سے اس کا آغاز کیا جاتا ہے۔ سختی و اصول پرستی ہمیشہ صاف ستھری نہیں رہتی اور بعد میں پیش آنے والے حالات سے ان میں تبدیلی اور ملاوٹ ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ یہ بات بہت آسان ہوتی ہے کہ ''نبی'' (سچا مدعی) ''متنبی'' (جھوٹا نبی) میں بدل جائے۔ یہ کہنا صریح بہتان ہے کہ مختار نے اپنی آخری آزمائش و ابتلاء میں مذاق اڑاتے ہوئے اپنے نفاق کا اعتراف کیا تھا۔ اور اپنے

marfat.com

مخلص پیروکاروں کا تمسخر کیا تھا۔ اس کی سرزنش اور اس روایت کی تغلیط کے لئے صرف یہی واقعہ کافی ہے کہ اس کی بیوی (عمرۃ بنت نعمان بن بشیر انصاری) نے جو مدینہ کے ایک روادار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی' اس کے قتل کے بعد اس کی حمایت میں جان دیدی تھی اور اس پر اپنے ایمان واعتماد سے انکار کرنا قبول نہ کیا تھا۔ کچھ اور لوگ بھی تھے جو اس کی ہلاکت کے بعد بھی اس کے مخلص تھے (مثلاً مختار کے قاتل مصعب بن زبیر کو جب عبدالملک اموی کے مقابلہ میں ہزیمت اٹھانی پڑی اور وہ بے یار و مددگار تنہا رہ گیا) اور دشمن کے تیروں کی زد پر تھا' تو ''دیر جاثلیق'' کے قریب اس معرکہ میں مختار کے ایک پیرو زائدہ بن قدامہ نے اسے دیکھ لیا اور غفلت میں اس پر نیزے کا وار کر کے اسے گرا دیا اور فرط مسرت سے چلایا: ''یالثارات المختار'' (مختار کے انتقام خون کی جے ہو!)۔ یوں (مختار کا قاتل) مصعب بن زبیر کہ ''بڑا خوں ریز (سفاک الدماء) تھا' اپنے دشمن کے ایک پر جوش پیرو کے ہاتھوں مارا گیا (الطبری ۲:۸۰۹=۶:۱۵۹)۔

لیکن کسی واقعہ کے اختتام پر تاریخ کا یہ منصب نہیں ہوتا کہ (غلط روایات سے غلط نتائج اخذ کر کے) دلوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا جائے بلکہ اس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ اس واقعہ سے متعلق افراد کے اعمال و افعال کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جائے اور ان کا یقین کیا جائے۔ چنانچہ مختار کے واقعات اور اس کے احوال جو بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں' اور اس کے مزاج کی جو بھی کیفیت ہو' سچ یہ ہے کہ اس نے ایسے آثار اور یادگاریں اپنے پیچھے چھوڑی ہیں' جن کی قدر و قیمت متعین کرنے میں درست اندازہ لگانا' آسان وسہل نہیں ہے۔

اس وقت تشیع نے کوفہ میں ایک نیا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اور اس کی پرانی شکل باقی نہ رہی تھی۔ جس مفہوم و معنی پر تشیع کا اطلاق ہوتا تھا' اس کا ہم کو ایک حد تک علم ہو چکا ہے۔ دراصل وہ شامی اقتدار کے خلاف عراقی جدوجہد کا عام سیاسی محاذ تھا۔ اور ابتداء میں اشراف (معززین) تمام دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک ہی صف میں تھے اور وہی ان کی قیادت کرتے تھے۔ لیکن جب خطرے نے انہیں چاروں طرف سے آ گھیرا' تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور شام کی اموی حکومت کی ترغیب سے وہ نرم پڑ گئے بعد

marfat.com

میں ان سے شیعوں کی بغاوت کو فرد کرنے کا کام لیا جانے لگا۔ یوں وہ (اشراف) شیعوں سے علیحدہ ہو گئے۔ اور شیعوں کا دائرہ محدود ہو گیا۔ اور اس نے بتدریج ایک نئے مذہب کی صورت اختیار کر لی جو اشرافیہ اور قبائلی نظام کے بالمقابل اور ان سے متعارض تھا۔ اپنے پیاروں اور رہنماؤں کے قتل کے سبب یہ لوگ ایک مثالی فکر اور مزاج کے مالک بن گئے (جناب) سلیمان بن صرد خزاعیؓ کے حامی کوفہ کے قبائلی اشرافیہ کے خلاف بغاوت و شورش برپا کرنا چاہتے تھے' مگر مختار پہلا شخص تھا جس نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ''موالی'' کو بھی اس تحریک میں جذب کر لیا اور انہیں اپنا ہم خیال بنا لیا۔ ان ''موالی'' کو اپنا ہم خیال بنانا اس لئے بھی آسان تھا کہ وہ قومی اور گروہی رجحانات کے برخلاف دینی حکم واقتدار کی جانب واضح رجحان و میلان رکھتے تھے۔ ہر چند کہ اس وقت تک عرب ہی اس کے کرتا دھرتا تھے اور ''موالی'' ان لوگوں کو سخت ناپسند کرتے تھے' جو عربوں کی سیادت کے حامی وناصر تھے۔

جب شیعہ مظلوم عناصر سے مل گئے تو' عربی قوم پرستی کی گرد سے پاک صاف ہو گئے اور ان کے مابین تعلق وارتباط کا جو حلقہ بنا وہ حلقہ اسلام کا تھا۔ (یعنی عرب و عجم کی تفریق مٹا کر وہ اسلام کی وحدت میں ضم ہو گئے)۔ لیکن یہ قدیم اسلام نہ تھا' بلکہ دین اسلام کی ایک نئی صورت تھی (الطبری' ۲: ۷-۶۴۷، ۶۵۱-۴۲:۶-۴۴)۔ اس نئے دین کا نقطہء آغاز ایک عجیب وغریب اور مبہم بدعت سے اخذ کیا گیا جسے ''سبعیہ'' کہا جاتا ہے۔ مختار نے اپنے کو اس بدعت میں ملوث کر لیا تھا۔ ''سبعیہ'' (سبائیوں) کی تحریک نے ایک ایسا رخ اختیار کیا' جس نے ان کے مختلف طبقات پر گہرا اثر ونفوذ قائم کیا اور جس کا مقصد یہ تھا کہ سنی اسلام کے مقابلہ میں نہایت سختی کی حکمت عملی اپنائی جائے اور شیعوں اور سنیوں کے مابین اختلافات میں حد سے زیادہ اضافہ ہو جائے۔ ''سبعیہ'' کو ''کیسانیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ ''یہ کیسان'' موالی کا لیڈر تھا۔ (۴) سو اگر وہ بیک وقت ''سبعیہ'' کا لیڈر بھی تھا' تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے' ''سبعیہ'' اور ''موالی'' قریب قریب ایک ہی تھے (الطبری' ۲: ۶۲۳=۶: ۲۵: ۶۵۱-۴۴'۴۵)۔ اس نتیجہ پر اعتماد کر کے بعض فضلاء نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ ''تشیع'' ''ایک ''مذہب دینی'' کی حیثیت سے ''ایرانی الاصل'' ہے' کیونکہ

marfat.com

''کوفہ'' کے ''موالی'' کی غالب اکثریت ''ایرانی'' ہی تھی۔ ڈوزی نے اپنی مذکورہ کتاب (صفحہ ۲۲۰ و بعد) میں لکھا ہے: ''حقیقت یہ ہے کہ ''شیعہ'' فارسی (ایرانی) فرقہ ہے۔ اور اس میں عرب قوم، جو آزادی و حریت سے محبت کرتی تھی۔ اور ایرانی قوم جو غلاموں کی طرح خضوع و اطاعت کی عادی تھی کے مابین فرق بہت واضح و نمایاں نظر آتا ہے۔ نبی کے جانشین (خلیفہ) کے انتخاب کا معاملہ، ایرانیوں کے نزدیک ایک خلاف عادت اور نا قابل فہم امر تھا، کیونکہ حکومت میں وراثت کے اصول کے علاوہ وہ لوگ کسی اور اصول سے ناواقف تھے، اس لئے انھوں نے یہ عقیدہ اختیار کرلیا کہ (حضرت محمد ﷺ) نے اپنے بعد کوئی بیٹا اپنا وارث نہ چھوڑا، اس لئے یہ بات لازمی ہے کہ آپ کے داماد (حضرت) علی آپ کے وارث ہوں اور خلافت کا حق آل علیؑ میں موروثی ہونا ضروری ہے۔ اس بناء پر (حضرت) علی کے علاوہ دوسرے تمام خلفاء ان لوگوں کی نظروں میں غاصبانہ اقتدار پر قابض ہوگئے تھے۔ اور ان کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے عربی اقتدار اور حکومت موقتہ کے خلاف ان میں کراہیت و نفرت کو مزید تقویت پہونچی تھی۔ چنانچہ تشیع کے ساتھ اپنے عرب آقاؤں کے خلاف بغاوت ان کا مطمح نظر بن گئی تھی۔ ایرانی اس بات کے بھی خوگر تھے، کہ ان کے بادشاہوں کی نسل سے ایسے بیٹے، پوتے پیدا ہوں، جو ان ''دنیاوی خداؤں'' کی صلبی اولاد ہوں اور یکساں تعظیم و تکریم کے مستحق ہوں۔ انھوں نے اس بت پرستانہ توقیر و تحریم کو (حضرت) علی اور ان کی ''ذریت'' کی جانب منتقل کردیا۔ چنانچہ اس ''امام'' کی ''اطاعت مطلق'' جو (حضرت) علیؑ کی نسل میں ہو، ان کے ہاں ''واجب اعلیٰ'' تھی۔ اس میں انہوں نے یہاں تک ''غلو'' کیا؛ اور کہا کہ اگر کسی نے اس واجب کو ادا کردیا، تو اس کے بعد ضمیر کی ملامت کے بغیر وہ دیگر واجبات دینیہ و تکالیف شرعیہ کی ''رمزی تفسیر'' کرسکتا ہے، وہ حدود شرعیہ سے تجاوز کرسکتا ہے اور؛ امور دینیہ کی حدود کو پھلانگ سکتا ہے۔ ان کے نزدیک ''امام'' ہر چیز ہے۔ وہ اللہ ہے جو ''بشری'' صورت میں مجسم ہوکر انسانوں کے درمیان آیا ہے۔ سواندھی بندگی و عقیدت کہ ''حرمات'' شرعیہ کی ''پردہ دری'' (انتہاک) سے خلط ملط ہوگئی ہو، ان کے مذہب کی اساس ہے۔ اسی سے ملتی جلتی بات (مستشرق) اے ملر (A. Muller) نے بھی اپنی کتاب میں کہی ہے (جلد ا: ص

marfat.com

۳۲۷) اور اس پر یہ اضافہ کیا ہے: "ایرانی اسلام سے پہلے ایک عرصہ تک ہندی افکار کے زیر اثر رہے تھے اور اس عقیدہ کی جانب ان کا جھکاؤ رہا ہے کہ شہنشاہ (سمراٹھ) پر ماتما کی روح کا وژن (جسمانی مظہر) ہوتے ہیں۔ اور یہ "روح الٰہی" ان کے بادشاہوں میں آباء (اسلاف' باپوں) سے ابناء (اخلاف، بیٹوں) میں منتقل ہوتی رہتی ہے"۔ یہ بات کہ شیعوں کے افکار وعقائد ایرانیوں کے مزاج سے مناسبت رکھتے ہیں ایسی ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ افکار وعقائد ایرانیوں کی اختراع ہیں' درست نہیں ہے۔ کیونکہ محض مناسبت اس کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ تاریخی روایات اس کے برعکس ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ واضح وصریح تشیع پہلے عربوں کے حلقوں (دوائر' دائرہ) میں قائم ہوا تھا اور بعد ازاں موالی میں منتقل ہوا۔ اور اس نے موالی وعرب حلقوں کو متحد ومجتمع کر دیا۔ جو لوگ "کرسئ مقدس" کے چاروں طرف جوش سے اچھلتے کودتے تھے' اور جن کو "سبئیہ" کہا جاتا ہے (الطبری' ۲: ۷۰۳=۶: ۸۳) وہ موالی نہ تھے بلکہ عرب تھے۔ کیونکہ وہ لوگ نہد' خارف' ثور' شاکر اور شبام (۵) کے ضمنی قبائل (عشائر' عشیرہ) سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ "سبئیہ" اپنے عجیب وغریب عقائد کی وجہ سے اپنے عشائر سے نہایت خراب تعلقات رکھتے تھے۔ خصوصاً عشیرہء شبام کے ہمدان سے' کہ وہ اسی کی شاخ تھا' تعلقات بہت کشیدہ تھے۔ حالانکہ یہ لوگ مختار کے معتمد علیہ اور اس کے بہت مخلص تھے۔ اور اس کی خاطر آگ میں کود جاتے تھے اور اپنے عشائر کی مخبری بھی کرتے تھے۔ ہمیں ان عرب شیعوں کے ایک "خفیہ گروہ" (۶) کا حال معلوم ہے جو کوفہ کی دو ممتاز خواتین کے گھروں میں اکٹھا ہوتے تھے' اس گروہ کے ارکان میں سے بعض کے نام بھی مذکور ہیں' انہیں میں ابن نوف ہمدانی بھی تھا' جو اپنے آقا واستاد مختار سے نبوت کی پیشینگوئی میں بازی لے گیا تھا۔ اور اس کی ہمسری کا مدعی تھا۔ یہ شخص "کرسیء مقدس" کے متعلق "وحی" گھڑتا تھا۔ (اس عہد کے مشہور شاعر) اعشیٰ بنی ہمدان کا ایک چچا "اس وحی" سے بہت متاثر تھا۔ اس "کرسئ مقدس" کا پہلا پروہت (ساون) موسیٰ بن ابی موسیٰ اشعری تھا۔ اس کے بعد حوشب البرسمی (کہ وہ بھی عرب تھا) اس کا دوسرا پروہت اور پجاری ہوا۔ ان سبھوں کا تعلق "یمنی" قبائل سے تھا۔ روایت ہے کہ اسی کرسی کو مختار نے یہ کہہ کر کہ یہ (حضرت)

marfat.com

علی بن ابی طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی کرسی ہے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔(۷) مگر دوسری روایتوں میں اس کے برخلاف بات کہی گئی ہے۔(۸) یہ دوسری روایتیں تصدیق واعتماد سے نسبتاً زیادہ قریب ہیں۔ بہرکیف یہ کرسی یمنیوں کے قبضہ میں تھی اور اس کی اصل کو انہیں کے ہاں تلاش کرنا چاہئے۔ یہ "کرسئ مقدس" کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے ہوائے نفس نے ایجاد کیا ہو بلکہ "بت پرستی" (وثنیت) کا ایک جزو (قطعہ، ٹکڑا) تھی۔ یہ دراصل اللہ کی کرسی تھی، پھر علیؓ کی کرسی تھی، کیونکہ ان لوگوں نے (حضرت) علیؓ کو اللہ بنادیا تھا۔(۹) "اللہ کی ان خالی کرسیوں" کا ہمیں بکثرت ذکر ملتا ہے، ہرچند کہ بالعموم وہ لکڑی کی بنی ہوئی نہیں ہوتی تھیں۔

"سبئیہ" کی اصل وابتداء کا تعلق (حضرت) علی و (حضرت) حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے زمانے سے ہے۔(۱۰) اور اسے عبداللہ بن سبا کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اس شخص کے عجیب وغریب نام سے یہ بات عیاں ہے کہ یہ بھی یمنی تھا۔ اس کا تعلق یمن کے دارالحکومت "صنعاء" سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ "یہودی" تھا۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ "فرقہ سبئیہ" یہودی الاصل ہے۔ دراصل مسلمان ہر اس شخص پر "یہودی" کا اطلاق کرتے ہیں جو "یہودی" نہیں ہوتا۔(۱۱) لیکن یہ امر واضح وظاہر ہے کہ شیعوں کا جو مذہب عبداللہ بن سبا کی جانب منسوب ہے اور اسے جس کا بانی کہا جاتا ہے۔ ایرانیت سے زیادہ یہودیت کی جانب اور اہل ایران سے زیادہ یہود کی طرف راجع ہے کہ وہی اس کا مرجع ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم اس مسئلہ کو اس سے زیادہ اہمیت دیئے بغیر جس کا وہ مستحق ہے یہاں بیان کرنے جارہے ہیں۔(۱۲)

(حضرت) علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے قدیم انصار ان کو دوسرے "خلفاء راشدین" کے مساوی وہم مرتبہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ (حضرت) ابوبکر صدیق و (حضرت) عمر فاروق (رضی اللہ عنہم) اور اسی طرح (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہم) جب تک وہ "عادل" تھے، کے ساتھ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو جانا جاتا تھا۔ اور اموی غاصبینِ خلافت کے مقابلہ میں ان کو "خلافت شرعیہ" کے استمرار وتسلسل کی صفات سے متصف اور اس کی علامت تصور کیا جاتا تھا۔ خلافت میں ان کا حق اس لیے بنتا تھا کہ وہ افاضل صحابہؓ

marfat.com

میں سے تھے، وہ ان کے چوٹی کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور اہل مدینہ نے ان کی بیعت کی تھی۔ ان کے استحقاق خلافت کا سبب، کم از کم اس وقت تک یہ نہ تھا کہ وہ ''آل بیتِ رسولؐ'' سے تھے (۱۳)۔ ہر چند کہ یہ بات واضح ہے کہ خود ''آلِ بیت'' نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خلافت کی وراثت کا ابتداء ہی سے دعویٰ کیا تھا۔ اسی طرح (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی وفات کے بعد بنو امیہ کے مقابلہ میں ان کی اولاد کو ''مدعیان خلافت'' کی نظر سے دیکھا جاتا تھا کہ وہ اس منصب کے شرعی حق دار ہیں۔ مگر یہ تمام باتیں خلافت کے دعویٰ پر موقوف تھیں۔ اور یہ ضروری ہے کہ ہم ''دعویٰ خلافت'' و ''دعویٰ نبوت'' کے مابین فرق و امتیاز کریں۔ ابن سبا نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ ''نبوت'' (جناب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ختم نہیں ہوئی، بلکہ (حضرت) علیؑ اور ان کی اولاد میں تسلسل و استمرار کے ساتھ ''سلسلہ نبوت'' جاری و ساری ہے۔ تشیع میں یہ عقیدہ ایک آخری قدم تھا۔

یہ عقیدہ (فکر)، کہ نبی، بادشاہ ہے جو زمین پر اللہ کے سلطان (اقتدار) کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، یہودیت سے اسلام کی جانب منتقل ہوا ہے (۱۴)۔ لیکن ''سنّی اسلام'' کا یہ عقیدہ ہے کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاتم النبین ہیں۔ ان کے وصال کے بعد ان کی جگہ ان کی ''شریعت'' نے لے لی۔ یہ ''اثر مجرد'' ہے جو ''غیر مشخص'' اور نہایت کم قدر و قیمت کا حامل ان کا ''بدل'' (عوض) ہے۔ یہ نازک کی تھی، چنانچہ یہاں سے شیعوں کے افکار و نظریات کی ابتداء ہوتی ہے۔ جس ''مبدء اساسی'' سے شیعوں کے مذہب کا آغاز ہوا وہ یہ ہے کہ: ''نبوت، الوہی اقتدار (السلطۃ الالھیۃ) کی ''زندہ شخصی پیش گاہ'' (معرض) ہے جو ضرورتاً ''خلافت'' سے منسوب ہوتی ہے اور اس میں تسلسل کے ساتھ زندہ رہتی ہے (الطبری ۲: ۱۹۶۱ ـ ۷: ۳۶۱)۔

(حضرت) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے ''انبیاء'' کا ایک طویل و متصل سلسلہ موجود تھا، جو یکے بعد دیگرے آتے رہے یہ یہودیوں کے عقیدہ سے ''مماثل'' ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''انبیاء'' کا ایک ''نازک سلسلہ'' ہے اور جیسا کہ ''اصحاح ۱۸'' ''سفر تثنیہ الاشتراع'' (DEUT.18) میں مذکور ہے کہ کوئی زمانہ ایک نبی سے خالی نہ ہوگا جو (حضرت) موسیٰؑ اور ان کی نوع کا جانشین ہوگا۔ (ان کے عقیدہ کے مطابق) ''انبیاء'' کا

marfat.com

یہ سلسلہ (حضرت) محمد (ﷺ) پر ختم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر ''نبی'' کا ایک ''جانشین'' (خلیفہ) ہوتا ہے۔ جو اس نبی کی زندگی میں اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ یہ ''زمیل ثانی'' (دوسرا ساتھی، صاحب دوم) ہے۔ یہ عقیدہ بھی یہودی فکر سے مستعار لیا گیا ہے۔ چنانچہ (حضرت) موسیٰ کے ''خلیفہ'' (جناب) یوشع تھے، اسی طرح (جناب) محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے ''خلیفہ'' (جناب) علی (رضی اللہ عنہ) تھے، یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہے گا۔ ہر چند کہ (حضرت) علیؓ اور ان کی اولاد پر لفظ ''نبی'' کا اطلاق نہیں کیا گیا، اور بالعموم ان کو ''وصی''، ''مہدی'' یا ''امام'' کہا جاتا ہے (۱۵)، اور گو ان لوگوں کو ''نبی'' کے ناموں سے موسوم نہ کیا گیا، لیکن یہ کہ وہ ''غیب'' کی باتیں جانتے ہیں اور اللہ کی نیابت کے لیے، ''خدائے مجسم'' ہیں، ان صفات سے ان کو متصف کر کے عملی طور پر انہیں ''نبی'' قرار دیا گیا ہے۔ بعد ازاں (حضرت) محمد (ﷺ) کے بعد اس سلسلہ کو بہت زیادہ طول نہ دیا گیا، کیونکہ لوگ مختصر مدت میں دنیا کے خاتمہ اور زمین پر تاریخ کے اختتام کے منتظر تھے۔ (شیعی شاعر) السید الحمیری کہتا ہے (الاغانی، ۷:۹ و بعد):-

''آگاہ ہو کہ قریش سے حق کے والی امام چار ہیں، جو رتبہ میں مساوی اور برابر ہیں۔ وہ ہیں علیؓ اور ان کے تین بیٹے (حسنؓ، حسینؓ اور محمد) یہ ان کے بیٹے (سبط) اور ''وصی'' ہیں''۔

کُثَیِّر شاعر بھی ایسی ہی بات کہتا ہے۔ (الاغانی، ۸:۳۲)۔ ان ''اسباط'' کے آخری فرد محمد بن حنفیہ بہت جلد زندہ ہو کر دنیا میں آئیں گے اور دنیا کو جو ظلم و جور سے بھر گئی ہوگی، عدل وانصاف سے معمور کر دیں گے۔ سو وہ بظاہر ''مردہ'' ہیں لیکن حقیقت میں ''مدینہ'' کے قریب واقع ''جبل رضویٰ'' کے ایک غار (کہف) میں ''مستور'' ہیں۔ جہاں ہرن اور شیر ایک ساتھ امن وسلامتی کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے کھانے کے لیے شہد (عسل) اور پینے کے لیے پانی (ماء) مہیا کیا گیا ہے (۱۶)۔ ساٹھ (۶۰) سال تک ان کی واپسی (عودة، رجعة) کا انتظار کرنے کے بعد ان کے پیروکاروں کی تسلی وہمت بندھانے کی غرض سے، ان سے ظاہر (ظہور) ہونے کی درخواست کی جانے لگی۔ (الاغانی، ۷:۱۰؛ ۸:۳۲) (حضرت) حسن اور (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہما) کی وفات کے بعد میراث

marfat.com

خلافت محمد بن حنفیہ کی جانب منتقل ہوگئی۔ لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ انہیں بیعت کرنے والوں میں ابراہیم بن اشتر تھا۔ یہ بات مختار کے مفید مطلب تھی کہ ان محمد بن حنفیہ کو اپنا ''مظہر'' بنا کر ان کے پس پردہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ امر مختار کے لیے باعث طمانیت ہوا کہ محمد ابن حنفیہ نے پہاڑی پیر مرد (شیخ الجبل) کی طرح اسے یہ اختیار دے دیا کہ وہ انہیں استعمال کرے اور وہ ایک سایہ کی طرح ہوں جس کے نام پر جو دل چاہے کیا جائے مگر خود اسے کسی سے باز پرس کا کوئی حق نہ ہو اور نہ اس کی کوئی ذمہ داری ہو۔ یوں محمد بن حنفیہ کی تمجید (بزرگی) وتقدیس (پاکی) غالی شیعوں (غلاۃ) کا نشان امتیاز بن گئی۔ (الاغانی، ۷:۴:۵) یہ لوگ بعد میں ''کلاۃ'' اور ''مُفرطون'' کے ناموں سے مشہور ہوئے۔ (الف)

بعد ازاں ''عباسیوں'' نے خلافت میں اپنے حق کی قانونی اساس اس دعویٰ پر قائم کی کہ محمد بن حنفیہ اور ان کے وارث ابو ہاشم نے عباسیوں (کے ایک فرد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب) کے حق میں اپنے دعویٰ خلافت سے دست برداری اختیار کرلی۔ بنو عباس نے کوفہ اور خراسان میں ''کلاۃ'' کو اپنے آلۂ کار کے طور پر استعمال کیا۔ ان شیعوں کو ابو ہاشم مذکور کی نسبت سے ''ہاشمیہ'' کہا جانے لگا۔ یہ ''ہاشمیہ'' بعد میں (شیعوں کے ایک اور فرقہ) ''راوندیہ'' میں گھل مل گئے (راوندیہ اپنے ائمہ عباسیہ کی الوہیت اور تجسیم کے قائل تھے۔ دوسرے عباسی خلیفہ المنصور کے عہد (۱۳۷ تا ۱۵۸ھ) میں بغاوت کی اور منصور کے ہاتھوں وہ تباہ و برباد ہوگئے)۔ یہ ''راوندیہ'' محمد بن حنفیہ کو ''امام برحق'' مانتے تھے اور ان کو بزرگ و مقدس جانتے تھے۔ (المسعودی، ۶:۵۸)۔

''آل بیت رسولؐ'' کی ''الوہیت'' (خدائی) کو ''رجعت'' اور ''تناسخ الارواح'' کے مذہب کے توسط سے ایک ''فلسفی اساس'' پر قائم کیا گیا۔ موت سے روحیں ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اور دنیوی زندگی کے طبعی اصول کے مطابق یہ بعثت مسلسل اور لگاتار ہوتی رہتی ہے (یعنی ایک جسم کی موت کے بعد روح دوسرے جسم میں منتقل ہوجاتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، سو موت صرف ایک جسم سے دوسرے جسم میں انتقال روح سے عبارت ہے)۔ یہ عقیدہ اس عقیدے کے، جو زوال دنیا (یعنی

marfat.com

قیامت) پر صرف ایک مرتبہ بعثت (ارواح اور اجسام) کا قائل ہے، سخت خلاف اور متناقض ہے۔ اس عقیدہ کو خصوصاً عملی اہمیت اس بات سے حاصل ہوتی ہے کہ وہ اسے ''اللہ کی روح'' سے منسلک کر دیتا ہے جو انبیاء میں حلول کرتی ہے۔ چنانچہ ایک روح ایک نبی سے اس کی وفات کے بعد دوسرے نبی میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اور ایک وقت میں صرف ایک ہی نبی موجود ہوتا ہے۔ یہ انبیاء پے در پے اس وقت تک دنیا میں آتے رہیں گے جب تک ان کی تعداد ایک ہزار تک نہ پہنچ جائے۔ چونکہ تمام انبیاء میں ''اللہ کی روح'' مبعوث ہوتی ہے، اس لیے وہ ایک ہی ہوتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ صادق و برحق نبی ایک ہی ہوتا ہے، جو ہمیشہ نئے سرے سے مبعوث ہوتا ہے۔ اس معنی میں شیعوں کا عقیدہ ہے کہ بے شک (حضرت) محمد (ﷺ) (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) اور آلِ علی میں مبعوث ہوتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس عقیدہ کی بنیاد قرآن کی سورۃ ۲۸ (القصص) آیت ۸۵ پر (اے رسول جس اللہ نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو بازگشت کی جگہ لوٹا دے گا) (یہ استدلال قرآن کی تحریف ہے) اور سورۃ ۸۲ (الانفطار) آیت ۸ پر رکھی ہے (وہ اللہ ہی تو ہے جس نے جس صورت میں چاہا تجھے (آدمی) جوڑ دیا) یہ مفہوم شیعوں نے لیا ہے وہ غلط اور قرآن کی تحریف ہے)۔ یہ عقیدہ یہودی فکر و اصل سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر چند کہ یہ یہود کی بدعت ہے اور کلیمانس (PSEUDOCLEMENTINES) کے نام سے موضوع مواعظ میں مذکور ہے۔ (۱۸) سو ''اللہ کی روح'' آدم (علیہ السلام) میں ایک انسانی شکل میں متحد ہو گئی ہے جو نبی صادق کی صفت کے ساتھ متعدد صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے اور ''ملکوت دائم'' (ابدی بادشاہت) کی سیادت اس کا مقصد ہے۔ رجوع کیجئے *(4th Edition P 283)GLESELERS Kg*۔

مگر متاخرین اہلِ تشیع نے، ایسا معلوم ہوتا ہے، ''رجعت'' کو اس سے مختلف مفہوم میں سمجھا ہے۔ انہوں نے اس کو متناقض (الٹ) معنوں میں لیا ہے۔ وہ ''امام صادق'' کی غیر موجودگی (فترت) کو ''غیبت دوریہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ بعد ازاں اس کے مقابلہ میں اس کے نئے سرے سے ظاہر ہونے کو ''رجعت'' کا نام دیتے ہیں۔ لیکن ''رجعت'' کے حقیقی و اصلی معنی اس کے مرداف ''تناسخ'' سے بالکل واضح و عیاں ہیں۔

marfat.com

(ب) اور سید حمیری (شاعر) خود اپنی ''رجعت'' پر ایمان رکھتا تھا۔ اس وجہ سے لوگ اس کا مذاق اڑاتے اور اسے برا بھلا کہتے تھے۔ (الاغانی '۷ : ۸) اسی طرح یہ بھی نمایاں و واضح ہے کہ کُثیرؔ (شاعر) (حضرت) حسنؓ اور (حضرت) حسینؓ کے تمام بیٹوں کو ''انبیاء صغار'' (چھوٹے نبی) سمجھتا تھا۔ کیونکہ ''رجعت'' پر اس کا ایمان تھا (الاغانی '۸ : ۳۴)۔ ''رجعت'' کے واقعی معنی کی وضاحت اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ''رجعت'' کا انتظار کیا جارہا تھا اور خاص کر اپنے ''خون'' اور ''نبوت'' کے ''وارثوں'' (وَرثہ) کی صورت میں (وہ لوگ آپؐ کی رجعت کے قائل تھے)۔ (۱۹) (عقیدہ رجعت کے صحیح مفہوم سے) جدید مورخین نہ تو آگاہ ہو سکے اور نہ اسے سمجھ ہی سکے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قدیم عقیدہ اسی امر تک محدود ہو کہ ''امام صادق'' ہمیشہ زمین پر زندہ رہتا ہے، گو اسے عزت وسیاسی اقتدار حاصل نہ ہو۔

ابوحمزہ خارجی (۲۰) نے ۱۳۰ھ (مطابق ۷۴۷ء) میں ''مدینہ'' میں خطبہ دیتے ہوئے شیعوں کے متعلق جو باتیں کہی تھیں یہاں انہیں بیان کرنا اور ان کی جانب توجہ مبذول کرانا مناسب ہوگا۔ اس نے کہا (الاغانی '۲۰ : ۱۰۷):۔

''شیعوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اللہ پر کھلم کھلا بہتان باندھا ہے۔ نہ تو قرآن پر ان کی دور رس نظر ہے۔ نہ فقہ کی ان میں بھرپور سمجھ ہے اور نہ حق بات جاننے کی تلاش وجستجو ہے۔ انہوں نے اپنے امور کو اپنی نفسیاتی خواہشوں کے تابع کرلیا ہے۔ انہوں نے ایک گروہ کی، جس سے ان لوگوں نے خود کو وابستہ کرلیا ہے اور جس کی اطاعت اختیار کر رکھی ہے، بے جا طرفداری وحمایت کی اور وہ تمام باتیں جو وہ کہتا ہے، انہیں اپنا دین بنا لیا ہے، خواہ یہ باتیں سرکشی کی ہوں، یا راستی کی، یا ضلالت کی یا ہدایت کی۔ وہ مردوں کی ''رجعت'' کے ذریعہ اپنی حکومت واقتدار کے منتظر ہیں، قیامت سے پہلے بعثت (مردوں کے دوبارہ زندہ اٹھنے) پر ایمان رکھتے ہیں اور بندوں کے بارے میں ''غیب'' کی باتیں جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں، حالانکہ ان میں کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے اندرون خانہ کیا ہو رہا ہے، حتیٰ کہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے کپڑوں کے اندر یا خود اس کے جسم میں کیا چھپا ہوا ہے۔ یہ شیعہ اہل معاصی کے گناہوں پر ان کی نکیر کرتے ہیں،

marfat.com

مگر جب خود غلبہ حاصل کر لیتے ہیں تو انہیں کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس سے باہر نکلنے کی راہ کا انہیں کوئی علم نہیں ہے۔ یہ سب دین سے ناواقف و جاہل ہیں اور ان کی سمجھ نہایت کم ہے۔ انہوں نے عرب کے ایک گھرانے کو اپنا دین سونپ دیا ہے اور اس بات کے قائل ہیں کہ اس گھرانے کی ''موالات'' (دوستی) ان کو اعمالِ صالحہ سے بے نیاز و بے پردا کر دے گی۔ اور اعمال سیئہ کے عذاب سے انہیں نجات دلا دے گی'' (۲۱)۔ اسی سے ملتی جلتی بات (مشہور اموی خلیفہ) ہشام بن عبدالملک (۱۲۵-۱۰۵ھ) نے (عراق کے گورنر) یوسف بن عمر (ثقفی) کے نام اپنے ایک خط میں لکھی ہے (الطبری' ۲:۱۶۸۲ وبعد۔ ۷:۱۶۹ وبعد)۔ شیعوں کی اللہ کی عبادت در حقیقت اولاد آدم کی عبادت ہے، چنانچہ ایک ساتھ قیصریت و پاپائیت کا ان کے ہاں اجتماع ہو گیا ہے۔ (ج) وہ حکومت قائمہ کے اقتدار کی امامت کے حق پر معترض ہیں، مگر رسول (ﷺ) کے خون (ذریت) پر قائم ان کی شرعی امامت اس سے افضل و بہتر نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ قانون شکنی اور شریعت کی بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔ ان کے ہاں امام نصوص شریعہ کے الفاظ سے بالاتر ہے۔ وہ عالم الغیب بھی ہے۔ چنانچہ جس نے اس کی اتباع واطاعت کی، اس سے ''تکالیف شرعیہ'' ساقط ہو جاتی ہیں اور ہر طرح کی مسئولیت سے وہ بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ ان عقائد پر خصوصاً خوارج نے شیعوں کی سخت گرفت کی ہے۔ اور انہیں نمایاں کر کے دکھایا ہے۔ کیونکہ خوارج ''شریعت مقررہ'' کو ہر انسان پر مقدم اور اس سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ اور تمام دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں اس معاملہ میں زیادہ سخت اور متشدد ہیں۔ اس بناء پر وہ امام کی صلاح یا فساد کے متعلق فیصلہ کرتے وقت یہ امر ملحوظ رکھتے ہیں کہ وہ شریعت سے کس قدر تمسک کرتا اور اس کے احکام کی کس حد تک پابندی کرتا ہے۔

موالی کا غالی شیعوں سے مل جانا اور ان کا ہم عقیدہ ہو جانا، عالمی تاریخ کا نہایت اہم حادثہ تھا۔ (۲۲) شاید موالی مختار سے قبل ہی شیعیت اختیار کر چکے تھے۔ لیکن اسے یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ اس نے ان کو میدان عمل میں لا کھڑا کیا اور سرگرم کر دیا۔ شروع میں وہ موالی کو عربوں کے خلاف ہنگامہ آرائی اور فساد برپا کرنے پر برانگیختہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا، بلکہ اس نے دونوں فریقوں کے درمیان رواداری و مفاہمت کی

marfat.com

سیاست اختیار کی تھی اور تمام شیعہ خواہ عرب، خواہ موالی اس کے ساتھ تھے، حتیٰ کہ وہ مخالف عرب اشرافیہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لینے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے طبقہ اول (عرب) اور طبقہ دوم (موالی) میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا چاہا تھا۔ اس لیے جو لوگ اس ضمن میں اس کی گرفت کرتے ہیں اور اس پر معترض ہوتے ہیں، انہیں اس کے برعکس عمل پر (عراق کے اموی گورنر) حجاج (بن یوسف ثقفی ۹۵۔۷۵) کا مواخذہ کرنے کا حق نہیں پہنچتا' کیونکہ اس نے ان امتیازات کو پوری طاقت سے باقی رکھا اور انہیں ان کی پہلی حالت پر واپس لایا تھا۔ (یعنی اگر مختار کی یہ کوشش کہ عربوں اور موالی میں تفریق و امتیاز ختم ہو جائے اور مساوات قائم ہو جائے، قابل مواخذہ تھی، تو حجاج کا یہ فعل کہ عربوں اور موالی میں امتیاز و فرق باقی رہے، درست قرار پائے گا اور اس پر تنقید و مواخذہ کا ان لوگوں کو کوئی حق نہ ہوگا)۔

سچ تو یہ ہے کہ مختار کی اس کوشش پر اس کی تعریف و توصیف کرنی چاہیئے کہ اس نے دوسروں سے پہلے اس حقیقت کا ادراک کرلیا تھا کہ اس وقت جو صورت حال تھی اس کا برقرار رہنا ممکن نہیں. کیونکہ یہ اسلام نہیں، بلکہ عربی عنصر تھا جو اس ''دینی حکومت'' میں لوگوں کو مکمل شہری حقوق عطاء کرنے کا ذمہ دار تھا۔ (اور جس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ موالی کو اپنے مساوی حقوق دینے پر راضی ہو جائے گا، عبث، محال تھی)۔ اگر مختار اپنے اس اصل ہدف کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا (اور عرب و موالی میں مساوات قائم کر دیتا)' تو عین ممکن تھا کہ وہ ''عربی حکومت'' (الدولتہ العربیتہ) کا ''نجات دہندہ'' ہو جاتا (اور عربوں کا اقتدار'' اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی باقی رہتا) لیکن عربوں نے خوش دلی اور طیب خاطر سے اپنے ''امتیازات'' پر پابندی لگانا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ مختار کو مجبوراً ان کے خلاف سخت جد وجہد اور معرکہ آرائی کرنی پڑی؛ اور وہ اپنی مرضی کے خلاف ''موالی'' اور ''سبائیوں'' (سبئیہ) کی گود میں چلا گیا۔ اس تصادم و محاذ آرائی میں اس کے خلاف فیصلہ ہوا اور اسے تباہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی ''موالی'' ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے فنا ہو گئے۔ مگر (اس تباہی کے باوجود) ان کے دلوں میں، ۶۷۔۶۶ھ (مطابق ۸۶۔۶۸۵ء) کی اس ''بادشاہت'' کی یاد جو اگرچہ ایک خواب کی طرح تھی،

marfat.com

باقی رہی اور ختم نہ ہوئی، چنانچہ ان کے باقی ماندہ افراد خفیہ طور سے کام کرتے رہے۔ ایک طویل عرصہ کے بعد ان لوگوں نے خراسان سے اپنے تعلقات استوار کر لیے۔ یہاں (خراسان میں) ایرانی ''شعوبی'' عصبیت نے طوفان برپا کر دیا تھا، جس نے بعد میں ''عربی سیادت'' کو تہس نہس کر کے رکھ دیا (اور اموی حکومت کا ۱۳۲ھ میں خاتمہ کر دیا)۔

اس طرح مختار ثقفی، ابو مسلم خراسانی کا پیش رو (سلف) تھا۔ وہ ارواح جن کو اس نے طلب کیا تھا، نشوونما پا کر ان کی تعداد اس سے کہیں زیادہ بڑھ گئی جس کا اس نے تصور کیا تھا (اس کے افکار وعقائد اس کے تصور سے بھی زیادہ پھل پھول کر لوگوں پر اثر انداز ہوئے)۔ اس کی بربادی وناکامی کے برعکس اس کا اثر نہایت عظیم ہے، ہر چند کہ اس میں اس کے ارادہ کو کوئی دخل نہ تھا۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے ایرانیوں کے مفاد میں، اپنی قوم یعنی عربوں سے بد دیانتی اور خیانت کی تھی، اس لیے انہوں نے اس کے مناسب وموزوں بدلہ کے طور پر اس کو برباد کر دیا، یہ ایسا فیصلہ ہے جو خواہش نفسانی پر مبنی ہے اور یوں متعدد وجوہ سے غلط ہے۔ مختصر یہ کہ مختار کی شخصیت واضح الیہ ہے اور ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم اس سے اسی طرح نفرت وعداوت کا اظہار کریں، جس طرح اس کے معاصرین اس کے ساتھ روا رکھتے تھے۔

marfat.com

حواشی۔ باب پنجم

۱۔ Dozi: Essai Sor I Histoire de l' Isiamisne, P223 sqq۔

۲۔ (بداء کے معنی ہیں کہ اللہ کسی مصلحت کے پیش نظر ایک حکم اور رائے سے دوسرے حکم یا رائے کی جانب رجوع ہو جائے)۔

۳۔ الطبری ۲: ۷۳۲=۶: ۱۰۴ میں مذکور ہے کہ جو شخص یہ کہتا تھا (القرآن سورۃ الرعد' آیت ۳۹ ''اور اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے'') وہ مختار نہیں بلکہ ابن نوف تھا۔ اسی طرح مختار نے خارجیوں کی طرح' ابن زبیرؓ کے ساتھ اہل شام سے جنگ کی' تو یہ ایسی بات ہے جس سے وہ ''خارجی'' یا ''زبیری'' نہیں کہا جا سکتا۔ اب رہا ''کبوتروں'' کا معاملہ' تو اس کے لیے باب چہارم کا حاشیہ نمبر ۲۷ ملاحظہ کیجئے۔ ان کے متعلق ڈوزی کا خیال ہے کہ یہ ''پیام رساں کبوتر'' (حمام زاجل) تھے، جن سے مختار کا یہ مقصد تھا کہ جنگ کی خبریں اس کے پاس جلد سے جلد پہنچ سکیں۔ یہ تاویل کر کے ڈوزی نے گھڑے ہوئے معجزہ کی عقلی توجیہ کی ہے۔

۴۔ فان فلدر VAN GELDER کی کتاب مذکور الصدر صفحہ ۸۲ دیکھئے۔ لیکن ''عقائد'' (علم کلام) کے بعد کے مورخین کو اس امر میں شبہ ہے کہ ''کیسان'' حضرت علیؑ یا محمد بن الحنفیہ کا مولیٰ (غلام) تھا۔ ان لوگوں کو صحیح تاریخ کا علم نہیں ہے۔

۵۔ ان حوادث کا ایک معاصر شاعر اعشی ہمدان اس کی قطعی شہادت دیتا ہے جس سے انکار ناممکن ہے۔ دیکھئے اس کے اشعار در الطبری' ۲: ۷۰۴ و بعد۔ ۶: ۸۳ و بعد۔

۶۔ الطبری ۲: ۶۶۹=۶: ۵۸ میں (المختار کے حامی گروہ بنام) ''الدبابہ'' کا ذکر ملتا ہے۔ (جو قاتلین حسینؑ کے قتل میں پیش پیش تھا)۔

۷۔ کہا جاتا ہے کہ اس کرسی کو مختار نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی حقیقی بہن

marfat.com

(حضرت) ام ہانی (رضی اللہ عنہا) کے بیٹے جعدہ بن ہیرہ بن ابی وہب مخزومی کے گھرانے سے حاصل کیا تھا۔ دیکھئے الطبری ۲: ۶۷۲، ۷۰۵، ۷۰۳، ۷۲۶=۶: ۶۰، ۸۴، ۸۳، ۱۰۰۔

۸۔ روایات سے پتا چلتا ہے کہ مختار اس بدعت کا بانی نہ تھا' بلکہ زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اس بدعت سے اتفاق کیا تھا۔ جہاں تک ابن نوف کا تعلق ہے، تو خود مختار نے اس سے برائت و بیزاری کا اظہار کیا تھا (الطبری ۲: ۷۰۶=۶: ۸۵)

۹۔ یہ کرسی "تابوت بنی اسرائیل" کی طرح تھی (جس میں بنو اسرائیل تورات کی تختیوں اور دوسرے تبرکات کو محفوظ رکھتے تھے) یہ عموماً پردہ میں لپٹی رہتی تھی اور یہ پردے صرف رسوم و مہمات امور کے موقع پر اٹھائے جاتے تھے۔

۱۰۔ دیکھئے "الجمعیۃ الشرقیۃ الالمانیۃ" (جرمن مشرقی جماعت) کا رسالہ (مجلہ) ZDMG ۱۸۸۴ء صفحہ ۳۹۱، ابن الاثیر' ج ۳، ص ۳۳۰۔

۱۱۔ مختار کے ایک مخالف نے اس کے بارے میں کہا کہ وہ یہودی ہے (الاغانی' ۱۳: ۳۷)۔ نیز "الفرزدق" طبع بوشر (*Boucher*) صفحہ ۲۱۰، ۲۱۱، الاغانی ۸: ۳۳، ۱۳: ۳۷، الطبری ۲: ۶۸۶=۶: ۷۰۔

۱۲۔ ابن سبا کے مذہب کے متعلق ہم نے طبری ۱: ۲۹۴۲۔۴: ۳۴۰' کی روایت، الاغانی میں مذکور قدیم شیعی شعراء کثیر و سید حمیری کے اشعار پر اعتماد کیا ہے، بعد کی کتب عقائد یعنی الملل والنحل میں جو بیانات ہیں وہ اس سے جوہری اعتبار سے مختلف نہیں ہیں۔ ان میں جو بیانات ہیں وہ سبیہ، کیسانیہ و مختاریہ وغیرہ کے درمیان تمیز و فرق سے متعلق ہیں اور صرف ناموں کی حد تک ان میں اختلافات ہیں۔

۱۳۔ یعنی "اہل الکساء" رجوع کیجئے بہ الاغانی ج ۷' ص ۷۔

۱۴۔ رجوع کیجئے یہ کتاب "مقدمہ تاریخ اسرائیل" (۱۸۹۹ء) صفحہ ۲۲۶' ۲۵۶ و بعد' ۲۷۳ و بعد۔ *Prolegomena Zur Geschichte Israsls* (از جولیس ولہاؤزن)۔

۱۵۔ "المہدی" سے متعلق "المجلۃ الاستعماریہ الدولتیہ" جلد اول۔ س Snonck (سنوک) کا مقالہ دیکھئے۔ *Revue Coloriale Internatinale*۔ "المہدی" یہود کے "مسیح" کا

marfat.com

جو ''ہزار سالہ مملکت'' کا حاکم ہوگا، عربی ''مثیل'' و ''نظیر'' ہے۔ جہاں تک (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) (یسوع) کا تعلق ہے، تو وہ ''ہزار سالہ مملکت'' کے بعد ''روز حساب'' میں ظاہر ہوں گے (یہود ونصاریٰ کے عقیدے کے مطابق)۔

۱۶۔ یہ سفر ''اشعیا'' اصحاح ۱۱:۷ کے مندرجہ کی جھلک اور اس کے مشابہ ہے۔

۱۷۔ (بہت سے گم راہ فرقوں نے جہاں یہ دعویٰ کیا کہ قرآن میں ''لفظی'' تحریف ہوئی ہے، وہیں یہ بھی کیا کہ بڑی دیدہ دلیری سے ''معنوی'' تحریف کا ارتکاب کیا۔ الفاظ کو اس کے سیاق وسباق سے علیحدہ کر کے اور لغت عرب ومحاورہ اہل زبان سے یکسر بے پروا ہو کر جس لفظ کا جو مفہوم ان کے مذال ومُضل افکار کے اثبات کے لیے ضروری ہوا، اسے وضع کرلیا۔ آیت زیر تحشیہ میں ''معاد'' (لوٹنے کی جگہ، جائے بازگشت) سے ''تناسخ'' مراد لیا ہے۔ اسی طرح سورۃ الانفطار کی آیت نمبر ۸ سے جو تخلیق انسانی سے متعلق ہے، تناسخ ورجعت، کی صحت پر استدلال کیا۔ عقیدہ ''تناسخ'' کے اثبات سے بعث بعد الموت، قیامت، حیات اخروی اور جنت ودوزخ کے عقائد کا انکار لازم آتا ہے۔ اسی طرح ''بداء'' کو سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۳۹ سے ثابت کرنا عربی زبان، قرآن اور عقل وفہم سے نہایت بھونڈا مذاق اور اسلام کی توہین ہے۔ لفظی ومعنوی تحریفات کی متعدد صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ''مصطلحات قرآنی'' سے ہوائے نفسی پر مبنی مفاہیم اخذ کیے جائیں اور ان سے ''رمزی'' تعبیریں لی جائیں۔)

۱۸۔ کلیمانس سے منسوب موضوع ''مواعظ'' میں مذکور ہے کہ یہ ''اتحاد'' ''نبیٔ صادق'' اور ''نبیٔ کاذب'' کے مابین ہوتا ہے' ''نبیٔ صادق'' اور اس کے ''خلیفہ'' (حضرت موسیٰ اور جناب یوشع) کے درمیان نہیں ہوتا۔ یہ اخیر فکر شاید زیادہ قدیم ہے مگر نبی کی دوبارہ پیدائش (میلادِ جدید) سے متصادم ہے' سو ''ایلیا'' کی موت کے بعد ''الیسع'' پہلی پیدائش (میلاد اول) کا حصہ اس کی روح سے وراثت میں پائے گا۔

۱۹۔ الطبری ۱:۲۹۴۲۔۴: ۳۴۰ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کی رجعت اور (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کی رجعت کے درمیان موازنہ کرنا غلطی اور سوء فہم ہے، کیونکہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) قیامت کے قریب نہیں آئیں گے، یہ عقیدہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام)

marfat.com

کے ساتھ مخصوص ہے اور بالکل ایک مختلف اساس پر قائم ہے۔ اور اس کا تعلق موجودہ زمانہ (الدہر الحالی) سے نہیں بلکہ آئندہ زمانہ (الدہر المقبل) سے ہے۔ نیز ابن الاثیر ج ۶، ص ۲۶ وبعد الاغانی ج ۳، ص ۲۴، ۱۸۸ وبعد) ج ۴، ص ۴۲، ج ۱۱، ص ۴۶ دیکھئے۔

۲۰۔ (ولہاوزن نے ابوحمزہ کے بجائے سہواً ابوحزم لکھا ہے۔ ہم نے اس کی تصحیح کردی ہے، کیونکہ وہ ابوحمزہ خارجی ہے۔ رجوع کیجئے بہ الاغانی ۲۰: ۹۸ وبعد۔ ابوحمزہ کا نام مختار بن عوف ازدی سلیمی تھا اور بصرہ کا رہنے والا تھا۔ اس کے محاربات اور خطبات کے لیے الاغانی کے علاوہ الطبری' ج ۷، ص ۳۴۸، ۳۷۴، ۳۹۳ تا ۴۰۰، دیکھئے)۔

۲۱۔ سید حمیری دائم الخمر تھا ہر وقت نشہ میں رہتا تھا، لیکن پھر بھی اس کا عقیدہ تھا کہ شیعہ ہونے کے تعلق سے شراب نوشی کا گناہ بخش دیا جائے گا۔

۲۲۔ ''سرکاری مذہب'' جو اقتدار اور حکمراں قوم سے منسلک ہو، اس کے مقابلہ میں ''فرقے'' دین سے زیادہ پختگی کے ساتھ وابستہ اور قومی عصبیت سے نہایت کم متاثر ہوتے ہیں۔

marfat.com

باب ششم

''شہادتِ زید بن علی بن حُسینؓ ''

مختار بن ابی عبید ثقفی کی بغاوت کی وجہ سے عربوں کے دلوں میں موالی (غیر عربوں) کی جانب سے شک وشبہ پیدا ہوگیا تھا' اس لیے حکومتِ وقت (اموی حکومت) نے انہیں اپنی حد سے تجاوز نہ کرنے کا پابند کردیا تھا (اور ان کی جانب سے کسی فوری شورش کا کوئی خطرہ نہ رہا تھا) کوفہ کے سبھی باشندے اس لحاظ سے شیعہ تھے کہ وہ اموی حکومت کے مخالف تھے۔ مگر ان کا تشیع ان معنوں میں نہ تھا کہ وہ خود کو ''آلِ علیؓ'' کی محبت میں قربان کردیں اور عراق میں ان کی خلافت قائم کردیں (الطبری' ۲:۱۲۵۸ = ۶: ۴۸۵ وبعد، طبع لائیڈن ومعارف، مصر بالترتیب)۔ (خلیفہ عبدالملک کے عہد میں) عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کندی نے جو بغاوت کی تھی، اس کا مقصد یہ تھا کہ شام کی بالادستی کے خلاف عراق میں اس کی خود مختار حکومت قائم ہوجائے یہی بات (یزید بن عبدالملک کے دور میں) یزید بن مہلب ازدی کی بغاوت کے متعلق بھی کہی جاسکتی ہے۔ (الف) جہاں تک حقیقی شیعوں کا معاملہ ہے، تو وہ لوگ نسبتہً ایک طویل عرصہ تک (۶۷ھ تا ۱۲۱ھ) خاموش اور پرسکون رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل کے افراد، یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت علیؓ کے بیٹے پوتے اور پھر ان کے بیٹے، پوتے وغیرہ مدینہ میں رہتے تھے۔ ''مدینہ''، ''مسلم اشرافیہ'' کا شہر تھا اور اسلامی عہد میں ''بیت المال'' کی آمدنی پر گزر بسر کرتا تھا۔ مدینہ کے معاشرہ میں جس کی معیشت کا انحصار سرکاری عطایا وظائف پر تھا، یہ لوگ نہایت رودار اور نمایاں تھے۔ ان میں زیادہ تر افراد نسلی برتری وخاندانی عصبیت پر یقین رکھتے تھے۔ جب تک یہ حضرات امن وسکون سے رہے' بنوامیہ ان کا خیال رکھتے اور

marfat.com

ناز برداریاں کرتے رہتے تھے۔ لیکن ''آل زبیرؓ'' سے اور ''بنو مخزوم'' سے تعلق رکھنے والے ان کے حلفا سے اموی حکومت سخت برہم رہتی تھی اور انہیں پسند نہیں کرتی تھی۔ مدینہ کا ہر خاندان ان ''اولاد نبیؐ'' سے اپنی بیٹیاں بیاہنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس بات کو یہ لوگ غنیمت جان کر ''خون مقدس'' کے اضافے میں مشغول ہو گئے (مترجم عربی یہ کہتا ہے کہ اس سے ولہاوزن کی مراد ''نسل نبیؐ'' کی تعداد میں اضافہ سے ہے)۔ اس مقدس شہر (مدینہ) میں کہ اب شراب ونغمہ اور گانے والی عورتوں کا شہر ہو گیا تھا ''آل نبیؐ'' ہر قسم کی جدوجہد، سعی و کوشش سے الگ ہو کر اور حکومت کے خلاف کسی شورش و بغاوت سے کنارہ کش ہو کر، زندگی بسر کر رہے تھے۔ (الطبری ۲: ۱۹۱۰ـ ۷: ۳۲۴، ۳۲۵) مگر یہ سچ ہے کہ انھوں نے اپنے اس دعوی کو کہ وہی خلافت کے سب سے بڑھ کر حق دار ہیں، کبھی نہیں چھوڑا، لیکن ان لوگوں نے اس دعوئ کو کسی نظام کے تحت پابندی کے ساتھ باقی نہیں رکھا اور کسی ترتیب وسلیقہ سے اسے وابستہ نہ کیا اور نہ کسی دانش مندی سے اس نصب العین کو حقیقت میں بدل دینے کی کوئی مربوط کوشش ہی کی۔ اس طرح نہ انھوں نے باغیانہ جذبات اور گروہی میلانات رکھنے والے افراد کی تعداد میں کوئی اضافہ ہی کیا جس سے عربوں اور غاصب حکومت کے مخالفوں کو متحد کر کے حکومت وقت کا خاتمہ کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ تمام امور (یعنی دانش مندی سے دعوئ خلافت کو حقیقت میں بدلنے کی تیاریوں، حکومت کے خلاف باغیانہ جذبات رکھنے والوں اور گروہی حامیوں کی تعداد میں اضافہ اور ان کے مابین اتحاد) ''آل عباس'' کے لئے چھوڑ دیئے۔ عباسیوں کو اس بات کا اچھی طرح ادراک تھا کہ اپنے حامیوں کی تعداد میں کیسے اضافہ کیا جا سکتا ہے، عربوں کے مخالفوں اور حکومت اموی کے باغیوں کو کس طرح متحد کیا جا سکتا ہے اور دعوت خلافت کو کس طرح منظم ومرتب کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ''اولاد نبیؐ'' میں کوئی نمایاں اور باصلاحیت ''مرد'' موجود نہیں تھا، جہاں تک ''خواتین'' کا تعلق ہے تو ان میں ایسی عورتیں ضرور موجود تھیں، جو اپنے اسلاف اور اخلاف کے مزاج وانداز کی نمائندہ تھیں۔ خصوصاً حضرت حسینؓ کی صاحبزادی سکینہ۔

marfat.com

(جس دور کا ہم ذکر کر رہے ہیں) اس میں (مدینہ میں) سیدنا حسینؓ کی نسل جو چھوٹے بھائی کی نسل ہونے کی وجہ سے ''نوخیز نسل'' تھی وہی اصل نسل اور ''نسل رئیسی'' تھی کیونکہ سیدنا حسنؓ نے ''میراث خلافت'' میں اپنے حق کو گھاٹے اور رسوائی کے سودے کے طور پر بیچ دیا تھا (یعنی حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے اہل عراق کی غداری کے سبب دست بردار ہوگئے تھے)' جبکہ سیدنا حسینؓ نے اس حق کے لئے اپنی جان کی قربانی اپنا خون بہا کر دی تھی۔ حضرت حسینؓ کے جانشین ان کے صاحبزادہ حضرت علی بن حسین تھے جو کربلاء کے مقتل میں زندہ بچ جانے والے ان کے واحد بیٹے تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹوں میں حضرت محمد (الباقر) اور حضرت زید (الشہید) اور اول الذکر کے صاحب زادہ حضرت جعفر (الصادق) نمایاں ورُوداراشخاص تھے۔ واقعہء کربلاء کی وجہ سے حضرت علی بن حسینؓ سیاسی معاملات میں نہایت محتاط ہوگئے تھے۔

ہشام بن عبدالملک کی خلافت (۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ) کے آخری زمانے میں ''اولاد حسنؓ'' اور ''اولاد حسینؓ'' کے مابین بعض اوقاف کی ملکیت یا انتظام کے سلسلہ میں تنازعہ پیدا ہوا۔ ان اوقاف کو حضرت علیؓ یا خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے قرابت داروں کے لئے قائیم کیا تھا۔ چنانچہ ''آل حسینؓ'' کے سربراہ جناب زید بن علی نے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے ہاں استقرار حق کے لئے مرافعہ کیا۔ اور بنفس نفیس اپنے بعض قرابت داروں کے ہمراہ ہشام کے ہاں (اس کی قیام گاہ شہر) رُصافہ گئے۔ اس زمانے میں کوفہ کے گورنر یوسف بن عمر ثقفی نے' اپنے پیش رو گورنر (خالد بن عبداللہ قسری) کے بیٹے یزید بن خالد بن عبداللہ قسری کو قید کر دیا تھا اور اپنی دولت ظاہر کرنے کی غرض سے اس پر بہت تشدد کیا تھا اور اس نے یہ اقرار کرلیا تھا کہ اس نے زید بن علی (اور ان کے دوسرے قرابت داروں کو) ایک بھاری رقم دی تھی (کوفہ کے گورنر نے اس کی اطلاع ہشام بن عبدالملک کو کر دی تھی)۔ چنانچہ ہشام بن عبدالملک نے زید بن علی اور ان کے ساتھیوں سے اس بارے میں دریافت کیا۔ اور ان سبھوں نے اس بات سے انکار کیا۔ اس لیے ہشام نے ان لوگوں کا یزید بن خالد سے سامنا کرانا ضروری خیال کیا۔ چونکہ یزید بن خالد قسری کوفہ میں قید تھا اس لئے زید اور ان کے ہمراہیوں کو کوفہ جانا پڑا۔ اس طرح بارود کے

marfat.com

ذخیرہ میں پہلی چنگاری گری۔ کیونکہ جو اعتراف تشدد کے ذریعہ یزید بن خالد قسری سے کرایا گیا' ان حضرات سے مواجہہ کے وقت' وہ اس سے منحرف ہوگیا اور ان لوگوں کو مبینہ رقوم کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ کوفہ سے واپس مدینے چلے گئے' لیکن زید بن علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ واپس نہ گئے۔ چنانچہ گورنر نے ان سے واپسی پر اصرار کیا اور وہ شہر سے نکل کر مدینہ روانہ ہوگئے۔ (کوفہ کے شیعوں نے اثناء راہ میں ان سے مل کر واپس کوفہ چلنے پر اصرار کیا اور ان لوگوں نے اس حد تک انہیں مجبور کیا کہ) وہ اپنے ایک معاملہ فہم قرابت دار (داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس) کے مشورہ کو کہ وہ کوفہ نہ جائیں' نہ مان کر پہلے مرحلہ سے واپس کوفہ چلے گئے۔ یوں شیعوں نے زید بن علی کو اپنی باتوں میں لگا لیا اور کہنے لگے کہ کوفہ میں اموی حکومت کا اقتدار شامی سپاہ کا مرہون منت ہے ار ان کی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ وہ یہاں کے ایک لاکھ جنگ آزماؤں پر غلبہ نہیں پا سکتے' بلکہ یہاں کے صرف ایک قبیلہ مثلاً مذحج' بکر' ہمدان یا تمیم کے مقاتلین پر غالب نہیں آ سکتے اور یہی وقت اموی حکومت پر کاری ضرب لگانے کے لئے نہایت سازگار ہے۔ زید بن علی نے ان کوفیوں کی بات مان لی۔ لیکن انھوں نے دور اندیشی اور احتیاط سے حالات کا جائزہ لیا اور محتاط روش اختیار کی۔ چنانچہ وہ اپنی قیام گاہ برابر بدلتے رہتے تھے اور کسی ایک مقام پر جم کر نہ رہتے تھے۔ جن خاندانوں کے ہاں انھوں نے قیام اختیار کیا تھا' ان میں سے دو میں انھوں نے شادیاں بھی کر لیں۔ مجموعی طور پر کوفہ میں ان کے قیام کی مدت دو ماہ رہی (بعض روایتوں میں چار پانچ ماہ کی مدت ہے) جس کے دوران میں وہ بغاوت کے لئے ساز و سامان بہم پہونچاتے رہے اور بصرہ و موصل میں بھی اپنے حامیوں کے حصول کی کوشش میں مصروف رہے۔ کوفہ میں ان کے حامی لشکر کی تعداد پندرہ ہزار تک پہونچ گئی۔ (جناب) زید بن علی بن حسینؑ کی بیعت مندرجہ ذیل امور پر مشتمل تھی:۔

''کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل' ظالم حکام سے مقابلہ' کمزوروں کی حمایت ونصرت' اموال فئی کی ان لوگوں کی طرف واپسی جو اس سے محروم کر دیئے گئے ہیں' خراج کی رقوم کی مستحقین میں انصاف کے ساتھ تقسیم' حقداروں کے حقوق کی واپسی' جو لوگ جہاد کی غرض سے دور دراز ملکوں میں بھیج دیئے گئے ہیں ان کی اپنے شہروں میں

marfat.com

واپسی، اہل بیت کا ان کے دشمنوں کے خلاف جنھوں نے ان کے حقوق غصب کر لئے ہیں دفاع اور ان کے حقوق کی واگزاری۔''

مگر شیعوں نے یہ محسوس کیا کہ زید بن علی اپنے حقوق کی واگزاری کے سلسلے میں جس قدر ضروری ہے، اس قدر کوشاں نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ شیخین یعنی سیدنا ابوبکر (صدیق) وسیدنا عمر (فاروق ؓ) کو دوست رکھتے ہیں اور ان سے تولا (محبت) کرتے ہیں۔ اور ان دونوں حضرات کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ ان کی خلافتیں شریعت کے مطابق اور جائز ہیں۔ یہ بات ان کے اور ان کے کوفی حامیوں کے لئے ایک امتیازی نشان بن گئی۔ یا کم از کم شیعوں کو یہ خیال ہوا کہ ان کے نزدیک حضرات شیخین ؓ غاصب خلیفہ نہ تھے۔ اور زید نے انہیں غاصب ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ شیعہ جو زید بن علی کے اس موقف کے خلاف رائے رکھتے تھے، یہ کہنے لگے کہ اس اعتقاد کی وجہ سے ان کے لئے بنوامیہ کی حکومت سے انکار بھی ممکن نہیں ہے۔ یوں ''غُلاۃ'' (غالی شیعہ) زید سے علیحدہ ہو گئے اور انہیں چھوڑ دیا۔ اس بناء پر ان لوگوں کو ''رافضی'' کا نام دیا گیا (۱) (خود جناب زید بن علی نے کوفہ کے ان شیعوں کو ''رافضی'' کہا)۔ ان رافضیوں (رافضی، روافض) نے (جناب) زید بن علی کے بھائی (جناب) محمد بن علی (الباقر) اور ان کے بعد ان کے صاحبزادہ (جناب) جعفر (الصادق) کی بیعت کی کہ وہی حقیقی امام ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس بیعت سے ان دونوں صاحبوں نے کسی طرح کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ (۲) (ب)

عراق کا گورنر یوسف بن عمر ثقفی کوفہ میں نہیں رہتا تھا۔ اس کا قیام (کوفہ کے قریب) ''حیرہ'' کے شہر میں تھا ''حیرہ'' ہی میں شامی افواج کا بڑا حصہ بھی مقیم تھا۔ اخیر اخیر وہ زید بن علی کے دو حامیوں سے، جنھیں اس نے حال ہی میں گرفتار کیا تھا، ان کی سرگرمیوں کے بارے میں نہایت اہم معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کو یہ بھی خبر ملی کہ ان دو افراد کی گرفتاری کے بعد (جناب) زید بن علی حکومت کے خلاف خروج کرنے پر جلد مجبور ہو جائیں گے اور یہ کہ انھوں نے بدھ، یکم صفر ۱۲۲ھ (مطابق ۶، جنوری ۷۴۰ء) کو خروج اور اپنی تحریک کے آغاز کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ (۳)

اس وجہ سے یوسف بن عمر ثقفی نے لوگوں کو منگل کے روز (خروج کے آغاز

marfat.com

سے ایک دن پہلے) مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ (اور جب لوگ جمع ہو گئے تو) انھیں وہیں روک لیا گیا اور شامی افواج کے کچھ دستوں کو ان کی نگرانی پر متعین کر دیا گیا۔ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد میں محبوس کئے جانے والے یہ لوگ خوف وخطر سے محفوظ ہونے کے باعث اس بندش پر راضی اور خوش تھے (اور جناب زید بن علی کی کوشش کے باوجود مسجد ہی میں بیٹھے رہے) جب (جناب) زید ان لوگوں کو آزاد کرانے کی غرض سے نکلے تو وہ بمشکل ۲۱۸ (دو سو اٹھارہ) اشخاص کو اکٹھا کر پائے۔ یہ بدھ کی نہایت سرد وخنک رات تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ مسجد میں محبوسین تک پہونچنے میں کامیاب ہو گئے مگر وہ لوگ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے اور مسجد ہی میں رکے رہے۔ اسی اثناء میں حیرہ سے دو ہزار شامی سپاہ ان سے مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکی تھی، چنانچہ جناب زید کو مجبوراً مسجد سے نکل جانا پڑا۔ انھوں نے ان شامیوں کو بدھ کے دن جھڑپوں میں سخت شکست دے کر بھاری جانی اور مالی نقصان پہونچایا۔ اسی طرح جمعرات کے دن جو لڑائیاں ہوئیں ان میں بھی (جناب) زید بن علی کے حامیوں کا پلہ بھاری رہا اور ان کے دشمنوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ غرض دن کے اختتام تک (جناب زید کی فوجی قیادت وشجاعت کی وجہ سے میدان انھیں کے ہاتھ رہا۔ (جب شام ہوئی تو یوسف بن عمر ثقفی نے آخری کوشش کی) اور تین سو (۳۰۰) قیقانی (۴) (قیقان موجودہ بلوچستان کا ایک شہر تھا) اور بخاری (بخارا، ماوراء النہر کا مشہور مرکزی شہر) تیر اندازوں کی کمک کوفہ بھیجی۔ ان تیر اندازوں نے اہل کوفہ کو بھاری جانی نقصان پہونچایا (ج)۔ جب رات کی تاریکی بڑھی تو کوفہ کا لشکر، شہر میں پسپا ہو کر داخل ہوا اور جلد ہی لوگ اپنے اپنے گھروں میں گھس کر روپوش ہو گئے (اور جناب زید کے ہمراہ تھوڑے سے آدمی رہ گئے) خود ان کی پیشانی پر ایک تیر لگا۔ جب طبیب نے یہ تیر نکالا تو انھوں نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ جہاں انھوں نے شہادت پائی وہ "شارع البرید" (ڈاک کی شاہراہ) کا ایک مکان تھا۔ (د) (اس خوف سے کہیں ان کی لاش کی بے حرمتی نہ کی جائے) انہیں ایک حوض کے صحن میں جس کا پانی نکال دیا گیا تھا۔ دفن کر دیا گیا اور زمین برابر کر کے اس کا پانی دوبارہ جاری کر دیا گیا۔ بعد میں اس مقام کا پتا گورنر (یوسف بن عمر) کو چل گیا (جناب زید کے ایک سندھی غلام نے جو ان کی تدفین

marfat.com

میں شریک تھا لالچ میں آ کر مخبری کر دی) اس اطلاع پر ان کی قبر کو کھود کر لاش نکالی گئی ۔ اسے کوفہ لا کر سولی پر لٹکا دیا گیا' جو ہشام کی موت تک صلیب پر چڑھی رہی (۵) (اس کے جانشین ولید بن یزید بن عبدالملک کے دور میں (۱۲۵ھ ۔ ۱۲۶ھ) اسے اتار کر نذر آتش کر دیا گیا)۔ جہاں تک ان کے سر کا معاملہ ہے' تو اسے تن سے جدا کر کے دمشق روانہ کر دیا گیا' اس کے بعد اسے مدینہ بھیج دیا گیا۔ (ابومخنف در طبری' ۲:۱۶۷۶۔۱۶۷۸۔ ۱۶۹۸۔۱۷۱۱=۷:۱۶۵۔۱۶۷:۱۷۹۔۱۸۹)۔

جناب زید بن علی کے کمسن صاحب زادہ یحییٰ (اپنے والد کی شہادت کے بعد) نینویٰ کے شہر میں' کہ کربلاء کے قریب دریائے فرات پر واقع ہے' بشر بن بشر بن مروان (ابن الحکم اموی) کے ایک آزاد کردہ غلام (مولیٰ) کے ہاں روپوش ہو گئے ۔ (مگر ابو مخنف ہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ نے عبدالملک بن بشر بن مروان بن الحکم اموی کے ہاں پناہ لی تھی ۔ اس خاندان کے کسی غلام نے انہیں پناہ نہ دی تھی : دیکھئے الطبری ۲: ۱۷۱۴'۱۷۱=۷: ۱۸۹)۔ (وہاں چندے قیام کے بعد یحییٰ) خراساں بھاگ گئے ۔ اور خلیفہ ہشام بن عبدالملک کی موت (۶ ربیع الثانی ۱۲۵ھ) تک ایک معزز و شریف عرب کے ہاں چھپے رہے ۔ اس کے بعد ان کا پتا چل گیا اور انہیں حکومت کے سپرد کر دیا گیا۔ مگر خلیفہ ولید ثانی (ولید بن یزید بن عبدالملک) نے رہا کر دینے کا حکم دیا۔ لیکن (اس حکم پر عمل نہ کیا گیا) اور (خراسان کے) گورنر نصر بن سیار (فزاری) کے حکم سے ان کی تلاش جاری رہی اور وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر چھپتے چھپاتے مغربی سرحدی شہر ''بیہق'' پہونچ گئے ۔ اگر یحییٰ اس طرح اپنے سفر میں مسلسل رہتے تو خدشہ تھا کہ (عراق کے) گورنر یوسف بن عمر (ثقفی) کے حدود حکومت میں جا پہونچتے ۔ سو انھوں نے یہ مناسب نہ خیال کیا کہ اس کے ہاتھ آ جائیں' اس لئے وہاں سے واپس ہو کر وہ مشرقی علاقہ (خراسان) واپس چلے گئے ۔ (کیونکہ وہاں مرکز حکومت سے دوری کے سبب نسبتہً سکون تھا)۔ اگرچہ (اموی گورنر) نصر (بن سیار) نے افسروں کو یہ حکم دیا تھا کہ یحییٰ کو ''ہرات'' سے گزرنے نہ دیں' مگر وہ اپنے ستر (۷۰) حامیوں کے ہمراہ ''ہرات'' پہونچنے میں کامیاب ہو گئے ۔ بعد ازاں وہ ''ہرات'' سے ''جوزجان'' چلے گئے ۔ لیکن ان کا تعاقب کرنے والی فوج نے'

marfat.com

جسے (حاکم خراسان) نصر بن سیار نے ان کے مقابلے کی غرض سے بھیجا تھا' انہیں اچانک بے خبری میں گھیر لیا۔ اس جنگ میں یحییٰ بن زید اپنے ساتھیوں کے ساتھ ''الانبار'' میں مارے گئے۔ (یاقوت (حموی معجم البلدان) ۱:۲۷۰) ۔ اور خلیفہ (ولید بن یزید بن عبدالملک) کے حکم سے ''گئوسالہ ءعراق'' (یحییٰ بن زید بن علی) کو جلا کر ان کی ''راکھ'' (خاکستر) کو (فرات) کے پانی میں بہادیا گیا۔(٦) (۱۲۵ھ) اس کے بعد ابو مسلم خراسانی 'یحییٰ کے خون کے انتقام اور ان کے قاتلوں کو قتل کرنے کی دعوت لے کر اٹھا۔ (ابومخنف درطبری' جلد دوم' صفحہ ۱۷۷۰۔۱۷۷۴۔ جلد ہفتم صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۰) ۔ (یحییٰ بن زید کے انجام سے متعلق ولہاوزن و نیز مترجم عربی کو سخت اشتباہ ہوا ہے اور صورت واقعہ مسخ ہوکر رہ گئی ہے۔ یحییٰ ''الانبار'' (عراق) کے قریب نہیں مارے گئے تھے بلکہ انہیں خراسان میں ''جوزجان'' کے قریب قتل کیا گیا تھا۔ نیز ان کی لاش کو جلائے جانے کا بھی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جس کی لاش جلا کر راکھ فرات میں بہادی گئی تھی' وہ یحییٰ کے والد زید تھے۔ اس موقع کی ابن الاثیر کی عبارت کا لفظی ترجمہ درج ذیل ہے :۔ ''نصر بن سیار نے مسلم بن احوز کو یحییٰ کے تعاقب میں روانہ کیا۔ اس نے ان کو ''جوزجان'' میں جالیا۔ یحییٰ نے اس سے جنگ کی مگر ایک تیر ان کی پیشانی پر آ کر لگا جس سے وہ جاں بحق ہوگئے اور ان کے ستر کے ستر ساتھی بھی مارے گئے ۔ جب خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک کو یحییٰ کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی تو اس نے عراق کے گورنر یوسف بن عمر کو لکھا کہ ''اہل عراق کے ''گئوسالہ یعنی زید کو تختہ دار سے اتار کر' آگ میں جلا دو اور راکھ دریا میں بہادو'' یوسف نے اس حکم پر عمل کیا اور راکھ کو ایک کشتی میں رکھوا کر فرات میں بہادیا۔ جہاں تک یحییٰ کا تعلق ہے انہیں قتل کے بعد ''جوزجان'' میں سولی دے دی گئی ۔ وہ ابو مسلم خراسانی کے جوزجان پر قبضہ تک مصلوب رہے ۔ اس نے انہیں صلیب سے اتروا کر نماز جنازہ پڑھائی اور دفن کر دیا اور ان پر نوحہ وبکاء کرنے کا حکم دیا'' دیکھئے الکامل فی التاریخ لابن الاثیر الجزری جلد رابع' صفحہ ۲۵۹' ۲۶۰ ۔ نیز الطبری جلد ہفتم ص ۲۲۹،۲۳۰ جس کا غلط ترجمہ کیا گیا ہے)یوں (جناب) زید بن علی کا انجام اپنے جد امجد سیدنا حسینؓ کے انجام جیسا ہی ہوا۔ اسی طرح ان کے قتل سے ان تمام لوگوں یا کچھ لوگوں میں جنھوں نے ان سے خلوص

marfat.com

وفاداری کا وعدہ کیا تھا اور اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے تھے' ایک طرح کی تبدیلی واقع ہوئی۔ یہ لوگ جناب زید کے سچے حامی و مددگار ہو گئے۔ اور ان کے نام پر اپنا نام ''الزیدیہ'' رکھ لیا۔ یہ لوگ ''روافض'' سے اس معنی میں علیحدہ و ممتاز ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ کے خاندان سے محبت (تولاء) کرتے ہیں۔ (مولف سے یہاں بھی تسامح ہوا ہے۔ ''زیدیہ'' میں آل حسینؓ اور آل حسنؓ دونوں ہی کے ائمہ ہوتے ہیں اور یہ لوگ دونوں ہی کی نسلوں سے تولاء کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''روافض'' میں آل حسینؓ سے تولاء کرنے والے بھی ہیں۔ شیعوں میں ''فرقہ ء زیدیہ'' معتدل اور مسلک اہل سنت سے قریب تر ہے۔ یہ لوگ ''اصول'' میں معتزلہ' اور ''فروع'' میں ''احناف'' سے بشتر مسائل میں متفق ہیں۔)

marfat.com

حواشی۔ باب ششم

۱۔ مگر خود "روافض" یہ کہتے ہیں کہ انہیں سب سے پہلے زید نے یہ نام نہ دیا تھا' بلکہ ان سے بھی پہلے کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ان کو اس نام سے پکارا تھا۔ (الطبری' ۲:۰۰ ۱۷=۷:۱۸۱ :۳: ۵۶۱=۸:۱۹۸: الکامل ص۵۴۸ (للمبرد) الاغانی ۳: ۲۴ ؛ ۱۲: ۲۳ ؛ ۱۸:۵۹) السَبَئِیّہ (سبائی) اور الرافضہ (رافضی) ایک ہی گروہ کے بالترتیب قدیم وجدید نام ہیں۔ (یعنی پہلے یہ لوگ سبائی کہلاتے تھے' بعد ازاں ان کو رافضی کہا جانے لگا)۔

۲۔ الاغانی ۱۵:۱۲۱:۱۹:۵۸ میں مذکور ہے کہ اس سے ایک یا دو سال پہلے خالد بن عبداللہ قسری کی گورنری کے زمانہ میں بعض جوشیلے شیعوں نے جو شورش برپا کی تھی' ان میں انھوں نے یہ نعرہ لگایا تھا "لبیک جعفراً"۔ اس نعرے سے "جعفر کی الوہیت کے عقیدہ کا اظہار ہوتا تھا' حالانکہ اس وقت ان کا سن تیس سال بھی نہ تھا۔ مگر طبری ۲: ۱۶۲۰=۷: ۱۲۹۔ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے یہاں پھر ولہاوزن اور مترجم عربی سے غلطی ہوگئی۔ اس موقع پر ان لوگوں کو جعفریہ" نہیں بلکہ" وصعفاء (غلام' موالی) کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ یہ لوگ صرف آٹھ افراد تھے اور عرب بھی نہ تھے ان کا سردار ایک پیر مرد مغیرہ بن سعید تھا۔ اس شورش کا خالد بن عبداللہ قسری پر بڑا اثر ہوا تھا اور وہ اتنا پریشان ہوا کہ منبر پر پانی مانگ کر پیا' جس کا لوگوں نے مذاق اڑایا۔ جب یہ سب اس کے پاس پابجولاں لائے گئے تو اس نے نہایت سنگ دلی سے انہیں آگ میں جلوا دیا۔

۳۔ طبری ۲: ۱۶۶۷=۷: ۱۶۰ ... واقدی کی روایت میں یہ سال ۱۲۱ھ ہے۔ مگر ابو مخنف کے مطابق یہ سال (جس میں جناب زید شہید ہوئے) ۱۲۲ھ ہے۔ ہفتہ کے دنوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے' کیونکہ صرف ۱۲۲ھ میں صفر کی پہلی تاریخ کو بدھ کا دن تھا۔ (ابن الاثیر

marfat.com

نے ان دونوں سنیں میں یوں تطبیق کی ہے کہ جناب زید بن علی کی تحریک کا آغاز ۱۲۱ھ میں بیان کیا ہے اور اس کا انجام ۱۲۲ھ کے دوسرے مہینے کی تیسری تاریخ یعنی جمعہ کے دن کو ظاہر کیا ہے۔ اس دن جناب زید کی لاش قبر سے نکال کر صلیب پر چڑھائی گئی تھی۔ پھر یہ تحریک تین سے پانچ ماہ تک جاری رہی۔ جس میں سے ۱۲۱ھ کے چار اور ۱۲۲ھ کا صرف ایک مہینہ شمار ہوتا ہے۔ اس بناء پر واقدی اور ابومخنف دونوں کی روایتیں درست ہیں اور ان میں کوئی حقیقی تعارض و تناقض نہیں ہے۔ دیکھئے الطبری جلد ہفتم و الکامل جلد چہارم بضمن واقعات سنین ۱۲۱، ۱۲۲ھ)۔

۴۔ مارقوات (*Marquart*) صفحہ ۵۰ ''ایران شہر'' (یہ تیر انداز بلوچ اور ترک تھے)۔

۵۔ صلبنا لکم زیداً علیٰ جِذعِ نخلتِہِ ولم نرمھدیّاً علی الجذع یَصلَب

(الکامل (للمبرد) صفحہ ۱۰۷) یعنی ہم نے تمہارے لئے زید کو درخت خرما کے تنے پر سولی دیدی۔ حالانکہ ہم نے کسی ''مہدی'' کو درخت خرما کے تنے پر سولی پر لٹکتا ہوا نہیں دیکھا۔

۶۔ التورات، سفر الخروج، اصحاح ۳۲۔ یہ اشارہ ہے بنو اسرائیل کے گئو سالہ کی طرف، جو سفر مذکور میں بیان ہوا ہے۔ (اموی خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک نے جناب زید بن علی کو عداوت قلبی کے سبب ''عجل العراق'' عراق کا گئو سالہ کہا تھا)۔

باب ہفتم

''عہد اموی میں شیعوں کی آخری بغاوت''

(عبداللہ بن معاویہ شیعہ نہ تھا اور نہ اس کی بغاوت کا شیعی تحریک سے کسی طرح کا تعلق تھا۔ اسلام سے پہلے ایران وعراق میں مزدکی مذہب کی ترویج سے معاشرہ تلپٹ ہو گیا تھا اور اباحیت، حیاتی تعیش اور اخلاقی انارکی عام ہو گئی تھیں۔ اسلام پر ایک صدی گزرتے گزرتے یہ اخلاقی بے راہ روی بہت بڑھ گئی تھی۔ اسے مجون (مسخرہ پن) اور غیر سنجیدہ حرکات کے ارتکاب سے مزید پختہ کیا گیا۔ عباسیوں کے برسر اقتدار آتے ہی ایران وخراسان کے یہ مادر پدر آزاد ایک سیلاب کی طرح آئے اور انہوں نے معاشرہ کے اخلاق کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ اس کے علاوہ اسلام کے عقائد، جزا وسزا کے تصور اور حیات بعد الموت کے اصول کا مذاق اڑایا گیا۔ اور بحیثیت مجموعی یہ رویہ، تحریک زندقہ کی شکل میں نمایاں ہوا۔ عباسی خلفاء میں المہدی اور الرشید نے اس وباء کا سختی سے تدارک کیا اور جو سر پھرے بے فکرے نوجوان اس سے متاثر تھے انہیں سخت سے سخت سزائیں دی گئیں اور ان زنادقہ نے دین میں جو تحریف کرنی چاہی تھی اس کا تدارک محدثین وعلما کلام نے کیا۔ عبداللہ بن معاویہ کی اس بغاوت کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ اسے شیعی تحریک قرار دینا تحکم اور زیادتی ہے۔ مترجم)

بنو امیہ کے عہد خلافت میں شیعوں نے جو سب سے آخری بغاوت کی، اسے حضرت علیؑ کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے پڑپوتے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے برپا کیا۔ اس (عبداللہ بن معاویہ) کو حقیقی معنوں میں ''اہل بیت'' میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ۱۲۶ھ میں اپنے بھائیوں (حسن بن معاویہ اور یزید بن معاویہ بن عبداللہ) کے ہمراہ (اموی خلیفہ) یزید ثالث (بن ولید بن عبدالملک) کے گورنر

marfat.com

(عبداللہ) ابن عمر (بن عبدالعزیز) کے پاس وظیفہ وعطیہ کی توقع میں کوفہ آیا۔ (گورنر نے ان تینوں بھائیوں کے لئے تین سو درم یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا اور یہ لوگ امن وسکون سے رہنے لگے) اس طویل قیام کے دوران میں عبداللہ بن معاویہ نے (کوفہ کے مشہور اقتدار پسند سردار) شبث بن ربعی (یربوعی) تمیمی کے پڑپوتے (حاتم بن شرقی بن عبدالمومن بن شبث بن ربعی) کی بیٹی سے شادی بھی کر لی۔

یزید ثالث کی موت اور شام میں حالات کے دگرگوں ہونے اور (بنوامیہ میں) انتشار وعداوت کی وجہ سے کوفہ میں گورنر (عبداللہ) ابن عمر اور بالعموم سبھی گورنروں کے اقتدار کی چولیں ہل گئیں اور ایک طرح کا ضعف آ گیا۔ کوفہ کے شیعوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر (بن ابی طالب کو ورغلا کر بغاوت پر آمادہ کر لیا) اور اس کی بیعت کر لی۔

بیعت کرنے کے بعد ان لوگوں نے اسے قصر امارت (الف) میں لا کر بٹھا دیا۔ یوں تمام اہلِ کوفہ نے اس کی بیعت کر لی۔ بعد ازاں وہ لوگ (شیعہ اور کوفہ کے دوسرے باشندے) ان شامی افواج سے جو گورنر (عبداللہ) ابن عمر (بن عبدالعزیز بن مردان) کے ساتھ ''حیرہ'' میں مقیم تھی، جنگ کی غرض سے شہر سے باہر نکلے۔ یہ ماہ محرم ۱۲۷ھ (مطابق اکتوبر۔ نومبر ۷۴۴ء) کا واقعہ ہے۔ لیکن جنگ چھڑتے ہی کوفہ والے بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف ''قبیلہ ربیعہ'' کے لوگ اور ''زیدیہ'' (زیدی شیعہ) ثابت قدم رہے۔ اور بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ یہ لوگ کوفہ کی سڑکوں پر کئی دن تک لڑتے رہے۔ انہیں آخر کار امان دیدی گئی اور عبداللہ بن معاویہ کو وہاں سے چلے جانے کی اجازت مل گئی (الطبری، ۲:۹:۱۸۷۷ = ۷:۳۰۲)۔

چنانچہ عبداللہ بن معاویہ ''مدائن'' ہوتا ہوا اقلیم میڈیا (جبال، ایران) چلا گیا۔ وہاں اس کے پیروؤں کی تعداد بہت بڑھ گئی اور کوفہ اور دوسرے مقامات کے بہت سے غلام و موالی اس سے آ کر مل گئے۔ اس نے اصفہان میں قیام اختیار کیا (اور قرب وجوار کے مواضع مثلاً حلوان وماہین وغیرہ پر قبضہ کر لیا) بعد ازاں وہ ۱۲۸ھ میں ''اقلیم فارس'' کے شہر ''اصطخر'' چلا گیا۔ وہاں سے اس (عبداللہ بن معاویہ) نے دور دراز علاقوں پر قبضہ

marfat.com

جما لیا۔ چونکہ اس زمانے میں (خلافت اموی کے) مشرقی علاقے انتشار کا شکار تھے اور عموماً بے حاکم ووالی تھے، اس لیے جو بھی فساد برپا کرتا وہی اس خطہ کا مالک وحاکم بن بیٹھتا تھا یوں عبداللہ بن معاویہ کے ساتھ حد درجہ مختلف الخیال گروہ اور افراد اکٹھا ہو گئے۔ ان میں عباسی خاندان کے (عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس) اور اموی خاندان کے افراد بھی تھے (مثلاً سلیمان بن ہشام بن عبدالملک) ان لوگوں کو یہ توقع تھی کہ وہ (عبداللہ بن معاویہ سے) انعام یا عطیہ کے طور پر کچھ قوم اینٹھ لیں گے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ''خوارج'' جو شیبان بن عبدالعزیز وسلیمان بن ہشام کی قیادت میں خلیفہ مروان ثانی (بن محمد بن مروان) سے ''موصل'' کے مقام پر لڑے تھے اور مروان نے انہیں وہاں سے کھدیڑ کر نکال دیا تھا، بھاگ کر عبداللہ بن معاویہ کے پاس چلے آئے تھے۔ یہ واقعہ ۱۲۹ھ کے اواخر یا ۱۳۰ھ کے اوائل کا ہے۔ لیکن ان سبھوں کو مروان ثانی کے لشکر نے شکست فاش دی اور عبداللہ بن معاویہ مروالشاذان میں ہزیمت اٹھا کر اپنی چند روزہ حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ یہ واقعہ ۱۳۰ھ کے اواخر کا ہے۔ (رجوع کیجئے الطبری، ۲:۱۹۷۸=۷:۳۷۲،۳۷۳)۔ اس شکست کے بعد عبداللہ بن معاویہ ''کرمان'' بھاگ گیا۔ وہاں سے ''بجستان'' کی راہ لی اور آخر میں ''ہرات'' پہنچ گیا۔ اسے یہ توقع تھی کہ (عباسی داعی) ابومسلم خراسانی (جس نے اموی حکومت کا خراسان سے قریب قریب خاتمہ کردیا تھا) اسے خوش آمدید کہے گا (اور اسے تخت حکومت پر متمکن کردے گا)۔ لیکن اس کی توقعات کے برعکس ابومسلم خراسانی نے اس کو گرفتار کرلینے کا حکم دیا۔ اور بعد ازاں خفیہ طور سے اس کا گلہ گھونٹ کر اسے موت کی نیند سلا دی گئی۔ اس واقعہ کے ایک عرصہ بعد عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی قبر کا انکشاف ہوا اور اسے متبرک سمجھ کر اس کی زیارت کی جانے لگی۔ (المدائنی در الطبری، جلد۲، صفحہ ۱۹۷۶= جلد ۷، صفحہ ۳۷ وبعد۔ ابن الاثیر، جلد ۵، صفحہ ۲۸۴)۔

خلافت بنی امیہ کے آخری سالوں میں حدود خلط ملط ہوگئیں اور مخالف ومعاند قوتیں آپس میں گڈمڈ ہوگئیں (اور ہر سو انہوں نے حکومت وقت کے خلاف شورش برپا کردی) مگر ان سبھوں نے اموی حکومت کے خلاف ایک دوسرے سے تعاون کیا اور متحد

marfat.com

ہو کر اس کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ شیعہ اور خوارج بھی ایک پرچم تلے اس سے نبرد آزما رہے۔ مگر عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا تشیع اپنی فطرت کے اعتبار سے مطعون ومشکوک ہی تھا (اور اسے شیعوں کی تحریک قرار دینے کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات تھے)۔

الاغانی کے مؤلف (ابو الفرج الاصفہانی) کے بقول (ج ۱۱، ص ۷۵ وبعد) عبداللہ بن معاویہ سخی، ذکی اور شاعر وفیاض تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی ''بے ضمیر'' اور ''مخولیا'' بھی تھا (غیر سنجیدہ ومسخرہ) وہ اپنے پاس ''ملحدین'' کو جمع رکھتا تھا، انہیں میں وہ شخص بھی تھا جو بعد کے زمانہ میں ''الحاد'' کے جرم میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ وہ حیات بعد الموت اور روز جزاء، قیامت اور حساب کتاب کا منکر تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ آدمی گھاس پات کی طرح ہے اور ہلاک ہو کر اس کا وجود نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے۔ یقیناً شیعوں اور مخولیوں کے درمیان نہایت قدیم سے روابط وتعلقات رہے ہیں۔ مگر شیعوں کی ان بغاوتوں کے ثمرات جن میں انہوں نے بعد میں بزدلی کا مظاہرہ کیا، عباسیوں کو ملے اور انہیں نے اس کے فوائد حاصل کیے۔ بہر کیف اس کے بعد کہ ان کے لیے دوسروں نے سخت جدوجہد کی اور اپنا خون بہایا، ایک طویل عرصہ تک انہیں انتظار کرنا پڑا اور پھر (حکومت کرنیکا) ان کا اپنا وقت آ گیا۔

marfat.com

''حواشی ترجمہ انگریزی''

(کتاب کے انگریزی ترجمہ سے ضروری حواشی مزید افادیت کی غرض سے اردو ترجمہ میں شامل کیے گئے ہیں)

''باب اول''

(۱) کوفہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے حامیوں کا مرکز تھا۔ یہاں آباد قبائل حکومتی محاصل کی لامرکزیت کے حامی تھے اور ان کا مطالبہ تھا کہ تقسیم کے بعد فاضل رقم مرکز کو نہ روانہ کی جائے، بلکہ انہیں میں بانٹ دی جائے۔ یوں یہ لوگ (حضرت) عمر (فاروق رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کی اس پالیسی کے مخالف تھے کہ فاضل رقم مدینہ کے مرکزی بیت المال کو لوٹا دی جائے۔ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوگا، خود کوفہ میں ان کی اولاد افراد خاندان کی حمایت بہت کم ہوگئی تھی۔ ''اہل کوفہ'' کی حمایت علیؑ کو ولہاؤزن نے ''عراقی تحریک'' کا نام دے کر غیر ذمہ داری کا اظہار کیا ہے۔ (Prof. I.M.Lapides of Berkeley="L")۔

''باب دوم''

(۱) دوسری روایتوں کی رو سے یزید نے (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کا ذکر احترام سے کیا اور اس عجلت پر جس سے وہ شہید کیے گئے، اظہار تاسف کیا۔ (انسائی کلوپیڈیا آف

marfat.com

اسلام (نیو ایڈیشن) ۳:۱۱۱۶))''L''۔

(ب) دیکھئے انسائی کلو پیڈیا آف اسلام (نیو ایڈیشن) ۱:۶۳۴۴ stile,Editor R.C. ="Ed.")۔

''باب چہارم''

(ا) (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں مختار سرکاری خدمت پر مامور تھا۔ (دیکھئے ''کاہن'' کی کتاب "Points de Vue Sun La Revolution abbaside" (Revne Historique,1963, pP230,303) "L"۔

(ب) غالباً محمد بن حنفیہ نے مختار کی حمایت کی پیش کش کو قبول کرلیا تھا، مگر یہ امر مشکوک ہے کہ انہیں ''مہدی'' کے لقب سے ملقب کیا گیا تھا۔ ان کی ''مہدیت'' بعد کے دور کی فکر ہے۔ (دیکھئے کاہن کی کتاب مذکور الصدر، ص ۳۰۴، ۳۰۵) ''L''۔

(ج) وہ ایرانی فوجی جو جنگ میں گرفتار کرلئے جاتے تھے یا جو ہتھیار ڈال دیتے تھے، ان کو ''موالی'' بنا لیا جاتا تھا اور ان سے فوجی خدمت لی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ دوسرے بہت سے ''موالی'' آرامی یا عیسائی تھے جنہیں قرب وجوار کی آبادیوں سے لایا گیا تھا۔ "L"(Watt, Shi' ism Under the Umayyads, 1960,P162)۔

(د) کبھی کبھی ان لوگوں کو ''اولاد الخشبیہ'' کہا جاتا تھا۔ ''Ed''۔

''باب پنجم''

(ا) ولہاؤزن یہاں ابن الحنفیہ سے متعلق عقائد کا ذکر کر رہا ہے۔ ''غلاۃ'' کا تعلق مگر صرف انہیں سے نہیں ہے بلکہ بعد میں اس اصطلاح کا اطلاق ابتدائی شیعی نظریات و میلانات پر

marfat.com

کیا گیا ہے (دیکھئے ''واٹ'' کتاب مذکورہ pp 166-68 نیز Hodgoon, Shia Became
"L"(Sectarian, PP4-8, ۔

(ب) ''رجعت'' کے معنی ہیں جسم سابق میں موت کے بعد واپسی۔ یہ ''تناسخ'' کا مرادف نہیں ہے، جس میں جسم بدل جاتا ہے۔ یہاں ولہاؤزن جس نقطہ کی وضاحت کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ''غیبت'' یعنی ''ستر'' (پوشیدگی) سے واپسی، موت کے بعد واپسی نہیں ہے اور یوں وہ (غیبت) ''رجعت'' سے مختلف ومتضاد ہے۔ "L" (Hodgoon, Shia, P7)۔

(ج) ''قیصریت'' سے ولہاؤزن کی مراد مذہبی ''لادینی'' اقتدار کا اتحاد ہے۔ مگر شیعوں کا ''امام'' ایسا نہیں ہے۔ ان کے ہاں امام سربراہ مملکت اور مذہب کا مقتدر اعلیٰ ہے۔ ''قیصر یا پاپائی'' کا انتظامی سربراہ ضرور ہوتا ہے مگر عقائد پر ہمہ مقتدر نہیں ہوتا۔ ''L'' ۔

''باب ششم''

(ا) ''اہل کوفہ'' کی ان بعد کی بغاوتوں کے مفصل حالات ولہاؤزن کی کتاب ''دولت عربیہ اور اس کا زوال'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ "L" "The Arab (Translation) Kingdom and its Fall" ''۔

(ب) فرقہ زیدیہ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ''امام مستور'' کے عقیدہ کے منکر ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ''اہلِ بیت'' رسول (ﷺ) میں سے جو شخص بھی ''امامت'' کے دعوی کے ساتھ خروج کرے اور اس کے لیے عملی جدوجہد کرے (بشرطیکہ وہ عادل وعالم ہو) وہ امامت کا جائز حق دار ہے۔ (جناب) زید نے (حضرت) ابوبکر (صدیق رضی اللہ عنہ) اور (حضرت) عمر (فاروق رضی اللہ عنہ) کی خلافت کو جائز قرار دے کر لوگوں کی وسیع بنیادوں پر حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی اور یوں اپنی تحریک کو زیادہ موثر بنایا ''L'' (دیکھئے ''واٹ'' PP169, 70، کاہن PP315, 16)۔

marfat.com

(ج) اس عہد تک ''عرب افواج'' میں مقامی لوگوں کو بھرتی کیا جانے لگا تھا۔ اوران کی ایک بڑی تعداد کو عراق لایا گیا تھا جو عرب گورنروں کے ''دستۂ محافظ'' کے بطور مقرر کیے گئے تھے۔ ''قیقان'' طبرستان اور سندھ میں ایک مقام کا نام تھا۔ (صحیح یہ ہے کہ ''قیقان'' بلوچستان میں واقع تھا، چونکہ اس عہد میں بلوچستان سندھ کا سیاسی حصہ تھا، اس لیے اسے سندھ کا ایک مقام کہا گیا ہے) ۔عربی فتوحات میں ایرانی افواج کے کردار کے لیے H.A.R.Gibb کی کتاب دیکھئے:۔ The Arab Conquests of Central Asia, ''(L)''London,1923۔

(د) دیکھئے الطبری، ج ۲، ص ۱۷۰۹؛ ج ۲، ص ۶، ۵= ج ۷، ص ۱۸۷، ۱۸۶؛ ۵: ۱۶۳، ۱۶۲)۔''Ed''۔

''باب ہفتم''

(ا) ابن معاویہ کو اس لیے حمایت حاصل ہوئی کہ وہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے خاندان سے تھا۔ (یعنی ان کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب اوران کی بیٹی زینب بنت فاطمہؑ کی نسل سے اس کا تعلق تھا)۔ ہر چند کہ وہ اپنے خاندان کا کوئی معزز فرد نہ تھا لیکن شیعوں کی قیادت وامامت کے اپنے دعوے کو اس نے اس ادعاء سے قوی کیا کہ ''روح اللہ'' ''اہلِ بیت رسولؐ'' کے توسط سے بھی اس میں منتقل ہو کر حلول کر گئی ہے (دیکھئے انسائی کلو پیڈیا آف اسلام (نیو ایڈیشن) ۱: ۴۸، ۴۹؛ واٹ، P170؛ کاہن، (PP316,17 ''L''۔

marfat.com

بسمِ اللہ الرحمٰن الرحیم

''ضمیمہ''

''نظام خلافت اور اسلامی سیاست کاری کا تاریخی ارتقاء''
(از ۱۱ھ تا ۱۳۲ھ یعنی آغاز سے عہد اموی کے اختتام تک)

اسلام کے نظام سیاسی سے ہماری مراد نظامِ خلافت و امامت ہے۔ ہم اپنی اس بات چیت کو اسی تک محدود رکھیں گے اور اس کے عہد بعہد کے تصورات و تغیرات سے بحث کریں گے۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ ہم سیاسی عمل سے اصول اخذ کریں گے اور اپنی جانب سے اصولِ موضوعہ قائم کر کے عمل سیاست کاری کو اس کے پیکر میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کریں گے، ہم امتِ مسلمہ کے تعامل اور ہر عہد کے سیاسی اعمال واوضاع سے اصول مستنبط کرنے کی امکانی سعی کریں گے۔ اس موضوع کے نظری حصہ کے لیے قاری کو ہم اپنے ایک اور مقالہ بعنوانِ ''خلافت وامامت'' سے رجوع کرنے کا مشورہ دیں گے، جو مقالہ زیرِ نظر کا تتمہ وتکملہ ہے۔

قرآن مجید میں خلافت سے متعلق کوئی مکمل ضابطہ اور جامع اصول موجود نہیں ہے، اور یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، کیونکہ قرآنِ مجید انسانوں کے اخلاق اور ان کے عقائد وعبادات کی تنزیہہ وتزکیہ اور ایک صالح معاشرہ کے قیام کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات کا بنیادی مقصد ایک اعلیٰ وارفع معاشرہ کا انصرام وانتظام ہے۔ یہ معاشرہ ایسا ہو جہاں محاسن اخلاق کی آبیاری کی جاتی ہو اور جہاں لوگ صحیح عقائد اور منصفانہ طرز بود وماند کے اصول پر کاربند ہوں۔ یہ معاشرہ دنیا میں بھلائی (معروف) کو پھیلنے اور برائی (منکر) کو روکنے میں سرگرم ہو اہل ایمان اس کے لئے ذمہ دار ہوں اور اہل عالم کے اعمال وافعال پر شاہد عدل بھی ہوں[۱]۔ یہی سبب ہے کہ قرآن مجید میں خلیفہ کے انتخاب، اس کے اوصاف، اسے منتخب کرنے والوں کے اوصاف، حکومت، اس کے محکوموں

marfat.com

وغیرہ کے متعلق کوئی بلا واسطہ ذکر نہیں ہے۔ ان قرآنی آیات سے جو ایک عالمی معاشرہ کے قیام کے متعلق نازل ہوتی ہیں، ہم کچھ قواعد اور اصول ضرور مستنبط کر سکتے ہیں۔ اور چونکہ ایک صالح و کارگزار معاشرہ کے بارے میں اسلام جو کچھ چاہتا ہے، اس میں ''سیاسی قوت'' بھی شامل ہے، اور وہ اس لئے کہ اس کے بغیر کسی بھی معاشرہ کی بقاء ممکن نہیں ہے۔ یوں قرآنِ مجید میں ہمیں سیاست کاری کے اصول مل جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے حیوانات کے مانند پابند اور بے اختیار نہیں پیدا کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اسے بہت زیادہ با اختیار بھی نہیں بنایا ہے۔ اسے عقائد صحیحہ اور محاسن اخلاق پر عمل پیرا ہونے کا پابند بھی کیا گیا ہے اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے اپنے معاملات کو سرانجام دے اور اپنے لئے ایک عادلانہ نظام سیاست کاری وضع کرے۔ سیاست کاری کی تاریخ انسانی ارتقاء کی تاریخ کے تابع ہے۔ اس بناء پر ایسا ممکن نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کو کسی مخصوص اصولِ سیاست کاری کا پابند کر دیتا اور وہی اصول ہر دور اور ہر حال میں نافذ العمل قرار پاتا۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان جو پہلے تھا وہ آج نہیں ہے اور وہ جیسا آج ہے، کل ویسا نہیں رہے گا۔ چونکہ انسانی معاشرہ ترقی پذیر ہے اور اس کی تاریخ تغیر پذیری اور خوب سے خوب تر کی تلاش کی ایک طویل اور غیر مختتم داستان ہے، اس لئے اگر اسلام ایک مخصوص نظام حکومت و مملکت پندرہ سو (۱۵۰۰) سال پہلے متعین کر دیتا، تو تمام انسانی ترقیاں رک جاتیں اور تہذیب و تمدن کا ارتقاء ممکن نہ رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیاست کاری کے نظام کے وضع کرنے کا اختیار اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دیا ہے[۲]۔ اس طریقہ سے نوعِ انسانی کو بہت سے فوائد حاصل ہوئے مگر اس کی خام خیالی اور بشری کمزوریوں سے کچھ نقصان بھی پہنچے۔ ہماری تاریخ کے طالب علم کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلا اختلاف اس مسئلہ خلافت و جانشینی رسول ﷺ سے متعلق پیدا ہوا۔ اور یہی وہ سب سے اہم مسئلہ تھا جو بعد میں اسلامی فرقوں کے وجود میں آنے کا سب سے بڑا سبب ٹھہرا[۳]۔ یہ ابتدائی سیاسی اختلافات، سیاسی احزاب کی صورت میں ظاہر ہوئے اور مخصوص سیاسی اہواء و اغراض رکھنے والے لوگ ایک ''حزب'' یا گروہ کہلائے۔

marfat.com

مگر جلد ہی یہ سیاسی دھڑے بندی مذہبی فرقہ میں بدل گئی۔ اور اپنے کو دوسروں سے ممتاز کرنے کی کوشش میں مفروضہ و مزعومہ اختلاف پیدا کیے گئے۔ فردعی تنازعات کھڑے کرکے اپنے علیحدہ تشخص کے لئے جواز پیدا کیا گیا۔ پھر بتدریج ان فروعات کو اصول میں تبدیل کردیا گیا، اور انہیں اسلام کے اساسی ارکان وعقائد کے مماثل قرار دیا گیا[۴]۔ حتیٰ کہ ''توحید باری'' پر بھی حرفی وفرضی اختلافات رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔ معتزلہ اور ان کے مخالفوں نے ذات وصفات باری تعالیٰ کی نظری بحثوں کو جزوِ ایمان بنا کر تکفیر وتضلیل کے فتوے صادر کرنے شروع کیے اور نوبت قتل وغارت گری تک پہنچ گئی۔[۵]

قصہ مختصر جناب رسول ﷺ کے وصال کے فوراً ہی بعد مسلمانوں میں تین گروہ بن گئے، جن میں ایک گروہ انصار مدینہ کا تھا، جس میں زیادہ تر قبیلہ خزرج کے سربرآوردہ لوگ تھے، دوسرا گراوہ حضرت علیؓ کے حامیوں کا تھا، جس میں بنو ہاشم اور بنو عبد مناف کے کچھ افراد شامل تھے اور تیسرا اور سب سے بڑا گروہ مہاجرین کا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو السابقون الاولون مہاجرون صحابہ کی خلافت کے لئے بڑے پُر زور دلائل دینے پڑے اور ایک مدلل بحث کے بعد ان کے استدلال کو سقیفۂ بنی ساعدہ میں حاضر اصحاب نے تسلیم کیا اور اس کے بعد ان کی احقیت واولیت کے باعث لوگوں نے انہیں (حضرت ابو بکر صدیقؓ) خلیفہ منتخب کرکے انکی بیعت کرلی[۶]۔ صحابہ کرام کے اس تعامل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام میں جانشینی کے بارے میں کوئی واضح اور طے شدہ حکم موجود نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں بعض لوگ اسے خاندانی میراث قرار دیتے تھے اور اسے بنو ہاشم اور ان کے نمائندہ حضرت علیؓ کا حق سمجھتے تھے۔ دوسرا گروہ خلافت کے لئے انصار مدینہ کو حق دار سمجھتا تھا، کیونکہ وہی تھے جنہوں نے اسلام کو ایک مرکز وماویٰ فراہم کیا تھا۔ تیسرا گروہ مہاجرین صحابہؓ کا تھا، جو سبقت الی الاسلام، جاں نثاری اور جاں فشانی کے باعث للہ کے دین کی تائید ونصرت میں تمام اصحاب سے بڑھ کر تھا۔ یہ گروہ اسلام کی خاطر سب سے زیادہ قربانی دینے، جناب رسول مکرم ﷺ کی سب سے زیادہ نصرت وتائید کرنے اور اکابر قریش سے تعلق رکھنے کے سبب، امت کی امامت اور رسول اللہ ﷺ کی نیابت وجانشینی (خلافت) کا سب سے بڑھ کر مستحق خیال کیا جاتا تھا[۷]۔ یہاں ہم یہ بھی دیکھتے

marfat.com

ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت خلافت کے موقع پر کوئی ایسا مسئلہ درپیش نہ تھا کہ امت میں سے کون سے افراد امامت کے بارے میں رائے دینے کے اہل ومجاز ہیں اور انہیں امام وخلیفہ کے تقرر کا سب سے زیادہ حق حاصل ہے۔ یہ بات قریب قریب حتمی ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ اور مسجد نبویؐ میں انتخاب امام وخلیفہ سے متعلق پہلے سے کوئی طے شدہ اصول موجود نہ تھا، بلکہ یہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا اجتہاد تھا جسے صحابہ کرام نے قبول کیا اور یوں اصول اجماع کے تحت ان کا تقرر جائز قرار پایا۔ یوں حالات پیش آمدہ کے تحت امام وخلیفہ کا تقرر اجتہاد سے طے پایا اور انصار کے ایک نمائندہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے سوا کسی صاحب نے اس انتخاب سے اختلاف نہ کیا جہاں تک حضرت علیؓ کا تعلق ہے، تو ایک روایت کی رو سے انہوں نے بیعت عامہ کے موقع پر دوسرے اصحاب کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کر لی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہوں نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد خلیفۃ الرسول کی بیعت کی[۸]۔ لیکن کسی معتبر تاریخ سے ان کے ادعاء خلافت کا پتا نہیں چلتا۔ ان کے دعویٰ خلافت کی داستان بعد کے وضاعین کے ذہنوں کی پیداوار ہے۔ بلکہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بعض حضرات کے مشورہ پر اپنی خلافت کے بارے میں جناب رسول ﷺ سے دریافت کرنے سے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ آنحضرت ﷺ منع فرما دیں گے تو خلافت انہیں کبھی نہ مل سکے گی[۹]۔ اس طرح بعد میں انہیں بیعت خلافت کی پیش کش کرنے والوں کو بھی سختی سے انہوں نے ڈانٹ دیا تھا۔[۱۰]

بہر کیف انعقادِ خلافت وامامت کے سلسلہ میں یہ پہلا اختلاف تھا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کسی پہلے سے طے شدہ اصول کے تحت نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس میں اجتہاد واجماع کا اصول ضرور کارفرما تھا جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک اجماع مستند ہے اور اس کی حجتِ شرعیہ ہونے پر ان کا اتفاق ہے[۱۱]۔ ہر چند کہ بعض مسلمان فرقے اجماع کو حجتِ شرعیہ نہیں مانتے، مگر ان کا انکار محض ہوائے نفس اور تحکم ہے، جس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

۱۳ھ میں اسلام کے نظام سیاست کاری نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور

marfat.com

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مرض موت میں خلافت کا مسئلہ ایک بار پھر اُٹھا۔ مؤرخ کبیر محمد بن جریر طبری اور دوسرے مؤرخین کے بیان کے مطابق انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کی نامزدگی پر صحابہ کرامؓ میں سے ارباب حل وعقید سے مشورہ کیا، اور دلائل سے اپنی جانشینی کے لئے ان کو موزوں تر، اصلح واشمل ثابت کیا۔

بعد ازاں آپ نے صحابہ کرام کے مجمع سے جو، ان کے دولت کدہ کے باہر اکٹھا ہوگیا تھا، خطاب فرمایا اور منصب خلافت کے لئے حضرت عمر فاروقؓ کا نام پیش کیا۔ تمام اصحاب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا اور یوں سیدنا عمر فاروقؓ کی خلافت کا انعقاد ہوا [۱۲]۔ قاضی ابوالحسن علی الماوردی کے خیال میں یہ انعقاد، ولی عہدی کی ایک صورت، تھا اور اس سے انہوں نے اس کے جواز کی سند بہم پہنچائی ہے [۱۳]۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے، تو ''استخلاف عمرؓ'' میں ولی عہدی یا نامزدگی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا، بلکہ ایک طرح کا انتخابی طریقہ ہی اختیار کیا گیا تھا، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت سب سے نمایاں اور ممتاز تھی اور ان کے ہوتے کسی اور کے انتخاب کا سوال ہی نہ تھا [۱۴]۔ چنانچہ جب ارباب حل وعقد کے سامنے خلیفہ رسولؐ نے ان کا نام پیش کیا تو سبھی نے ان کے فضل واہلیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور صرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کی اشلیت اولیت کے اعتراف کے ساتھ ان کے مزاج کی قدرے سختی کا ذکر کیا (اِنّہ فِیہِ غِلظۃٌ)۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ''چونکہ مجھ میں نرمی ہے، اس لئے عمر میں قدرے سختی ہے، مگر جب میں نہ ہوں گا تو ان کے مزاج میں نرمی پیدا ہوجائے گی''۔ اس سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی مطمئن ہوگئے [۱۵]۔ حقیقت یہ ہے کہ آئندہ ہونے والے خلیفہ کا نام خلیفہ حال نے عام وخاص اصحاب کے سامنے پیش کیا، جو صرف ایک طرح کی تجویز تھی، سبھی نے اس تجویز کی تائید وتوثیق کی اور جنہیں اس سے کچھ اختلاف تھا، وہ بھی دلائل کے بعد اس سے متفق ہوگئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت مسلمانوں پر مسلط نہیں کی گئی، بلکہ اس پر اکابر صحابہ سے مشورہ کیا گیا اور عامۃ المسلمین سے اس کی تائید وتوثیق کرائی گئی۔

marfat.com

اس کے بعد اس کا اعلان کر دیا گیا، جب کہ ولی عہدی ایک جبر کے تحت لوگوں پر محض قرابت داری کے زیر اثر مسلط کر دی جاتی ہے اور اس میں امت کا اختیار غیر اہم وغیر موثر ہوتا ہے۔ ہم آگے چل کر ولی عہدی کی مختلف صورتوں کا ذکر کریں گے جس سے ہمارے معروضہ کی تصدیق مزید ہوگی۔ قصہ مختصر حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت عام منظوری کے بعد منعقد ہوئی لہٰذا الماوردی اور دوسرے سیاسی مفکرین کا یہ دعوٰی درست نہیں ہے کہ اسلام میں یہ ولی عہدی کا آغاز تھا، اور یہیں سے اس کے جواز کی سند ملتی ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کے بعد ایک بار پھر مسئلہ خلافت زیر بحث آیا کہ امت کا امام وخلیفہ کسے مقرر کیا جائے۔ جب زخمی ہونے کے بعد ان کے زندہ رہنے کی امید ختم ہوگئی تو ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے جانشین کا فیصلہ کر دیں چنانچہ اس غرض سے حضرت عمر فاروقؓ نے ممتاز صحابہ (بقیہ عشرہ مبشرہؓ) میں سے چھ (۶) حضرات کی مجلس شوریٰ مقرر کی کہ یہ اصحاب اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ بقیہ عشرۂ مبشرہ میں حضرت سعید بن زید عدویؓ بھی شامل تھے، مگر چونکہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے برادرِ عم زاد اور برادرِ نسبتی بھی تھے، اس لئے اپنے قرابت دار ہونے کی وجہ سے خلیفہ رسولؐ نے انہیں مجلس شوریٰ میں شامل نہ کیا [۱۶]۔ ان کا یہ عمل ''نظام ولی عہدی'' کے خلاف ایک قوی دلیل ہے۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ ان سے یہ درخواست بھی کی گئی تھی کہ وہ اپنے لائق بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیں، مگر انہوں نے اس تجویز کو یکسر مسترد کر دیا [۱۷]۔ یوں نظام ولی عہدی کے انکار پر یہ ایک اور دلیل ہے۔ بہرکیف یہ چھ (۶) افراد جنہیں حضرت عمر فاروقؓ نے مجلس شوریٰ کے ارکان کے بطور نامزد کیا، حضرات عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ یہ لوگ امت محمدؐیہ کے نہایت ممتاز افراد تھے اور ان میں سے ہر شخص خدمت اسلام اور مثالی کردار کے سبب منصب امامت وخلافت کا تمام افراد سے زیادہ اہل اور مستحق تھا۔ انہیں میں سے کسی ایک کو حضرت عمر فاروقؓ کا جانشین (خلیفہ) اور مسلمانوں کا پیشوا (امام) مقرر کیا جاتا تھا [۱۸]۔ گویا یہ ایک طرح کا ''حلقہ انتخاب'' تھا۔ کافی بحث وتمہید اور عامۃ المسلمین سے استصواب رائے کے بعد حضرت عثمان

marfat.com

بن عفانؓ کو خلیفہ منتخب کرلیا گیا اور تمام مسلمانوں نے بلا کسی اختلاف کے ان کی بیعت کر لی [۱۹]۔ حضرت عثمانؓ کے طریقہ انتخاب سے جو اصول وضع ہوا وہ یہ تھا کہ ان کی بیعت دو طریقوں سے ہوئی۔ پہلے ''بیعت خاصہ'' یعنی ارکانِ شوریٰ کی بیعت، بعد ازاں ''بیعت عامہ'' یعنی عامۃ المسلمین کی بیعت۔ ہم بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ یہ طریقہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طریقہ انتخاب سے مختلف نہیں ہے، کیونکہ وہاں بھی پہلے سقیفہء بنی ساعدہ میں ان کی ''بیعت خاصہ'' ہوئی اور اس کے بعد مسجد نبویؐ میں ان کی ''بیعت عامہ'' کا انعقاد ہوا۔

خلفاء راشدین کے انتخاب کے یہ دونوں طریقے (یعنی انتخاب حضرت ابوبکر صدیقؓ وانتخاب حضرت عثمانؓ کا طریقہ اور انتخاب حضرت عمر فاروقؓ کا دوسرا طریقہ) ''اختیار وانتخاب'' کی جانب رہنمائی کرتے ہیں اور ان میں نامزدگی اور ولی عہدی کا کوئی تصور کارفرما نہیں ہے، بلکہ ''انتخاب واختیار'' کی روح جلوہ گر ہے اور ''اجماع امت'' کے اصول پر اس کی اساس استوار ہے۔

لیکن مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے ان حضرات کی نامزدگی سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ان اصحاب کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کو امام وخلیفہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ سے گو واضح نہیں، لیکن بطریق استقراء یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ امت مسلمہ شوریٰ کے ان ارکان کو منصب خلافت کا مستحق ترین شخص نہیں، تو کم ازکم اس پر کسی کو منصوب وفائز کرنے کا مجاز ضرور سمجھتی تھی، اور اس میں وہ حق بجانب بھی تھی۔ [۲۰]

امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ سیاسی کشمکش اور اقتدار کی رسہ کشی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس خلفشار کی صدائے انتشار اسلامی تاریخ کے بیشتر ادوار میں سنائی دیتی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ امت محمدیہ کے اتحاد واتفاق کا شیرازہ بکھر گیا اور اختلاف وتشتت کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع ہوگیا۔ اجناد (جند، فوجی چھاؤنیاں) میں مقیم مقاتلہ ایک دوسرے سے دست وگریباں ہوگئے، جس سے اسلام کا نظامِ سیاست متاثر ہوا، لامرکزیت بڑھنے لگی اور عربوں کی ''مرکز گریز'' فطرت دوبارہ جاگ اٹھی۔ اس لامرکزیت کو اس سانحہ سے کافی تقویت بہم پہنچی، جب مدینہ سے دارالخلافہ کوفہ منتقل کردیا گیا۔ [۲۱]

marfat.com

قصہ کوتاہ حضرت عثمانؓ کے خلاف مدینہ پر باغیوں کی یورش کے باعث ''اس شہر نبیؐ'' میں انارکی اور مزاج کی بدترین صورت پیدا ہوئی، اس سے فائدہ اٹھا کر شہر (المدینۃ النبوۃ) پر باغی قاتلین عثمانؓ قابض ہوگئے۔ شہر کے بیشتر باشندے حالات کے جبر کے سبب بے بس ہوگئے اور ممتاز صحابہ بھی اس شورش پر قابو پانے پر کسی طرح بھی قادر نہ ہو سکے۔ اس ہنگامہ خیز فضا میں امت کے امام اور نبیؐ کے خلیفہ کے تقرر و نصب کا مسئلہ بڑی شدت سے اٹھا۔ ''ارباب حل وعقد'' بے اختیار تھے ''ارکانِ شوریٰ'' بے بس تھے اور باغیوں کے سرغنے شہر پر قابض اور چیرہ دست ہوگئے تھے۔ ان حالات میں حضرت علیؓ کی بیعت خلافت عمل میں آئی اور رسول اللہ ﷺ کے چوتھے ہدایت یافتہ جانشین (خلیفہ راشد) مسند نشین خلافت ہوئے [۲۲]۔ اس بیعتِ خلافت سے متعلق تاریخ میں بالکل غیر منضبط اور ژولیدہ روایات نقل کی گئی ہیں۔ ہم اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کریں گے اور اس سے ایک ''قاعدہ کلیہ'' اخذ کریں گے۔

جیسا کہ معلوم ہے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے پانچ دن بعد ذوالحجہ ۳۵ھ کے آخری ہفتہ میں حضرت علیؓ کی خلافت کی بیعت کی گئی۔ مگر دنیائے اسلام کے تمام مراکز نے متفقہ طور پر انہیں خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور ان کی بیعت سے لوگوں کی معتد بہ تعداد نے تخلف کیا۔ بیعت نہ کرنے والوں کا یہ استدلال تھا کہ خلافت کے انعقاد کے لئے ارباب حل وعقد یعنی نخبہ مہاجرین وانصار کی رضامندی ضروری ہے، جب کہ مجرموں کے ٹولے نے ایک سازش کے تحت مدینہ پر قبضہ کر کے خلیفۃ المسلمین (حضرت عثمانؓ) کو شہید کر دیا اور حضرت علیؓ کو منصب خلافت پر فائز کر کے ان اصحاب سے جو مدینہ میں مقیم تھے جبراً ان کی بیعت کرائی [۲۳]۔ خود حضرت علیؓ نے مدینہ پر باغیوں کی چیرہ دستی اور اپنی بے بسی کا اظہار کئی موقعوں پر کیا [۲۴]۔ یہ بات درست ہے کہ باغیوں کے ٹولے کو جو قتل عثمانؓ میں ملوث تھے، امام اور خلیفہ کے انتخاب کا کوئی حق نہ تھا، یہ بھی درست ہے اکابر صحابہ میں سے کچھ سے باغیوں نے زبردستی بیعت لی تھی، مثلاً حضرت طلحہ وحضرت زبیرؓ سے بزور شمشیر بیعت لی گئی [۲۵]۔ مگر تاریخ کی یہ بھی شہادت ہے کہ مدینہ ہی میں موجود صحابہ کرام کی اکثریت نے حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت برضاء و رغبت کی تھی یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت

marfat.com

عثمانؓ کی شہادت کے بعد بقیہ ارکان شوریٰ میں حضرت علیؓ نمایاں اور ممتاز تھے، سبقت الی الاسلام، عہد رسالت میں اعلیٰ حربی خدمات اور اپنے سے پہلے تینوں خلفاء کے ادوار میں اپنے صائب مشوروں کے باعث وہ امامت مسلمین اور خلافت نبویہ کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے۔ حضرت علیؓ کے استحقاق خلافت کو ان کے مخالفوں نے بھی تسلیم کیا تھا اور انہیں انعقاد خلافت کے طریقہ ونیز قصاص خلیفہ مظلوم (حضرت عثمانؓ) میں تاخیر پر اعتراضات تھے [۲۶]۔ حضرت علیؓ بوجوہ قصاص عثمانؓ نہ لے سکے اور سیاسی منظر کے بتدریج تبدیل ہونے کی وجہ سے وہ انہیں لوگوں پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو گئے، جو قتل عثمانؓ میں گلے گلے ڈوبے ہوئے تھے، مثلاً مالک اشتر نخعی، محمد بن ابی بکر، عمرو بن الحمق، کنانہ بن بشر تجیبی وغیرہ [۲۷]۔ ان سب باتوں کے باوجود امت محمدیہ نے انہیں خلیفہ راشد امام و مجتہد تسلیم کیا اور انہیں کے انداز جہاں بانی کو خلافت راشدہ کا تسلسل قرار دیا، سو جمہور کے نزدیک وہی امام برحق ہیں [۲۸]۔ بہر کیف ساری صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت میں بھی انتخاب کا عنصر غالب ہے، کیونکہ مسلمانوں کی بڑی تعداد نے ان کی بیعت کی تھی اور اس بیعت سے تخلف کرنے والوں (متخلفین) کی تعداد کم تھی [۲۹]۔ یوں ایک تیسرا طریقہ انتخاب وجود میں آیا، جو کسی صورت میں ناجائز نہیں تھا، بلکہ اکثریت کی حمایت و بیعت کے باعث حضرت علیؓ کی خلافت جائز اور خلافت راشدہ کا تسلسل ہی تھی۔

خلفاء راشدین کے انتخاب کے ان تینوں طریقوں میں شوریٰ کا اصول کارفرما ہے اور یہی تین طریقے اسلامی سیاسی نظام کی اساس ہیں۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کے انتخاب کا طریقہ، حضرت عمر فاروقؓ کے انتخاب کا طریقہ اور حضرت علیؓ کے انتخاب کا طریقہ۔

۴۰ھ میں امیر المومنین علیؓ کی شہادت کے بعد اس نظام میں بتدریج تبدیلی واقع ہونے لگی۔ جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی بیعت سے تخلف کیا تھا، ان میں امیر شام حضرت معاویہؓ سب سے نمایاں اور اہم فوجی قوت کے مالک تھے۔ شام کے لوگوں نے حضرت علیؓ کی کبھی بیعت نہ کی اور وہ قصاص عثمانؓ کے مطالبہ پر ڈٹے رہے۔ جنگ صفین کے بعد

marfat.com

حضرت معاویہؓ کی سیاسی وعسکری قوت میں اضافہ ہوتا گیا اور جلد ہی مصر پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا[۳۰]۔ بعد ازاں انہوں نے حضرت علیؓ کے مقبوضات پر چھاپے مارنے شروع کیے۔ آخر کار ۴۰ھ میں ایک معاہدہ کے تحت ان سرحدی جھڑپوں کے سلسلے بند ہوگئے[۳۱] یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ حضرت معاویہؓ، عہد فاروقی سے شام میں مختلف فوجی عہدوں پر فائز تھے اور عہد عثمانؓ کے اختتام تک وہ پندرہ سال سے وہاں کے والی اور حاکم تھے۔ وہ ایک منظم ومستعد فوج، ایک اعلیٰ نظم حکومت اور ایک عظیم سیاسی قوت کے مالک تھے۔ والی شام کی حیثیت میں وہ رومیوں سے بری وبحری جنگوں میں مسلسل سرگرم رہتے تھے اور ان کی زیر کمان افواج، عراقی افواج سے زیادہ مستعد، جنگ آزما اور منظم تھیں۔ اس بہترین فوج کے کمان دار ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی حیات میں، خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور امیر شام ہی کہلائے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ۴۰ھ میں بیت المقدس میں اپنی خلافت کا اعلان کیا[۳۲]۔ یوں ۳۵ھ کے اواخر سے ۴۰ھ کے رمضان تک دنیائے اسلام میں تمام تر اختلافات کے باوجود ایک ہی خلیفہ حضرت علیؓ رہے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اہلِ کوفہ نے ان کے صاحبزادہ جناب حسنؓ کی خلافت کی بیعت کرلی[۳۳]۔ یوں پہلی بار دنیائے اسلام میں بیک وقت دو خلفاء برسرِ اقتدار آئے اور دونوں ہی آمرونا ہی تھے۔ حضرت حسنؓ کی خلافت، اگرچہ صرف چند ماہ رہی، مگر وہ اسلام کے نظام سیاسی پر غور کرنے والوں کے لئے بڑی اہم ہے۔ اول تو اس لئے کہ باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی وخلافت کا وہ پہلا واقعہ ہے، دوم یہ کہ ایک ہی وقت میں حضرت معاویہؓ شام ومصر کے امیر وخلیفہ تھے اور حضرت حسنؓ عراق وخراسان کے، یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کے دو مراکز اقتدار ایک ہی وقت میں قائم ہوگئے۔ حضرت حسنؓ کے مختصر عہد خلافت کی تیسری اہمیت اس امر کی وجہ سے ہے کہ خلافت کے دو دعویداروں میں صلح ہوگئی اور ایک سخت شورش وانتشار کے بعد ربیع الثانی ۴۱ھ میں حضرت معاویہؓ کی خلافت کی بیعت کرلی گئی جس سے اتحاد وآشتی کا دور شروع ہوا۔ جو حضرت معاویہؓ کی ۶۰ھ میں وفات تک باقی رہا۔ اس لئے اس سال (۴۱ھ) کو ہماری تاریخ میں ''عام

marfat.com

الجماعۃ'' یعنی اتحاد واتفاق، امن وسلامتیاور توسیع وقوت کا سال کہا گیا ہے [۳۴]۔ بہرحال ۳۵ھ کے اواخر سے ۴۱ھ کے اوائل تک اسلام کے نظام سیاسی میں جو خلل در آیا تھا، وہ دور ہو گیا، ہرچند کہ اسے عسکری طاقت سے دور کیا گیا جو مستحسن نہ تھا۔

جب حضرت معاویہؓ کی خلافت کا اعلان کیا گیا، تو شام ومصر کے تمام مسلمانوں نے ان کی بیعت برضا ورغبت کرلی، اسی طرح حجاز (مکہ ومدینہ) میں بھی ایک معتد بہ جماعت نے ان کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ ارباب حل وعقد کی اکثریت ان کی بیعت پر متفق تھی اور ان میں منصب خلافت پر فائز ہونے کے اوصاف وشروط بدرجہ اتم موجود تھے۔ ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ کی خلافت سے دست برداری اور اہل عراق کی بیعت کے بعد وہ دنیائے اسلام کے امام وخلیفہ ہو گئے، ان کے خلیفہ مقرر کئے جانے میں انتخاب واختیار کا غالب عنصر موجود ہے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یہاں 'اقتدار'' بیعت سے مقدم ہے، جبکہ اسے مؤخر ہونا چاہیے تھا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ کا طریقہ انتخاب پہلے تینوں طریقوں سے مختلف ہے، لیکن ان کی خلافت پر امت مسلمہ کے اتفاق سے، بقول ابن خلدون، وہ جائز ٹھہرتی ہے [۳۵]۔ یوں ان کا انتخاب بحیثیت امام وخلیفہ، جائز اور شوردی ہے۔ اور یہ انتخاب خلیفہ کی چوتھی صورت ہے۔

اس کے بعد اسلام کا نظام سیاست کاری ایک نئی صورتِ حال سے دوچار ہوا۔ ۵۶ھ میں حضرت معاویہؓ اس خیال سے کہ ان کی وفات کے بعد امت محمدیہ پھر کسی انتشار کا شکار نہ ہو جائے، اپنی زندگی میں ہی اپنے بڑے بیٹے یزید کو جس کی سب سے بڑی فضیلت یہ تھی کہ وہ خلیفہ کا فرزند تھا اور شامی عربوں کی عصبیت وحمایت اسے حاصل تھی، اپنا ولی عہد بنا دیا۔ اس ولی عہدی کی دنیائے اسلام میں کوئی قابل ذکر مخالفت نہ ہوئی اور ارباب حل وعقد نے، اسے تسلیم کرلیا۔ صرف مدینہ کے چار ممتاز بزرگوں نے اس کی مخالفت کی اور اسے سنتِ شیخین کے خلاف ٹھہرایا۔ یہ حضرات تھے عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق، عبداللہ بن عمر فاروق، عبداللہ بن زبیر اور حسین بن علیؓ۔ حضرت معاویہؓ ان حضرات کو ولی عہدی، یزید پر متفق کرنے کی غرض سے بنفس نفیس مدینہ آئے اور ان حضرات سے اس مسئلہ پر بات چیت کی، مگر اپنی تمام تر ذہانت، علم وتدبر کے باوجود وہ ان لوگوں کو یزید کی ولی عہدی پر اپنا

marfat.com

ہم خیال نہ بنا سکے [۳۶]۔ اپنی اس ناکامی کا حضرت معاویہؓ کو شدید احساس تھا، چنانچہ اپنے مرض الموت میں بھی انہوں نے یزید کو جو نصیحتیں کیں ان میں ان حضرات کی مخالفت کا بطور خاص ذکر کیا۔[۳۷]

ان چار حضرات کی مخالفت نہایت اہم تھی کیونکہ حجاز میں بالخصوص اور دنیائے اسلام میں بالعموم ان کو ان کے قابلِ احترام آبائے کرام کی وجہ سے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کبار صحابہؓ میں سے اکثر کی وفات اور بعض کے پس منظر میں چلے جانے کے باعث یہ لوگ، کہ عہدِ عثمانی تک صغار صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے، اب اشرافیہ کے ارکان، صاحبانِ دانش وبینش اور اربابِ بست وکشاد سمجھے جاتے تھے۔ یہ حضرات نہ صرف یہ کہ خانوادہ، صدیقی، فاروقی وعلوی کے نمائندہ تھے، بلکہ مدینہ ومکہ کے انصار، مہاجرین اور قریش کے مقتدا دپیشوا بھی تھے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام میں انہیں ''مذہبی عصبیت'' بھی بڑی حد تک حاصل تھی۔ اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اہلِ حجاز، جو دنیائے اسلام میں اب بھی قابلِ احترام سمجھے جاتے تھے، یزید کی ولی عہدی پر راضی نہ تھے۔ انہیں راضی نہ کرنے کی وجہ سے بیعت یزید کا مقصد، کہ مسلمان انتشار کا شکار نہ ہوں، پورا نہیں ہوا۔ ہمارے اس خیالؔ کی تائید خلافت یزید میں رونما ہونے والے سانحات سے بھی ہوتی ہے اور اس کی موت کے بعد کے شورش انگیز حادثات سے بھی۔

بہر کیف انعقاد خلافت کی روایت میں اکثریت کو جو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ اس نام زدگی اور ولی عہدی میں بھی اسے برقرار رکھا گیا۔ اور امت محمدؐیہ کی بھاری اکثریت کو اس ولی عہدی اور اس کے نتیجہ میں خلافت کے انعقاد پر حضرت معاویہؓ کے تدبر کے سبب کوئی اعتراض نہ ہوا۔

خلیفہ کی زندگی میں اس کے ولی عہد کی بیعت سے موروثی نظامِ حکومت کا آغاز ہوا اور منصب خلافت میں کسرویت وقیصریت کی پیوند کاری کردی گئی۔ یہ ایسی صورتِ حال تھی جو اسلام کے نظام سیاست کاری کے بالکل الٹ تھی اور سنتِ خلفائے سلف سے کسی طور پر بھی ہم آہنگ نہ تھی۔ اس امر کی نشان دہی اس زمانہ میں بھی کردی گئی تھی۔ چنانچہ جب حضرت معاویہؓ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے سلسلہ میں مدینہ آئے، تو اہل مدینہ کے

marfat.com

نمائندہ کی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے دو ٹوک لفظوں میں کہا کہ ہمارے نزدیک انعقادِ خلافت کے وہی طریقے معتبر ہیں جنہیں حضرات شیخین نے اختیار کیا تھا اور ان کے علاوہ کسی اور طریقہ کو مسلمان کسی صورت میں قبول نہ کریں گے [۳۸]۔ یوں اسلامی نظام خلافت کے تاریخی ارتقاء میں ایک نیا سفر داخل ہو گیا یعنی خلیفہ کی زندگی میں ہی اس کا جانشین (ولی عہد) نامزد کر دیا جائے اور امت سے اس کی بیعت بھی لے لی جائے، تاکہ خلیفہ کے انتقال کے وقت کوئی انتشار نہ پیدا ہو اور ولی عہد کو ایک نئی بیعت سے مسند نشین خلافت کر دیا جائے۔

اس طریقہ کی حمایت میں سب سے قوی دلیل یہ دی جا سکتی ہے کہ ایسا کرنا امت میں انتشار کو رد کرنے کے لئے ضروری تھا۔ مگر یہ کہ ''ولی عہدی'' خلیفہ وقت کا بیٹا ہی کیوں ہو ''تقویٰ'' کی بناء پر ''ارباب حل و عقد'' کے مشورہ اور اجماع امت کے ذریعہ کیوں نہ اس کی نامزدگی عمل میں لائی جائے۔ جو منکرین نظامِ ولی عہدی پر حضرت عمر فاروقؓ کے استخلاف سے استدلال کرتے ہیں، اگر ان سے اتفاق کر لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اختلافِ امت کے خوف سے حضرت معاویہؓ کو سنتِ صدیقی پر عمل پیرا ہو کر کسی ''اصلح'' و ''امثل'' فرد کو اپنا ولی عہد بنانا چاہیئے تھا۔ ابن خلدون کے خیال میں یہ ممکن نہ تھا، کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق کو اسی بنا پر اپنا جانشین نامزد کرنا چاہا تھا مگر وہ ایسا نہ کر سکے، کیونکہ امت کی ''عصبیت'' بنو امیہ کے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھی اور اس کے علاوہ کسی کی نامزدگی سخت انتشار کا سبب بنتی۔ [۳۹]

قصہ کوتاہ رجب ۶۰ھ میں جناب معاویہؓ نے نسبۃً طویل عمر پا کر انتقال کیا اور ان کے حسبِ انتظام ان کا فرزند اول یزید بن معاویہ دمشق میں مسند آرائے خلافت ہوا۔ تمام دنیائے اسلام میں اسی کی بیعت کی گئی اور کہیں جبر سے کہیں رضا سے یہ مرحلہ بیعت انجام پایا۔ جیسا کہ صفحات گزشتہ میں عرض کر چکا ہوں مدینہ کے چار اصحاب سے یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا۔ ان میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادہ حضرت عبدالرحمٰنؓ وفات پا چکے تھے حضرت عمر فاروقؓ کے فخر امت صاحبزادہ حضرت عبداللہ نے اپنے کو اس مناقشہ سے الگ کر لیا اور کہہ دیا کہ امت جس شخص کی بیعت پر راضی ہو گی وہ بھی اس کی

marfat.com

بیعت کرلیں گے [۴۰]۔ یوں یزید کی بیعت خلافت کے موقع پر حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ہی اختلاف کا خطرہ تھا۔ چنانچہ یزید کے حکم سے امیر مدینہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو اس بات کی خاص طور سے ہدایت کی گئی کہ ان صاحبو سے وہ ضرور بیعت لے، مگر بوجوہ ان دونوں حضرات نے یزید کی بیعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے [۴۱]۔ اس طرح جس متوقع خطرہ کے پیش نظر یزید کی اپنے والد کی حین حیات ولی عہدی کا اعلان کیا گیا تھا وہ ٹلا نہیں، بلکہ بڑے شدومد سے سر پر آ گیا۔

محرم ۶۱ھ میں عراق کے مقام کربلاء میں حضرت حسینؓ یزید کے حق خلافت اور اپنی خلافت کی جدوجہد میں اپنے مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ کوفیوں کے ہاتھوں شہید کردیئے گئے [۴۲]۔ ان کی شہادت اسلام کی تاریخ کے نہایت اہم واقعات میں سے ہے۔ وہ جگر گوشہ رسولؐ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے فرزند دل بند، امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے سبط اصغر، رسول اکرم ﷺ کے عزیز نواسے اور جنت فردوس کے ریحان تھے۔ ان کی شہادت نے اسلام کے نظام سیاسی پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے اور بعد کے حوادث پر اس حادثہ فاجعہ کی گہری چھاپ ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھوں یہ المیہ ظہور پذیر ہوا انہیں شاید اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ "خون حسین" اسلام کی مذہبی وسیاسی تاریخ کے لئے ایک عظیم المیہ ثابت ہوگا اور اس کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔ [۴۳]

یزید کی خلافت کے دوسرے بڑے مخالف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں اہل مدینہ نے ۶۲ھ میں یزید کی بیعت فسخ کردی، اسے منصب خلافت سے خلع کردیا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا۔ یزید نے ان لوگوں کو افہام وتفہیم کے ذریعہ مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ ناکامی کے بعد شامی افواج نے مدینہ پر حملہ کردیا۔ ذوالحجہ ۶۳ھ میں مدینہ کے باہر "واقعہ حرہ" پیش آیا، اہل مدینہ کو شکست ہوئی اور کشت وخون کے بعد مدینہ پر یزید کی حکومت بحال ہوگئی۔ [۴۴] شہر نبیؐ پر مدینۃ الرسولؐ پر یہ حملہ اسلام کے لئے بڑا افسوس ناک ثابت ہوا۔

اس کے بعد شامی افواج نے مکہ کا رخ کیا۔ وہاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا۔ محرم ۶۴ھ میں افواج شام نے مکہ کا محاصرہ کرلیا اور جناب

marfat.com

ابن زبیرؓ سے جنگ شروع ہوگئی جس کے نتیجہ میں خانہ کعبہ آتش زنی کا شکار ہوگیا۔ اس محاصرہ کے دوران ہی یزید نے ربیع الاول ۶۴ھ میں انتقال کیا اور شامی افواج مکہ سے واپس چلی گئیں۔[۴۵]

یزید کے دور حکومت کے یہ تین واقعات یعنی شہادت حسینؓ، جنگ حرہ اور حصار مکہ، اسلام کی سیاسی و مذہبی تاریخ میں بڑے دوررس نتائج کے حامل ثابت ہوئے۔ ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک کے نو (۹) سال کہ اسلام کے نہایت پُر آشوب ماہ و سال ہیں انہیں کی صدائے بازگشت ہیں۔ یہ زمانہ دنیائے اسلام کے تفرق و تشتت کا عبرت انگیز مرقع ہے اور اس مرقع خوں ریز و نفاق بیز میں ہماری سیاست کاری کی جو تصویر نمایاں ہوتی ہے وہ حد درجہ تاریک ہے، فَهَل مِن مُدَّكِر۔

ربیع الاول ۶۴ھ میں یزید کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا، کہ ولی عہد، سلطنت تھا، سریر آرائے خلافت ہوا۔ معاویہ بن یزید بن معاویہ کی بیعت صرف چالیس دنوں تک قائم رہی۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی:

''لوگو! میں نے تمہاری امارت و قیادت سے متعلق بہت غور کیا، اس کے نتیجہ میں میں نے خود کو اس بار کے اٹھانے اور اس ذمہ داری کو سرانجام دینے سے عاجز و ناتواں پایا۔ میں نے تمہاری امارت کے لئے ابوبکر صدیقؓ کی سنت پر عمل کر کے عمر فاروقؓ جیسا شخص تلاش کیا، مگر مجھے ایسا کوئی شخص نہ مل سکا۔ پھر میں نے چاہا کہ عمر فاروقؓ کی اتباع میں چھ اصحاب کی شوریٰ مقرر کر دوں، جو اپنے میں سے کسی کو امام خلیفہ چن لے، لیکن مجھے ایسے چھ افراد بھی نہ مل سکے۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ خود کو اس بار عظیم سے سبک دوش کرلوں اور تمہیں یہ اختیار دے دوں کہ جسے چاہو اپنی امامت و قیادت کے لئے چن لو'۔

یہ کہہ کر نوجوان ابولیلیٰ معاویہ بن یزید قصر امارت میں چلا گیا اور پھر وہاں سے مر کر ہی نکلا۔ یہ تقریر سنت شیخین کی تائید مزید و توثیق کرتی ہے۔[۴۶]

اس طور سے ۶۴ھ میں دنیائے اسلام پھر ایک نئی صورت حال سے دو چار ہوئی۔ لیکن اب وقت بہت آگے جا چکا تھا، یہ دور اُس دور سے بہت مختلف تھا جو آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت تھا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی

marfat.com

بہت بڑی تعداد اوصاف امامت وخلافت سے متصف تھی، نیز اس زمانہ میں اسلامی ریاست سادہ اور سیاسی عمل غیر پیچیدہ تھا۔ اس زمانہ میں ایسی مشکلات نہ تھیں جیسی کہ ۶۴ھ میں پیدا ہو چکی تھیں۔ اب پہلے کی طرح صرف مدینہ ہی ارباب حل وعقد کا مرکز نہ تھا، بلکہ ان کی بڑی تعداد نومفتوحہ ممالک کے پرانے اور نوآباد شہروں میں منتقل ہو چکی تھی۔ ان شہروں میں عراق میں کوفہ وبصرہ، مصر میں فسطاط اور شام میں دمشق، حمص، فلسطین، اردن اور قنسرین کے ''اجناد'' (فوجی چھاؤنیاں) تھے۔ ہر چند کہ مدینہ بھی ایک ''جند'' تھا، مگر اس کی اہمیت دوسرے ''اجناد'' کے مقابلہ میں بہت گھٹ گئی تھی۔ ایک تو حضرت علیؓ کے زمانہ میں دارالخلافت کی منتقلی کے باعث، دوسرے واقعہ حرہ کی تباہ کاری کے سبب اور تیسرے معاشی وسائل کی کم یابی اور اقتصادی وسیاسی ابتلاء کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر آبادی کے انخلاء اور ''اجناد'' میں منتقلی کی وجہ سے۔ اس لئے اب بنوساعدہ کے سقیفے میں جمع ہو کر نہایت سادگی سے خلیفہ منتخب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب بدلے ہوئے حالات کا یہ اقتضاء تھا کہ تمام مراکز سے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر، اور وہ مقام مدینہ ہی ہوسکتا تھا، اصول شوریٰ کے مطابق خلیفہ کا انتخاب کر لیتے۔ مگر ایسا کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ یہ اسلامی سیاست کاری کا ایک چھپا ہوا نقص تھا، جو اس موقع پر ابھر کر سامنے آیا، اور یہاں کوئی ایسا گروہ یا ایسے اصول موجود نہ تھے، جو اس مسئلہ کو حل کرنے میں ممد ومعاون ہوتے اور ان کے مطابق مناسب قدم اٹھائے جاتے۔ کبار صحابہؓ کے بعد ایسی شخصیات بھی نگاہوں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھیں جن پر سب لوگ بلا اختلاف متفق ہو سکتے تھے۔ یوں اسلام کا نظام سیاست کاری ایک ایسی مشکل صورت حال سے دوچار ہوا، جو اس سے پہلے اسے کبھی پیش نہ آئی تھی۔ اس کے نتیجے میں دنیائے اسلام ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک نو (۹) سال بدترین انتشار اور طوائف الملوکی کا شکار رہی۔

یہ وہ دور تھا جب ایک عجیب معاشرتی تبدیلی وجود میں آ چکی تھی۔ خلفاء راشدین کے آخری دور اور بنوامیہ کے اوائل عہد میں جو غیر عرب اقوام (عجمی) ''اجناد'' خصوصاً کوفہ وبصرہ میں آباد ہو گئی تھیں، ان کا اپنا ایک شاندار ماضی تھا، وہ پڑھے لکھے اور ایک فکری ورثے کے امین بھی تھے [۴۷]، جب کہ وہ عرب قبائل جو ان کے ساتھ انہیں ''اجناد'' میں

آباد تھے، ان کی اکثریت بے پڑھی لکھی، اجڈ اور شوریدہ سر تھی۔ عراق میں یہ نو آباد عرب بیشتر یمنی تھے اور فتنہ ارتداد میں ملوث بھی رہ چکے تھے [۴۸]، ان سب کو قابو میں رکھنے کے لئے سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت معاویہؓ یا زیاد بن ابی سفیان جیسے نابغہ روزگار منتظمین کی ضرورت تھی۔ ایسے حضرات کی عدم موجودگی میں یہ لوگ بے سری فوج اور شتر بے مہار کی طرح تھے۔ انہیں عربوں کو فوجی اقتدار حاصل تھا۔ لیکن دینی علوم پر غیر عرب مسلمانوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ مگر حکومت کے معاملات میں انہیں کوئی خاص عمل دخل حاصل نہ تھا۔ اس لئے ان شہروں میں جو ''مرکز اطاعت'' قائم ہوا، وہ ''دوعملی'' کا شکار ہو گیا، کیونکہ جو فوجی اقتدار کے مالک تھے، وہ عموماً دینی علوم سے دور تھے اور جو دینی علوم کے ماہر تھے، وہ دینوی اقتدار سے بہت حد تک محروم تھے۔ اس صورت میں ارباب حل وعقد کی تعین جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی، کہ قوت بے علم اور علم بے قوت دونوں ہی انہدام معاشرہ کا باعث ہیں اور انضباط کے لئے قوت وعلم دونوں کی یکجائی ضروری ہوتی ہے۔ [۴۹]

عہد زیر نظر میں دنیائے اسلام میں جو ''اجناد'' تھے، ان کو ''فوجی قوت'' کا مرکز اور نظام سیاسی کی تکوین وتعین میں اساسی حیثیت کا مالک سمجھنا اور ہر سیاسی تبدیلی میں انہیں کو کلیدی اہمیت کا حامل خیال کرنا چاہیئے۔ مدینہ اگرچہ ایک جند کی حیثیت سے پہلی جیسی مرکزیت کا مالک نہ رہا تھا اور اس عہد میں اس کی اہمیت بہت کم ہو گئی تھی، پھر بھی اسے اس بناء پر اہم خیال کیا جاتا تھا کہ وہ تین بڑے سیاسی گروہوں (احزاب سیاسیہ) یعنی مہاجرین، قریش اور انصار کا مستقر، مہبط ومرکز تھا۔ اس کے علاوہ دین کا علم اسی شہر میں تھا، رسول اکرم ﷺ کی احادیث اسی شہر میں تھیں اور مہاجرین وانصار کہ اسلامی ریاست کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ ان کی نسلیں بھی اسی شہر سے تعلق رکھتی تھیں، اس لئے مرکز سیاسی وفوجی نہ ہوتے ہوئے بھی اور عظیم ابتلاء کے باوجود یہ شہر بڑی اہمیت کا مالک تھا۔ اسلامی دنیا کی اشرافیہ اور اولاد صحابہؓ کا ایک معتد بہ گروہ یہیں رہتا تھا اور دین کے علم کے حصول کی غرض سے لوگ یہیں آتے تھے۔ [۵۰]

عراق (کوفہ وبصرہ) میں نسلی گروہوں کے ساتھ نظریاتی گروہ بھی وجود میں آ چکے تھے۔ ان میں کوفہ کے ''شیعانِ علیؓ'' اور بصرہ کے ''خوارج'' نمایاں ہیں۔ عراق

marfat.com

خصوصاً بصرہ میں ایک تیسرا ''کلامی'' و عقلی گروہ، کہ سیاست میں ایک مخصوص نظریہ رکھتا تھا، اور مذہب کے معاملات میں عقل کی کارفرمائی کا قائل تھا، ''معتزلہ'' کہلاتا تھا۔ معتزلہ حریتِ فکر کے داعی تھے اور اپنے سیاسی و مذہبی افکار کو بڑی جرات کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے، لیکن ''اعتزال'' کا یہ پودا ابھی کم زور اور نشو و نما کے ابتدائی مرحلے میں تھا[۵۱]۔ اس طور سے عراق میں عربی، عجمی، کشمکش، قبائلی عصبیت وفکری ونظری اختلافات موجود تھے۔

عہد زیر نظر میں شام ہی عربوں کی اصل قوت کا مرکز تھا۔ لیکن یہاں بھی شمالی عرب کے بنو مضر اور جنوبی عرب کے بنو قحطان، بلکہ زیادہ درست تعبیر کی رو سے شمالی عربوں کے قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنو کلب اور شمالی عربوں کے بنو مضر کی شاخ بنو قیس کے قبائل، سیاسی و قبائلی مفادات کی خاطر مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کے اس افتراق سے سیاسی مہم جو اور اقتدار کے متلاشی حسب دل خواہ فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔ یہ قبائلی منافرت بعد میں شامی عربوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب ثابت ہوئی۔[۵۲]

جب معاویہ بن یزید بن معاویہ خلافت سے دست بردار ہوگیا[۵۳]، تو ان تمام مراکز میں نہ تو کسی قسم کا رابطہ تھا اور نہ ان کے اہواء واغراض یکساں تھے، اس لئے سب نے اپنے اپنے طور پر الگ الگ قدم اٹھایا۔ بصرہ میں خوارج نے، کوفہ میں شیعانِ علیؑ نے، حجاز میں خلافت راشدہ کے احیاء کے حامیوں نے اس سیاسی انتشار سے فائدہ اٹھانے یا اگر حسن ظن ہو تو اس انتشار کو ختم کرنے کے لئے کوششیں شروع کیں۔ اس طرح شام میں کلبی و قیسی قبائل نے اپنے قبائلی مفاد کی حفاظت کی خاطر اقتدار کی رسہ کشی میں حصہ لیا، شام کے قیسی اہل حجاز کے ہم نوا ہوگئے اور وہاں کے کلبی اموی خاندان کے حامی و ناصر[۵۴]۔ دوسری جانب کوفیوں نے مختار ثقفی کا ساتھ دیا[۵۵] اور بصرہ کے خوارج نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی[۵۶]۔ یوں دنیائے اسلام میں انتشار، افتراق اور لامرکزیت کا فتنہ درآیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نو (۹) سال تک بیک وقت چار دعویدارانِ خلافت، منصب خلافت پر قبضہ کے لئے ایک دوسرے سے برسر پیکار رہے، حتیٰ کہ حج کے موقع پر بھی، کہ اسلام کی اجتماعیت اور مسلمانوں کی یک جہتی واتحاد کا مظہر ہے، مسلمانوں

marfat.com

نے چار (۴) مختلف دھڑوں میں بنٹ کر چار (۴) مختلف پرچموں تلے اور چار (۴) سیاسی قائدین کی امارت میں فریضہ حج ادا کیا۔ یہ نتیجہ تھا [۵۷] انتخاب خلیفہ وامام سے متعلق اصول وضوابط کی عدم موجودگی کا۔

شام میں قیسی قبائل، ضحاک بن قیس فہری (قریشی) کی قیادت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حامی اور حجازی گروہ کے ہم نوا تھے۔ بنوکلب جن کا قائد حسان بن مالک بن بحدل کلبی تھا وہ ابن زبیرؓ کا سخت مخالف اور نتیجۃً اموی حکومت کی بازیابی واستقرار کے لئے کوشاں تھا۔ اس کی وجہ سے مروان بن حکم نے اس گروہ کی قیادت قبول کی، ورنہ وہ ابن الزبیرؓ کی بیعت کرنے پر آمادہ تھا۔ اموی گروہ میں مزید استحکام کی غرض سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکمراں مروان ہو، اس کا ولی عہد وجانشین یزید اول کا بیٹا خالد ہو جو بنوکلب کا نواسہ تھا، خالد کے بعد عمرو بن سعید اموی کو ولی عہدِ دوم نامزد کیا گیا، جو مروان کا عم زاد اور داماد تھا اور ایک باصلاحیت فوجی قائد اور بہادر سپاہی بھی تھا [۵۸]۔ یوں ''اموی پارٹی'' یا حزب اموی میں پہلی بار ایک ساتھ ایک سے زائد ''ولی عہد'' کی نامزدگی کا طریقہ رائج ہوا، جس سے بعد میں انتشار اور بدمزگی میں اضافہ ہوا۔ قصہ کوتاہ شام پر اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے قیسی وکلبی عربوں یا زبیری واموی احزاب میں دمشق کے قریب ''مرج راہط'' کے مقام پر ایک خون ریز جنگ ہوئی، جس میں کلبی عرب اور اموی پارٹی کو اپنے حریف پر بھرپور کامیابی ہوئی اور دمشق میں مروان بن حکم کی قیادت میں ۶۴ھ میں اموی خلافت کا استقرار ہوگیا، مگر اس خاندان کے سفیانی گھرانے کے بجائے مروانی گھرانے میں اور بعد کے تمام اموی خلفاء اسی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ جنگ مرج راہط نے اپنے عہد کی تاریخ اور اس دور کے عربی ادب پر بڑے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں [۵۹]، جن کا بیان ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

دوسری جانب عرب (حجاز یمن) اور بصرہ کے لوگوں نے امام وخلیفہ کی حیثیت سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کرلی۔ ابن زبیرؓ نے مصر وشام سے بھی اپنی بیعت لینی چاہی مگر عمرو بن سعید کے ہاتھوں ان کی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن خراسان میں ان کی بیعت کرلی گئی اور کوفہ میں بھی لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یوں مصر

marfat.com

وشام کے علاوہ ایک مختصر عرصہ کے لئے تمام اسلامی دنیا نے ان کی خلافت کو تسلیم کر کے ''نظام شوردی'' کی تائید وتوثیق کردی [۶۰] ۔مگر یہ سوال جواب طلب ہے کہ کیا ابن زبیرؓ نے خلافت راشدہ کو بحال کیا؟ کیا ان کا انتخاب اجماع واختیارات کے ذریعہ ہوا؟ اور کیا انہوں نے انہیں اصول جہاں بانی کو اختیار کیا جو مثلاً سیدنا عمر فاروقؓ کے اسوے سے ثابت ہیں؟ یہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کیا اس عہد کے دگرگوں اوضاع واطوار میں ایسا کرنا ممکن بھی تھا؟ کہنے والے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ابن زبیرؓ کے قول وعمل میں تضاد تھا اور مشہور اموی قائد روح بن زنباع جذامی نے یہ کہا بھی تھا۔ [۶۱]

تیسرا گروہ شیعان علیؓ کا تھا، جسے کوفہ اور اس کے توابع میں کافی قوت حاصل تھی ۔ اس عہد کے انتشار سے اہل کوفہ نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، ان کے متفق الخیال ہونے سے پہلے عبداللہ بن زبیرؓ نے کوفہ پر قبضہ کر کے اپنا گورنر (والی) مقرر کردیا تھا[۶۲]، اس زمانے میں جناب سلیمان بن صرد خزاعیؓ کی قیادت میں کوفہ کے معززین نے حمایت حسینؓ نہ کرنے پر سخت ندامت کا اظہار کیا اپنی اس غلطی پر توبہ کی اور تاریخ میں ''التوابون'' کے نام سے شہرت پائی۔کوفہ کے چھ ہزار اشراف شیعہ نے شام پر حملہ کرنے اور قاتلینِ حسینؓ کو کیفر کردار تک پہنچانے کی غرض سے ۶۵ھ میں شامی افواج سے ''عین الوردہ'' کے مقام پر جنگ کی اور شکست کھائی [۶۳] ۔التوابون کے کوفہ کے اُفق سے ہٹتے ہی مختار بن ابی عبید ثقفی کو موقع مل گیا، اس نے شہر سے زبیری گورنر کو لڑ کر نکال دیا اور شیعان علیؓ کے ترجمان وخون حسینؓ کے انتقام کے داعی کی حیثیت سے ۶۶ھ میں کوفہ اور اس کے متعلقہ علاقوں میں زبردست جنگی قوت بہم پہنچالی۔ اس نے امامتِ آل علیؓ کا نعرہ بلند کیا اور حضرت علیؓ کے غیر فاطمی بیٹے محمد بن حنفیہ کی لوگوں سے بیعت لینی شروع کردی [۶۴]۔

چوتھا گروہ ''خوارج'' کا تھا۔ یہ خوارج بصرہ اور اس کے اعمال یعنی ماتحت انتظامی علاقوں میں کافی قوت کے مالک تھے۔مگر ان کا مرکز وسطی عرب میں یمامہ وبحرین تھا۔ عہد زیر نظر میں ان کے سردار نافع بن ازرق حنظلی، عبداللہ بن اباض صریمی، ابوفُدیک یشکُری اور نجدہ بن عامر حنفی تھے۔ ان خوارج نے اسلامی ممالک میں کشت وخون کا بازار گرم کردیا یہ لوگ اپنی خیرہ سری کی وجہ سے مخالفوں کے قتل کے ساتھ ہی اپنے حامیوں کو

marfat.com

معمولی اختلاف پر تلوار کی دھار پر رکھ لیتے تھے۔ یوں یہ گروہ نہایت خطرناک تھا۔ بات بات پر تکفیر، اور قتل ان لوگوں کا معمول تھا۔ امامت وخلافت کے مسئلہ پر ان کے خیالات سب سے الگ اور ان کا رویہ بے لچک تھا۔ [۶۵]

سطور بالا سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عہد انتشار میں کہ ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک محیط ہے، دنیائے اسلام میں بیک وقت چار مدعیانِ امامت وخلافت تھے اور ان میں سے ہر ایک کے دعوئی کی اساس دوسرے سے بالکل مختلف تھی۔ اہل شام بنوامیہ کی حمایت عربوں کی نسلی برتری وقبائلی عصبیت کی بناء پر کرتے تھے۔ ان کے نزدیک دنیائے اسلام کی قیادت کا حق صرف عربوں کو تھا اور ان عربوں کی غالب اکثریت بنوامیہ کی حامی تھی، اس لئے وہی دوسروں کے مقابلہ میں امت کی امامت اور قیادت کے حقدار تھے [۶۶]۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے حامی خلافت کو ''شوروی'' سمجھتے تھے، ان کے خیال میں خلافت و امامت کیلئے انہیں اوصاف کی ضرورت تھی جو خلفائے راشدین میں تھیں۔ تقویٰ اور اصلحیت کی وجہ نے ان کا حق امامت وخلافت دوسروں سے مرجح ومقدم تھا۔ ان میں اس منصب کی مطلوبہ صفات وشروط بدرجہ اتم موجود تھیں یعنی وہ صفات وشروط جو حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروقؓ کے انتخاب واختیار کی بنیاد تھیں اور جو زمانہ مابعد میں خلافت وامامت کے امیدوار کے انتخاب میں معیار کا درجہ رکھتی تھیں۔ ان کے نزدیک اس معیار پر صرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پورے اترتے تھے اور وہی اس منصب کے اصلح، امثل واتقی ہونے کے باعث حقدار تھے [۶۷]۔ خلافت کے بقیہ دو دعویداروں کے نظریات بہت مختلف تھے۔ جب مختار بن ابی عبید ثقفی کو آلِ علیؓ کے نام پر اقتدار حاصل ہوگیا اور اس نے اپنی سہولت کی خاطر محمد بن حنفیہ کو امام وخلیفہ کی حیثیت سے متعارف کردیا، تو واقعی اقتدار اس کے ہاتھ میں رہا اور محمد بن حنفیہ کو اس میں سے کوئی حصہ نہ ملا۔ وہ اقتدار پر مستبدانہ قابض تھا اور ابن حنفیہ کا نام اپنے ذاتی اغراض کے حصول کی خاطر استعمال کرتا رہا [۶۸]۔ اس نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی فاطمی اولاد (خانوادہ حسنؓ وحسینؓ) کے بجائے غیر فاطمی اولاد کا سہارا اس لئے بھی لیا کہ ان لوگوں کو کوئی خاص حمایت واہمیت حاصل نہ تھی اور آل فاطمہؓ کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اس تیسرے فریق نے جو امامت

marfat.com

آل علیؑ کا نعرہ بلند کیا وہ اولاً تو امامت آل محمدؐ کے نعرہ سے مختلف تھا، کیونکہ آل محمدؐ میں حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی اولاد داخل تھیں حضرت علیؑ کی غیر فاطمی اولاد نہیں۔ بہر کیف مختار نے اپنے دعویٰ کی وجہ سے اسلام کے نظام سیاست کاری میں جو جوہری تغیرات پیدا کئے وہ یہ تھے کہ امامت موروثی اور ایک خاندان کا حق ہے اور وہ خاندان خلیفہ چہارم کا ہے، جگر گوشۂ رسولؐ اور ریحانہ جنت فردوس کا نہیں، دوسری تبدیلی یہ آئی کہ امام محض برائے نام ہو اور واقعی اختیار کسی اور کو حاصل ہو، یہی عمل عہد انحطاط کے عباسی وفاطمی خلفاء کے زمانوں میں بروئے کار آیا، تیسری تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ امامت وخلافت شوروی نہیں، بلکہ موروثی ہے، امت کو اختیار امام کا حق نہیں ہے بلکہ یہ ''ضرورت دین'' ہے۔ اور امام کا عزل ونصب امت کے دائرہ کار سے باہر ہے، اسے صرف اطاعت کرنا چاہیئے، کہ یہی اطاعت دین ہے اور اس سے انحراف دین سے انحراف ہے۔ امام امت کے سامنے جواب وہ نہیں ہے اور امت کا مرجع اطاعت وہی، منصوص من اللہ وہی اور آمر وناہی وہی ہے [۶۹]۔ مختار ثقفی کے مذہبی افکار اور اس کی بدعات کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے کہ اس سے یہ بحث غیر ضروری طور پر دراز ہوجائے گی، ہم ان عقائد وتصورات کو اس موضوع سے متعلق ایک طویل تر بحث میں سپرد قلم کریں گے۔ مختار ثقفی کے بعد خلافت وامامت کے چوتھے دعویدار کے افکار پر غور کرنا چاہیئے، یہ چوتھا گروہ خوارج کا ہے۔ ان کے نظریات پہلے تینوں احزاب، اموی، شوروی وعلوی، سے یکسر الگ تھے۔ پہلے تینوں گروہ کم از کم اس بات پر متفق تھے کہ امام وخلیفہ کو خاندانِ قریش سے ہونا چاہیئے، ہر چند کہ وہ جزئیات یا کلیات میں باہم مختلف الخیال تھے۔ لیکن خوارج کا یہ گروہ امام کے لئے قریشیت کی شرط کے بھی خلافِ تھا، اس کے عقیدہ کی رو سے کوئی بھی مسلمان اس منصب پر فائز ہونے کا حق رکھتا تھا، خواہ وہ عرب ہو یا عجم، اسی طرح اس کا آزاد (حرّ) ہونا بھی ضروری نہ تھا وہ غلام (عبد) بھی ہوسکتا تھا۔ خوارج کے گروہ مختلف الخیال اور باہم دگر مجادل بھی تھے، ان کے نزدیک منصب امامت وخلافت دوسرے احزاب کے برخلاف، واجب اور ضروری بھی نہ تھا، اس کا انعقاد امت پر لازم نہ تھا، اس سے اس منصب کی اہمیت ان کی نگاہوں میں حد درجہ کم ہوکر رہ گئی یا اس کے علاوہ امام کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ اپنے مخالفوں سے

marfat.com

جنگ کرے اور تلوار کے ذریعہ اپنے استحقاق کو امت سے تسلیم کرائے۔ ایک ہی وقت میں ان خوارج کے مختلف دھڑوں کے متعدد امام وامیر تھے، یہ تعدد، تشتت وتفرق کا سبب بنتے تھے، چنانچہ دنیائے اسلام میں یہ لوگ ''لاقانونیت'' کی علامت بن گئے تھے۔[۷۰]

محولہ بالہ بات چیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پچیس (۲۵) سال پہلے ہی خلافت وامامت، طاقت، شوریٰ، تقدیسِ نسل علیؑ اور انتشار وتشتت کے متضاد وباہم متصادم نظریات کی پیچیدگیوں میں الجھ گئی، اور اختلافات کی ایسی مضبوط ومستحکم بنیادیں وجود میں آگئیں جن سے دین کی دعوت متاثر ہوئی، احزاب سیاسیہ، فرق دینیہ کی شکل اختیار کر گئے اور امت کی سربراہی وامامت وخلافت کے انعقاد کا اصل مقصد فوت ہوگیا کہ اتحاد ملت اور شیرازہ بندی امت کے سوا کچھ اور نہ تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اختلاف اصول دین قرار پایا اور عقائد وافکار کی بلند وبالا عمارت اس کی بنیاد پر تعمیر کی گئی، اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو ہر گروہ، ایک فرقہ نہیں، ایک جداگانہ مذہب قرار پایا اور انسانی اقتدار کے اشتراک کے علاوہ ان میں باہم دگر کوئی بات مشترک اور کوئی اصل مابہ الاتحاد نہیں رہی۔ اس اختلاف کی تفصیل ہم نے اپنے طویل تر مقالہ میں کسی قدر وضاحت سے تحریر کی ہے، یہاں اسے قلم زد کرتے ہیں۔

قصہ کوتاہ پایان کار ''نظریہ طاقت وتفوق عرب'' کو کامیابی حاصل ہوئی اور مروانِ اول کا فرزند وجانشین عبدالملک ۷۳ھ میں اپنے تمام مخالفوں کو زیر کرکے دنیائے اسلام کا واحد مقتدر حکم راں ہوگیا[۷۱]۔ عبدالملک کے جانشینوں کے عہد میں اسلامی دنیا ۱۲۵ھ تک متحد رہی اور عظیم فتوحات وشاندار کامیابیوں کا یہ زمانہ پچاس (۵۰) سال سے زیادہ عرصہ پھیلا ہوا ہے۔

بنوامیہ نے دوبارہ برسراقتدار آکر نظام ولی عہدی میں مزید تبدیلیاں کیں۔ ایک تبدیلی یہ کی گئی کہ خلیفہ ولی عہد کی بیعت کو منسوخ کرنے لگا۔ چنانچہ جب اہل شام نے مروان بن حکم کو خلیفہ منتخب کیا تو اس کے بعد خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو یکے بعد دیگرے اس کا ولی عہد نامزد کیا[۷۲]۔ لیکن مروان بن حکم نے اپنی مختصر ترین مدت خلافت میں ان دونوں ولی عہدوں کی ولایتِ عہد منسوخ کرکے اپنے بعد اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز

marfat.com

کو یکے بعد دیگرے ولی عہد مقرر کردیا [۷۳]۔ جب عبدالملک کی باری آئی تو اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز کی ولی عہدی پر خط تنسیخ کھینچنے کی کوشش کی مگر موت نے عبدالعزیز کو میدانِ سیاست سے دور کردیا اور عبدالملک نے اپنے بیٹوں ولید اول اور سلیمان کو ولی عہد نامزد کرلیا [۷۴]۔ ولید اول نے سلیمان کو ولی عہدی سے ہٹانے کی سرتوڑ کوشش کی، لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی [۷۵]۔ ولید کی ناکام کوشش کا نہایت افسوس ناک نتیجہ نکلا اور سلیمان کی آتش انتقام میں دنیائے اسلام کے عظیم فاتحین موسیٰ بن نصیر لخمی، قتیبہ بن مسلم باہلی اور محمد بن قاسم ثقفی جل کر راکھ ہوگئے اور اسلامی فتوحات کے بڑھتے ہوئے قدم یکبارگی رک گئے۔ موسیٰ جس کی عتابانہ نگاہیں جبل برنات کے پار جنوبی فرانس کی تسخیر پر مرتکز تھیں، ولی عہدی کی تنسیخ وکشمکش کی بھینٹ چڑھ گیا۔ قتیبہ کو بقول خواجہ عطاء امت محمدیہ کا شہرزر تھا۔ چین کے دروازے پر دستک دے رہا تھا اپنے ہی سپاہیوں کے ہاتھوں جان سے گیا اور محمد، کہ دنیا کا نہایت کم سن مگر قابل ترین فاتح وسپہ سالار تھا، برصغیر میں ملتان کے صحراؤں کے پرے لشکر کشی کے منصوبے بنا رہا تھا اسے پابجولاں عراق واپس لے جایا گیا اور ایسی موت مرا جو ایک عظیم جنرل کے شایانِ شان نہ تھی۔ [۷۶]

بیک وقت ایک سے زائد ولی عہدوں کی نامزدگی سے خود اموی خاندان بھی اختلاف کا شکار ہوا۔ مروان کے بعد عمرو بن سعید کا عبدالملک کے ہاتھوں قتل اس خاندان میں پھوٹ کا پہلا بیج تھا جو بویا گیا [۷۷]، اسی طرح خالد بن یزید کی ولی عہدی کی تنسیخ سے خاندان میں ایک اور تفرقہ پڑا اور مروانی وسفیانی خانوادے ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے [۷۸]۔ اس کے علاوہ خلیفہ سابق کے عہد میں دو ولی عہدوں کی بیعت اور خلیفہ حال کے دور میں ان میں سے ایک کی تنسیخ، ادارہ بیعت کی بے قدری اور بے وقعتی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں ایسی بیعت کی کیا قدر ہوسکتی تھی جو ایک خلیفہ منعقد کرے اور اس کا جانشین خود کو برقرار مگر دوسرے ولی عہد کی بیعت کو توڑ کر اسے بازیچہ اطفال بنادے۔

جب ۹۶ھ میں سلیمان بن عبدالملک سریرآرائے خلافت ہوا، تو اس نے اپنے پیش رو خلفاء کی روش سے انحراف کیا اور اپنے بھائی یا بیٹے کو اپنا جانشین (خلیفہ) نامزد کرنے کے بجائے خاندانِ اموی کے ایک ایسے فرد کا انتخاب کیا جو بلاشبہ اصول شوریٰ اور

marfat.com

خلفاء راشدین کے اسوے کے مطابق بھی خلافت وامامت کی اہلیت رکھتا تھا[۷۹]۔ اس طور سے سلیمان کے نامزد خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم کی ذات میں طریق شوروی وروایت تفوق نسل عربی دونوں مجتمع ہوگئیں، یہ یقیناً ایک خوش گوار تبدیلی تھی ورامت نے بجا طور پر اطمینان کا سانس لیا، حتیٰ کہ خوارج نے اپنی تمام شورہ پستی وخیرہ سری کے باوجود، اس تقرر کو پسند کیا ان کے دور خلافت میں انہوں نے عموماً مسلح جدوجہد سے احتراز کیا، اس طرح شیعان علیؓ نے بھی ان کی خلافت کو قبول کیا[۸۰]۔ یوں ۹۹ھ میں ایک اصلاح کی صورت نکلی، بگاڑ کی فضاء بدلی اور امت میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ جناب عمر بن عبدالعزیز کی نامزدگی کے لئے سلیمان بن عبدالملک کی کھلے دل سے تعریف کی گئی ہے اور فاتحین اسلام کے استیصال کو بھی امت نے اس کار خیر کی وجہ سے برداشت کرلیا۔ امت نے سلیمان کو ''مفتاح الخیر'' یعنی ''کلید خوبی'' کے لقب سے نوازا، لیکن اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد دوسرا جانشین اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کو نامزد کر کے اس تبدیلی کے اچھے اثرات کو محدود اور اس کی برکات کو کم کردیا[۸۱]۔ ہم بجا طور یہ توقع رکھتے ہیں کہ اگر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو موت نے مہلت دی ہوتی اور وہ تین سال کے مختصر عرصہ کے بجائے زیادہ طویل عرصہ تک مسند نشین خلافت رہتے تو اسلام کے نظام سیاست کاری میں بہتری پیدا ہوتی اور اس کی وہ گت نہ بنتی جو بعد کے ادوار (بقیہ عہد اموی، عہد عباسی وغیرہ) میں ہوئی، کیونکہ تاریخ نے یہ واقعہ محفوظ رکھا ہے کہ وہ یزید ثانی کی ولی عہدی کے باوجود اتقی، اشل اور اصلح ہونے کی بناء پر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم بن محمد کو اپنا جانشین (خلیفہ) اور امت کا امام مقرر کرنا چاہتے تھے۔[۸۲]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد ۱۰۱ھ میں ولی عہدی کی بناء پر یزید بن عبدالملک سریر آرائے خلافت ہوا۔ خاندانی شرف میں وہ اپنے بھائیوں سے ممتاز تھا کہ یزید اول کا نواسہ اور سفیانی خانوادہ کا بھی فرد تھا اور مروانی خانوادہ کا بھی۔ مگر جناب معاویہؓ کی پوتی عاتکہ بنت یزید اور مروان بن حکم کے بیٹے عبدالملک کے فرزند ہونے کے سوا اس میں کوئی خصوصیت واہلیت نہ تھی۔ بہرحال جوں توں کر کے اس نے پانچ سال کی مدت گزار دی اور ۱۰۵ھ میں مرنے سے پہلے اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک کو اور اس کے

marfat.com

بعد اپنے بیٹے ولید بن یزید (ولید ثانی) کو اپنا جانشین مقرر کرلیا۔ یوں بیک وقت دو ولی عہدوں کی بدعت جاری وساری رہی۔[۸۳]

ہشام بن عبدالملک کا عہدِ خلافت ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ تک اور نسبتاً ایک طویل عرصہ ہے۔ اپنی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں اور سادہ اخلاق کے لئے اس کے دور کی مؤرخین نے تعریف کی ہے، وہ اپنے خاندان کا آخری مدبر تھا، مگر ولی عہد دوم نکما اور نااہل ترین شخص تھا، اس لئے ہشام اپنے اس جانشین کو معزول کرنا چاہتا تھا، مگر یہ اموی خاندان اور دنیائے اسلام کی بدقسمتی تھی کہ وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو پایا اور جب ۱۲۵ھ میں اس کا انتقال ہوا تو بدترین خاندانی عداوتوں کے پس منظر میں ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان بن حکم، اپنے چچا ہشام بن عبدالملک جیسے مدبر اور منتظم کا جانشین ہوا۔ اس کے ساتھ ہی خاندانی عداوتوں اور قبائلی لڑائیوں کا آغاز ہو گیا جس نے اموی خلافت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔[۸۴]

ولید بن یزید (ولید ثانی) نے ۱۲۵ھ سے ۱۲۶ھ تک سوا سال کے قریب حکومت کی، ولید اول اور ہشام کے گھرانوں سے اس کی عداوت نفرت میں بدل گئی تھی، یوں بنو امیہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا، لیکن ولید ثانی کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ اس کی مذہب سے بے راہ روی اور خلاف مذہب حرکات تھیں، اس کا چچا ہشام اس سے اسی لئے ناراض تھا اور اسے منصب خلافت سے اس کے فسق وفجور کے باعث ہٹانا چاہتا تھا۔ عہد عباسی کے مؤرخین نے، یقیناً ولید ثانی کی جانب بہت سی غلط باتیں بھی منسوب کر دی ہیں، مگر یہ سچ ہے کہ اس کی مے نوشی، موسیقی سے شغف، شعائر اسلام کے استخفاف اور فسق و فجور کی روایتیں متواتر ہیں اور ان سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس کی ان "مذہب مخالف" حرکات کی وجہ سے شام میں اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا، جس میں پیش پیش اس کے خاندان کے افراد ہی تھے۔ مخالفوں کے ٹولے کا سردار یزید بن ولید بن عبدالملک بن مروان (یزید ثالث) تھا، جو اپنے تقویٰ اور نیکوکاری کے لئے مشہور تھا ۸۵۔ بہرکیف جمادی الآخر ۱۲۶ھ میں اپنے محاصرہ کے دوران ولید ثانی نے محاصرین کے سرغنہ یزید بن عنبسہ سکسکی سے اس کی مخالفت کی وجہ دریافت کی، تو اس نے یہ جواب دیا:

marfat.com

''ہم تمہارے مخالف اس لئے نہیں ہیں کہ ہمیں تم سے کوئی ذاتی عداوت ہے، ہم تو تمہاری مخالفت اس لئے کر رہے ہیں کہ تم نے ان چیزوں کو حلال کرلیا ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، تم شراب پیتے ہو، تم اپنے باپ کی لونڈیوں کے ساتھ بدکاری کرتے ہو اور تم اللہ کے دین کا استخفاف کر رہے ہو اور اللہ کے احکام کو پامال کر رہے ہو''۔[۸۶]

اسلام کے نظام سیاست کاری کی تاریخ میں خصوصاً عہد اموی کے تناظر میں یہ ایک نئی اور مستحسن روش تھی، بعد میں بھی ہم اس کی مثالیں دیکھتے ہیں۔ ان مثالوں سے عہد اموی کی مزعومہ ''لامذہبیت'' کی ان روایتوں کی بے اصلی ثابت ہو جاتی ہے، جنہیں عہد عباسی کے درباری وضاعین نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی غرض سے بڑی آب و تاب سے بیان کیا ہے۔[۸۷]

جمادی الآخرہ ۱۲۶ھ میں ولید ثانی کے قتل کے بعد اس کا برادر عم زاد یزید بن ولید (یزید ثالث) سریرآرائے خلافت ہوا۔ اس کا عہد نہایت مختصر اور داخلی انتشار سے پُر ہے۔ اس نے چھ ماہ کی حکومت کے بعد ذوالحجہ ۱۲۶ھ میں انتقال کیا۔ اس کے دور کی دو باتیں ہمارے موضوع سے بطور خاص تعلق رکھتی ہیں، ایک اس کی ''مذہبیت'' دوسری اس کی ''شورویت''۔ جب اس کی بیعت کی جانے لگی اور اس کے حامیوں نے اس کا نام تجویز کیا تو وہ کھڑا ہوا اور کہا:

''بارالہا! اگر میری خلافت تیری رضاء کی خاطر ہے، تو میری دستگیری فرما اور میری اصلاح کر، لیکن اگر ایسا نہ ہو، اور یہ بیعت خلافت تیری خوشنودی کے لئے نہ ہو، تو اسے مجھ سے میری موت کے ذریعہ پھیر لے (یعنی مجھے موت دے دے)''۔[۸۸]

یزید ثالث کے شش ماہہ عہد کی دوسری اہم بات جو سیاسی تغیرات اور نظام میں تبدیلی کے طالب علم کے نقطہ نگاہ سے بڑی اہمیت کی مالک ہے، وہ اس کی وہ تقریر ہے جو اس نے اپنی بیعت کے بعد لوگوں کے سامنے کی تھی۔ اس نے مجمع کو مخاطب کر کے کہا:

''لوگو! اللہ کی قسم میں نے غرور و تکبر، دنیا کی حرص و طمع اور حکومت کی طلب و رغبت کے سبب یہ خروج نہیں کیا، اگر میں ایسا کروں، تو میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کروں گا

marfat.com

اور میرا رب مجھ پر رحم نہ کرے گا۔ میں نے یہ خروج اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کی خاطر کیا کیونکہ ہدایت کے نشانِ راہ کو ڈھایا جا رہا تھا، پرہیزگاروں کے نور کو بجھایا جا رہا تھا، سرکش ظالم غالب ہوگیا تھا، جس نے ہر حرمت کو حلال کر دیا تھا اور ہر بدعت کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ بخدا نہ اللہ کی کتاب (قرآن) کی تصدیق کرتا تھا اور نہ روز حساب (قیامت) پر اس کا ایمان تھا۔ وہ حسب میں میرا ابن عم اور نسب میں میرا کفوء وہم سر تھا۔ جب میں نے یہ حالات دیکھے تو اس معاملہ میں اللہ سے بھلائی طلب کی (استخارہ کیا) اور یہ دعا کی کہ میں اپنے نفس پر اعتماد نہ کروں۔ چنانچہ میں نے اپنے علاقہ کے لوگوں کو جنہوں نے میری پکار پر لبیک کہا، بلایا اور اس کام (ولید ثانی کے عزل) میں کوشش کی یہاں تک کہ اللہ نے عباد (بندوں) اور بلاد (ملک) کو ولید سے نجات دلائی۔ ایسا میری قوت وطاقت سے نہیں بلکہ اللہ کی قوت وطاقت سے ہوا۔ لوگو! مجھ پر تمہارا یہ حق ہے کہ میں اس وقت تک پتھر پر پتھر اور اینٹ پر اینٹ نہ رکھوں (کوئی عمارت تعمیر نہ کراؤں) نہ کوئی نہر کھدواؤں، نہ کسی قسم کا مال اکٹھا کروں، نہ اسے زن وفرزند کو بخشوں اور نہ ایک علاقہ (بلد، صوبہ، خطہ) سے دوسرے علاقہ کو منتقل کروں، جب تک کہ اس علاقہ کی سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست نہ کرلوں اور وہاں کے ضرورت مندوں کی اعانت ودستگیری نہ کرلوں۔ اگر اس علاقہ کی ضروریات کی تکمیل کے بعد بھی کچھ مال بچ رہے گا، تو اس سے اس کے متصل زیادہ ضرورت مند علاقے کو منتقل کردوں گا۔ میں تم لوگوں کو تمہاری سرحدی فوجی چھاؤنیوں میں زیادہ عرصہ تک مقیم نہ رکھوں گا جس سے تم اور تمہارے اہل خانہ فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔ میں تم لوگوں پر اپنے دروازے بند نہ کروں گا، کہ تمہارے قوی افراد تمہارے کمزور اشخاص کو ہڑپ کر جائیں۔ میں تمہارے ذمیوں کو جزیہ سے اس قدر زیر بار نہ کروں گا کہ وہ اپنے علاقوں سے ترک وطن کر جائیں اور ان کی نسل ختم ہو جائے۔ میں تم لوگوں کو تمہارے عطیے (اعطیات) سالانہ اور تمہاری تنخواہیں (ارزاق) ماہانہ ادا کرتا رہوں گا تاآنکہ مسلمانوں کے مابین معیشت کے وسائل کی فراوانی ہو جائے اور ان میں جو لوگ دور ہیں وہ ان کے مانند ہو جائیں جو قریب تر ہیں۔ تم لوگوں سے میں نے جو وعدے کیے ہیں، اگر میں انہیں پورا کروں تو تم پر میری اطاعت، فرماں برداری وحسن مشورہ

marfat.com

(ذمہ داری میں ہاتھ بٹانا) لازم ہے۔ اگر میں اپنے وعدے ایفاء نہ کروں، تو تمہیں اختیار ہے کہ مجھے منصب خلافت سے علیحدہ کر دو، یا پھر مجھ سے توبہ کرواؤ اور اگر میں توبہ کرلوں، تو میری توبہ کو تسلیم کرلو۔ اگر کوئی ایسا شخص تمہارے علم میں ہو، جو صلاح وتقویٰ سے معروف ہو اور تمہیں اپنی طرف سے ان حقوق کے دینے پر آمادہ ہو جو میں تمہیں دے رہا ہوں، اور تم اس کی بیعت کرنا چاہتے ہو، تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس کی بیعت کر کے اس کی اطاعت قبول کرلے گا۔

لوگو! خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت لازم نہیں، وعدہ خلافی سے اس کے لئے کوئی ایفاء نہیں، بے شک طاعت تو اللہ ہی کی ہے، اس وقت تک امام کی اطاعت کرو جب تک وہ اللہ کی اطاعت کرے، اگر وہ اللہ کی نافرمانی کرے اور معصیت کی جانب لوگوں کو بلائے، تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے اور اس کی گردن ماردی جائے، میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے لئے اور تم سب کے لئے دعا مغفرت کرتا ہوں''۔[۸۹]

یزید ثالث کا یہ خطبہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے خطبۂ خلافت کی صدائے بازگشت ہے۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں مسجد نبوی میں منبر رسول ﷺ سے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے روبرو کی گئی تقریر، اسلام کے نظام سیاست کی اساس اور اس کی کارکردگی کی بنیاد ہے۔ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے حمد وصلوۃ کے بعد لوگوں سے یہ خطاب کیا تھا:

''لوگو! مجھے تمہارا والی وامیر مقرر کیا گیا ہے، لیکن میں تم لوگوں سے برتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھے کام کروں، تو میری مدد کرو، اور اگر میں غلطی کروں، تو میری اصلاح کرو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ تم میں سے جو لوگ کمزور ہیں وہ میرے نزدیک قوی ہیں، تاآنکہ میں ان کے لئے ان کا حق نہ لے لوں، اور تم میں جو لوگ قوی ہیں وہ میرے نزدیک کمزور ہیں، یہاں تک کہ میں ان سے حق واپس نہ لے لوں، انشاء اللہ۔ تم میں سے کسی کو جہاد سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے، اللہ اسے ذلیل وخوار کر دیتا ہے۔ میں جب تک اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں، میری اطاعت کرو۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کروں، تو تم لوگوں

marfat.com

پر میری اطاعت فرض نہیں ہے''۔[۹۰]

یزید ثالث کے خطبہ میں جن مالی اصلاحات و مواعید کا ذکر ہے، وہ عہد اموی کی بے اعتدالیوں کی نشان دہی کرتی ہے اور ان سے اس بات کا بھی پتا چلتا ہے کہ اسلامی نظام سیاسی میں ''مقامیت'' یا صوبائیت کا کس حد تک عمل دخل ہو گیا تھا۔ یہ امر عربوں کی مرکز گریز فطرت کا عکاس ہے اور اموی عہد کے تحزب، تشیع وقبائلی تعصب کا اسے لازمی نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔ اوپر ذکر کی گئی دونوں تقریروں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امام وخلیفہ کے ''عزل'' کا اختیار ''امت'' کو حاصل تھا، لیکن کسی واضح ومسلم طریقہ کی عدم موجودگی میں یزید ثالث کو تلوار کا سہارا لینا پڑا اور جب تلوار حکم بنتی ہے تو انتشار وتشتت کی کوکھ سے ''فتنہ'' جنم لیتا ہے جو ''فساد'' اور بگاڑ کی آخری حد ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا اور شام میں عربوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر ''الجزیرہ'' کے اموی گورنر مروان بن محمد بن مروان نے، کہ پہلے مروانی خلیفہ کا پوتا تھا، علم بغاوت بلند کر دیا اور ۱۲۷ھ میں دمشق پر اپنا قبضہ کر کے یزید ثالث کے ولی عہد ونامزد جانشین ابراہیم بن ولید بن عبدالملک بن مروان کو معزول اور ولی عہد دوم عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک بن مروان کو ولایت عہد سے الگ کر دیا۔[۹۱]

مروان بن محمد بن مروان (مروان ثانی) کا شش سالہ عہد ۱۲۷ھ سے ذوالحجہ ۱۳۲ھ تک [۹۲]۔ داخلی انتشار کا دور ہے شامی عربوں، اولاد ولید اول، سلیمان وہشام کی مخالفتوں اور خانہ جنگیوں پر مستزاد الجزیرہ اور عرب کے خوارج کی بغاوتوں نے حکومت کے شیرازے کو بکھیر کر رکھ دیا، جس سے مشرق (خراسان) سے سیاہ بادلوں کی طرح اٹھنے والی عباسی تحریک (دعوتِ عباسیہ) اپنے سیلاب میں اموی حکومت کو بہا لے گئی اور پایانِ کار دریائے ''زاب'' کے کنارے اموی خلافت کا سفینہ کہ عربوں کی بالادستی کی کشتی نوح تھا، غرق آب ہو گیا [۹۳] اور پھر عربوں کی خالص بالادستی (اقتدار بحت) کا خواب ''دیوانے کا خواب'' بن گیا۔ اس عبرت ناک سانحہ کی نوحہ خوانی وداستان سرائی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ نسبۃً ایک طویل مقالہ میں انشاء اللہ ہم اس کا ذکر کسی قدر بسط وتفصیل سے کریں گے۔

marfat.com

آخری اموی خلیفہ مروانِ ثانی کے استحقاق خلافت کی بنیاد بھی ولی عہدی ٹھہری۔ ولید ثانی نے اپنے پندرہ ماہ کے مختصر اور پُر شور و پُر فسق و فجور عہد میں بھی اپنے بعد اپنے دو بیٹوں حکم بن ولید ثانی و عثمان بن ولید ثانی کو ولی عہد نامزد کیا تھا [۹۴] اور تمام ممالک محروسہ سے ان دونوں کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی۔ یزید ثالث نے ان دونوں کو ان کے باپ کے قتل کے بعد قید کر دیا تھا، جب ابراہیم بن ولید اول خلیفہ ہوا اور مروان ثانی نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور دمشق کے قریب فوج لے کر چڑھ آیا تو ابراہیم کے آدمیوں نے ولید ثانی کے محبوس ولی عہدوں کو قتل کر دیا تا کہ مروان ثانی انہیں منصب خلافت پر متمکن نہ کر سکے، اس ہنگامۂ قتل و غارت سے ایک اموی سردار ابو محمد سفیانی زندہ بچ رہا تھا، اس نے مروان کے روبرو یہ شہادت دی کہ ان ولی عہدوں نے اسے اپنا جانشین مقرر کیا ہے اور حکم بن ولید ثانی کے چند اشعار سنائے جن میں یہ شعر بھی تھا: [۹۵]

فَاِن اَهلِكْ اَنَا وَوَلِیُّ عَهدی
فَمَر وانٌ اَمیرُ المؤمنینا

(یعنی اگر میں اور میرا ولی عہد (عثمان) مارے جائیں
تو مروان (ثانی) مسلمانوں کا امیر اور امام خلیفہ ہوگا)

ہم اس بحث کو اموی عہد تک کے تغیرات و تصورات کے حوالہ سے مروان ثانی کے ایک مکتوب کے اہم نکات پر ختم کرنا چاہتے ہیں، جن سے اموی خلفاء کا خلافت سے متعلق نظریہ واضح ہوتا ہے۔ یہ مکتوب ولید ثانی کے بھائی غمر بن یزید بن عبدالملک بن مروان کو لکھا گیا تھا: [۹۶]

''یہ خلافت اللہ کی جانب سے اس کے رسولوں کے منہج و سنت پر اور اس کے دین کے قوانین (شرائع) کے قیام و انصرام پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلفاء کو یہ منصب عطاء فرما کر، شرف و بزرگی عطاء کی ہے، اللہ نے ان خلفاء کو اور ان کے احترام کرنے والوں کو عزت و اقتدار ارزانی فرمایا ہے، جنہوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے برخلاف راستہ اختیار کیا ان پر ہلاکت ہو، مسلمانوں کی مدد کے ساتھ خلافت کے حقوق کو مرعی رکھنے والے یکے بعد دیگرے اٹھتے رہیں گے''۔

marfat.com

حواشی۔ضمیمہ

١۔ القرآن المجید، البقرہ ١۴٣، آل عمران، ١١٠، ١۵٩، النساء ۵٩، النور ۵۵، الشوریٰ ٣٨، الحج ۴١۔

٢۔ ابن خلدون، المقدمہ التجاریہ الکبریٰ مصر س ن ص ١٩٢، ابوالحسن الماوردی، الاحکام السطانیہ، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ١٩۶٠ء، صفحہ ۵ و بعد۔

٣۔ محمد بن عبدالکریم الشہرستانی، الملل والنحل، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی ١٩۶١ء، جلد اول، صفحہ ٢۴ تا ٢٧۔

۴۔ الشہرستانی، الملل والنحل، جلد اول، ص ١۴ تا ١۶۔

۵۔ محمد بن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، مطبوعہ دارالمعارف مصر، جلد ہشتم، صفحہ ۶٣١ و بعد۔

۶۔ ابن الاثیر جزری، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ بیروت ١٩۶٧ء، جلد دوم ص ٢٢٠۔

٧۔ طبری، جلد سوم، صفحہ ٢٢٠ و بعد۔

٨۔ طبری، ٣: ٣٢١ و بعد، ابن کثیر دمشقی، البدایہ والنہایہ، المکتبہ، القدوسیہ، لاہور ١٩٨۴ء، جلد ششم، صفحہ ٣٠٢۔

٩۔ ابن الاثیر، ٢: ٢١٧۔

١٠۔ ابن الاثیر، ٢: ٢٢٠۔

١١۔ ابن خلدون، المقدمہ، ص ١٩١۔

١٢۔ ابن الاثیر، ٢: ٢٩٢، ٢٩٣۔

١٣۔ الماوردی، ص ١٠۔

١۴۔ طبری، ۴: ٢٣٢۔

١۵۔ ابن الاثیر، ٢: ٢٩١، ٢٩٢۔

marfat.com

۱۶۔ طبری، ۴: ۲۲۸۔

۱۷۔ طبری، ۴: ۲۲۷، ۲۲۸۔

۱۸۔ ابن الاثیر، ۳: ۲۷ و بعد۔

۱۹۔ ابن الاثیر، ۳: ۳۴ تا ۴۰۔

۲۰۔ طبری، ۴: ۲۲۸ (سیدنا عمر فاروق کا قول (مثلاً)۔

۲۱۔ ابن الاثیر، ۳: ۱۱۴۔

۲۲۔ ابن خلدون، المقدمہ، ص ۲۰۵، طبری، ۴: ۲۲۷۔

۲۳۔ طبری، ۴: ۴۲۹۔۴۳۲، ۴۳۷۔

۲۴۔ طبری، ۴: ۴۳۷۔

۲۵۔ طبری، ۴: ۴۲۹ تا ۴۳۱، ۴۶۷، ۴۶۸۔

۲۶۔ طبری، ۴: ۴۴۲۔

۲۷۔ طبری، ۴: ۴۵۶۔

۲۸۔ ابن خلدون، المقدمہ، ص ۲۰۵۔

۲۹۔ ابن خلدون، المقدمہ، ص ۲۱۴۔

۳۰۔ طبری، ۵: ۱۰۱ و بعد۔

۳۱۔ طبری، ۵: ۱۴۰۔

۳۲۔ طبری، ۵: ۱۶۱۔

۳۳۔ طبری، ۵: ۱۴۶، ۱۴۷۔

۳۴۔ طبری، ۵: ۱۶۲، ۱۶۳۔

۳۵۔ ابن خلدون، المقدمہ، ص ۲۰۵، ۲۰۶۔

۳۶۔ طبری، ۵: ۳۰۱ تا ۳۰۴۔

۳۷۔ طبری، ۵: ۳۲۳۔

۳۸۔ ابن الاثیر، ۳: ۲۵۲۔

۳۹۔ ابن خلدون، المقدمہ، ص ۲۰۶، ۲۰۷۔

marfat.com

۴۰۔ طبری، ۵: ۳۴۲۔
۴۱۔ طبری، ۵: ۳۳۸ تا ۳۴۲۔
۴۲۔ طبری، ۵: ۴۰۰ و بعد۔
۴۳۔ طبری، ۵: ۴۸۵ و بعد۔
۴۴۔ طبری، ۵: ۴۸۷ و بعد۔
۴۵۔ طبری، ۵: ۴۹۶ و بعد۔
۴۶۔ طبری، ۵: ۵۳۰، ۵۳۱۔
۴۷۔ احمد امین، فجر الاسلام، مطبوعہ مکتبۃ النہضۃ المصریہ، قاہرہ ۱۹۶۵ء، صفحہ ۹۱ و بعد۔
۴۸۔ ابن الاثیر، ۲: ۲۷۶، ۲۹۸۔
۴۹۔ فجر الاسلام، ص ۱۵۲ تا ۱۵۶۔
۵۰۔ فجر الاسلام، ص ۱۷۰ و بعد۔
۵۱۔ فجر الاسلام، ص ۱۸۲ و بعد۔
۵۲۔ طبری، ۷: ۲۶۲ و بعد۔
۵۳۔ طبری، ۵: ۵۳۰، ۵۳۱۔
۵۴۔ طبری، ۵: ۵۳۴۔
۵۵۔ طبری، ۶: ۷ و بعد۔
۵۶۔ طبری، ۶: ۱۱۹۔
۵۷۔ طبری، ۶: ۱۳۸۔
۵۸۔ طبری، ۵: ۵۳۶، ۵۳۷۔
۵۹۔ طبری، ۵: ۵۳۵ و بعد۔
۶۰۔ طبری، ۵: ۵۳۰۔
۶۱۔ طبری، ۵: ۵۳۶۔
۶۲۔ طبری، ۵: ۵۲۹، ۵۳۰۔
۶۳۔ طبری، ۵: ۵۵۱ و بعد۔

marfat.com

۶۴۔ طبری، ۶: ۱۳، ۱۴۔

۶۵۔ فجر الاسلام، ص ۲۵۷ و بعد۔

۶۶۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۶۴ء، جلد اول، صفحہ ۳۴۲۔

۶۷۔ تاریخ الاسلامی السیاسی، ۱: ۴۱۱۔

۶۸۔ طبری، ۱: ۱۳۰ و بعد، شہرستانی، ۱: ۱۴۷ تا ۱۵۰، تاریخ الاسلامی السیاسی، ۱: ۴۰۲ و بعد۔

۶۹۔ فجر الاسلام، صفحہ ۲۶۷ و بعد۔

۷۰۔ فجر الاسلام، ص ۲۵۸ تا ۲۶۱۔

۷۱۔ طبری، ۶: ۴۱۸۔

۷۲۔ طبری، ۵: ۵۳۷۔

۷۳۔ طبری، ۵: ۶۱۰۔

۷۴۔ طبری، ۶: ۴۱۶۔

۷۵۔ طبری، ۶: ۴۹۸، ۴۹۹۔

۷۶۔ ابن الاثیر، ۴: ۱۳۷ تا ۱۴۲۔

۷۷۔ طبری، ۶: ۱۴۵۔

۷۸۔ ابن الاثیر، ۳: ۳۴۷۔

۷۹۔ طبری، ۶: ۵۵۰۔

۸۰۔ طبری، ۶: ۵۵۵ و بعد، ابن الاثیر، ۴: ۱۶۳۔

۸۱۔ ابن الاثیر ۴: ۱۵۱۔

۸۲۔ طبری، ۶: ۵۶۵ و بعد، ابن خلدون، المقدمہ، ص ۲۰۶، ۲۰۷۔

۸۳۔ طبری، ۶: ۵۷۴ و بعد۔

۸۴۔ طبری، ۷: ۲۰۹ و بعد۔

۸۵۔ طبری، ۷: ۲۳۱ و بعد۔

۸۶۔ طبری، ۷: ۲۴۶۔

marfat.com

۸۷۔ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی، صفحہ ۱۸۔

۸۸۔ طبری، ۷: ۲۴۰۔

۸۹۔ الجاحظ، البیان والتبیین، مطبوعہ دارصعب، بیروت، جلد دوم، صفحہ ۲۸۴، طبری، ۷: ۲۶۸، ۲۶۹۔

۹۰۔ ابن الاثیر، ۲: ۲۲۴، ۲۲۵۔

۹۱۔ طبری، ۷: ۳۰۰ وبعد۔

۹۲۔ طبری، ۷: ۴۴۲۔

۹۳۔ طبری، ۷: ۳۰۰ وبعد۔

۹۴۔ طبری، ۷: ۲۱۸۔

۹۵۔ طبری، ۷: ۳۱۱، ۳۱۲۔

۹۶۔ طبری، ۷: ۲۸۱۔

marfat.com

زیرِ نظر کتاب جولیس ولہاوزن (J.WELLHAUSEN) کی جرمنی میں لکھی گئی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب پہلے عربی زبان میں ترجمہ کی گئی، بعد ازاں اسے پروفیسر علی محسن صدیقی نے اردو کے قالب میں ڈھالا۔

ولہاوزن کی کتاب "عہدِ اُموی میں سیاسی و مذہبی احزاب" کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ خوارج سے متعلق اور دوسرا حصہ شیعہ سے متعلق ہے۔ فاضل مترجم نے کتاب کے دوسرے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں پروفیسر علی محسن صدیقی صاحب کا ایک پُر مغز مقالہ "نظامِ خلافت اور اسلامی سیاست کاری کا تاریخی ارتقا" (از ۱۱ھ تا ۱۳۲ھ یعنی آغاز سے عہدِ اُموی کے اختتام تک) ضمیمے کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔

ISBN
969-8448-16-0

Paper Back Rs. 100/=
Hard Binding Rs. 120/=